جلد نمبر ۲





علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ

الارشادات النبویہ



از
الحاج
مولینا سید محمد قاسم شاہ
صاحب بخاری مہتمم حنفیہ کالج
و صدر انجمن تبلیغ الاسلام
جموں و کشمیر
سرینگر کشمیر

شعبہ نشر و اشاعت انجمن تبلیغ الاسلام
دفتر کیموہ کولگام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الارشادات النبویہ

علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ

جلد اوّل

مؤلف

علامہ سید محمد قاسم شاہ بخاری

صدر انجمن تبلیغ الاسلام و مہتمم حنفیہ عربی کالج نور باغ سرینگر کشمیر

شائع کردہ:

شعبہ نشر و اشاعت انجمن تبلیغ الاسلام

زون کیمپ کوکرناگ (ضلع اسلام آباد)

کشمیر

نام کتاب .... الارشادات النبویہ ﷺ (جلد اوّل)
مؤلف .... الحاج مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری
مرتب کردہ .... شیخ محمد یوسف ایم اے۔ بی ایڈ
(سیکریٹری انجمن زون کیموہ کولگام)
تعداد اشاعت .... ۱۵۰۰ (پندرہ سو)
تعداد صفحات .... ۳۲۰ + ۳۲ = ۳۵۲
شائع کردہ .... شعبۂ نشر و اشاعت انجمن تبلیغ الاسلام زون کیموہ
سال اشاعت .... ۱۹۸۵ء مطابق ۱۴۰۶ھ
مطبعہ .... نیو کشمیر پریس اوقاف بلڈنگ سرینگر
قیمت مجلد
تیس روپیہ (Rs. 30/-)

کتابت ع - ح - جاوید عیدگاہ

شائع کردہ
زون کیموہ کولگام

فہرست مضامین

کتاب کے بیشتر مآخذ مصادر

۱۔ القرآن کریم	۲۔ تفسیر معالم التنزیل
۳۔ تفسیر بیضاوی	۴۔ تفسیر جلالین
۵۔ الکشاف	۶۔ تفسیر کبیر
۷۔ تفسیر ابوالسعود	۸۔ صحیح بخاری شریف
۹۔ صحیح مسلم شریف	۱۰۔ جامع ترمذی
۱۱۔ ابوداؤد سجستانی	۱۲۔ ابن ماجہ
۱۳۔ سُنن نسائی	۱۴۔ مُسند امام اعظم ابوحنیفہ النعمانی
۱۵۔ مؤطا امام مالک	۱۶۔ مؤطا امام محمد
۱۷۔ طحاوی شریف	۱۸۔ بیہقی
۱۹۔ مُسند ابوداؤد الطیالسی	۲۰۔ انوار المحمود
۲۱۔ محلّی شرح مؤطا	۲۲۔ الفقہ الاسلامی
۲۳۔ تہذیب الآثار	۲۴۔ مُستصفیٰ
۲۵۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد	۲۶۔ نووی شرح صحیح المسلم
۲۷۔ غُنیۃ الطالبین	۲۸۔ مشکوٰۃ
۲۹۔ مرقات شرح مشکوٰۃ	۳۰۔ اَشعۃ اللّمعات
۳۱۔ ہدایہ فقہ	۳۲۔ الجوہر النقی
۳۳۔ شامی	۳۴۔ فتاوی مولانا عبدالحیؒ
[illegible]	۳۶۔ نور الانوار

۳۷- توضیح وتلویح ۳۸- صحیح ابن حبان

۳۹- حاکم ۴۰- ابن ابی الدنیا

۴۱- الاشاعة ۴۲- خصائص کبریٰ

۴۳- دلائل ابونعیم ۴۴- شمائل ترمذی

۴۵- فصل الخطاب ۴۶- فتح المبین

۴۷- حجة اللہ البالغہ ۴۸- ابن مردویہ

۴۹- مستدرک ۵۰- فتح الباری

۵۱- ذخیرة الملوک اور اس کی شرح بصیرة السلوک

۵۲- عینی ۵۳- انوار الباری ۵۴- بزاز

۵۵- العرف الشذی ۵۶- بلوغ المرام

۵۷- فوائد الصوم از واصل حلوانی ۵۸- الصوم للامام البدرسی

۵۹- مکتوبات امام ربانی ۶۰- مثنوی مولانائے روم

۶۱- سیرة النبی از علامہ سید سلیمان ندوی ۶۲- طبرانی

۶۳- القصیدة البرائیہ ۶۴- احیاء علوم الدین

۶۵- کتاب الآثار ۶۶- شواہد النبوة

۶۷- کشف المحجوب ۶۸- النہایة والکفایہ

۶۹- تاریخ الخلفاء - وغیرہا الکثیر من ان ترقم وتذکر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین، خاتم النبیین محمد ن المصطفٰے وعلی آلہ واصحابہ واولیاء اُمتہ وعلماء شریعتہ اجمعین۔

امابعد

یہ بات مسلّم ہے کہ افہام وتفہیم حدیث ایک مشکل کام ہے۔ اس کے لئے اہلِ علم کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنا پڑتے ہیں۔ یہی اہلِ نظر کے مطابق بہتر بھی رہتا ہے۔ چنانچہ قرونِ اولیٰ میں بھی نبوت کے پروانے اپنے زمانے کے اہلِ علم وفضل سے استفادہ کرکے اپنے ایمان واعتقاد کی حفاظت کرتے تھے چنانچہ احادیث پاک میں کہیں کہیں تعارض دکھائی دیتا ہے، اور یہ تعارض کم علم مسلمانوں کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتا ہے۔ احادیث پاکِ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں مطابقت پیدا کرنے کیلئے اہلِ علم ودانش کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے انہی کی عقلِ کُل اور نظر غائر سے صحیح راستہ مل سکتا ہے اس طرح مسلمان غیر معقول اور خلافِ منشاءِ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاویل سے بچ سکتا ہے اور اپنا ایمان کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس لئے دینی اور دنیوی نوعیت کے ہزارہا مسائل سے مسلمان کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہ مسائل بھی مسلمان کو ہادی برحق

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی میں حل کرتے ہیں، یہاں بھی ایک رہنما کی ضرورت ہے جو مسلمان کو فخر موجودات، خلاصۂ کائنات، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رہنمائی کرے۔ ؎

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

انجمن کے ذی شعور اور حقائق کے متلاشی اراکین کو اس بات کا بہت شوق تھا کہ کوئی ایسی کتاب ترتیب دی جائے جو مختلف النوع مسائل دینیہ کیلئے مفید ثابت ہو چنانچہ ان کی نظر اُن دروس حدیث کی طرف مرکوز ہوئی جو عرصہ دراز سے التبلیغ الاعتقاد میں شائع ہوتے تھے یہ دروس احادیث مختلف مسائل دینیہ سے متعلق تھے اور بعض اہم مسائل کا حل نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس سُنت کی روشنی میں پیش کرتے تھے مصنف مذکور نے دروس احادیث مندرجہ نشر کر کے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا محور و مرجع مانتے ہوئے اختلافی مسائل کا حل پیش کیا ہے اور افراط و تفریط کے بغیر ہی احادیث مبارکہ کی تشریح کی ہے۔ تو اس بات کی اہم ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اس علمی ذخیرہ کو محفوظ رکھا جائے ایسا نہ ہو کہ امتدادِ زمانہ سے یہ انمول علمی سرمایہ تلف ہو جائے اس لئے اس علمی ذخیرہ کو کتابی شکل میں محفوظ رکھا جائے۔

کتاب مذکورہ میں نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ مسائل کا حل حنفی مسلک کے مطابق کتاب و سُنت کی روشنی میں موجود ہے۔ اس سے صرف یہ مقصد زیر نظر رہا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں یہ اعتماد و تسکین حاصل ہو کہ حنفی مسلک پیرکار بند حضرات کتاب و سُنت کی ہی پیروی کرتے ہیں اور ان کا مرجع و محور سُنت پاک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہے۔ آئے دن جگہ جگہ کچھ نیم مُلا فروعی مسائل کو بنیاد

بناکر فتنہ فساد برپا کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اس طرح سادہ لوح مسلمانوں کی عبادت میں شکوک و شبہات پیدا کرتے، اُن کی عبادت بے ذوق بناتے، طعن و تشنیع سے اہل سنت و جماعت کو غبار آلودہ بنا کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اُسے وعمل کرنے کے بجائے فعل کرتے، مسلمانوں میں نااتفاقی کی فضا پیدا کرتے۔ تو ان حالات میں مذکورہ مسائل کی وضاحت کتاب و سنت کی روشنی میں کرنا لازم بن گیا تھا۔ بہرحال مسائل کے حل سے ہمارا مقصد محاذ آرائی نہیں بلکہ مسلمانوں کے قلوب میں یہ اعتماد پیدا کرنا ہے کہ اُن کے اعمال مطابق سنت نبوی ﷺ ہیں۔ انجمن کے کارکنوں کو چاہیئے کہ وہ کتاب کے مواد سے کسی مسلمان کا دل رنجیدہ نہ کریں بلکہ اپنے ایمان اور اعتقاد کی حفاظت کریں اور اطمینان کامل رکھیں کہ وہ اُمت کے برگزیدہ عالم ربانی، امام لاثانی حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ہم یہاں اس بات کا تذکرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں کہ کچھ عرصہ سے یہاں چند علماء مسلک حنفی کی تنقیص و تنقید کو شعار بنائے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے تقلید کو شرک کی عینک سے تعبیر کرتے تھے جس کے نتیجے میں سیدھے سادھے مسلمانوں کے علاوہ کچھ باشعور مسلمان بھی تذبذب کا شکار ہوئے تھے۔ اب نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ حنفی کہنا معیوب بات جانی گئی تھی۔ ان حالات میں مسلک حنفیہ کو زینت دینے کا کارِ خیر محترم فضیلۃ مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری نے بڑے عزم و ہمت سے کیا۔ آپ اتحاد بین المسلمین کے لئے بہت بے قرار ہیں۔ اسی لئے دوسروں کے جذبات مجروح کئے بغیر اور مخالفوں

کو چھوڑے کئے بغیر مسلک حنفیہ کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ آج مسلک حنفی کے مقلدین سربلند و سرخرو ہو کر اعلان کرتے ہیں کہ وہ مسلک حنفی کے موافق نبی رحمت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

الارشادات النبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں مختلف موضوعات پر درس حدیث شامل کئے گئے ہیں۔ توحید، رسالت، ولادت، اعتقادات، عبادات، معاملات وغیرہ سے متعلق احادیث پاک سے کتاب کو زینت دی گئی۔ اگرچہ زندگی کے تمام معاملات سے متعلق احادیث پاک شامل کرنے کا خیال تھا مگر کتاب کی ضخامت کا خیال پیش نظر رکھا اس لئے انشاء اللہ دوسری جلد میں اس کمی کو پورا کیا جائے گا۔ پھر بھی کتاب ھذا بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ انتخاب کے وقت اہم ترین موضوعات کو شامل کیا گیا ہے۔ ہفتہ وار اور دیگر اجتماعات کے وقت اکثر درس حدیث کی کسی ایسی کتاب کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی جو عام فہم ہونے کے علاوہ وقتی ضروریات کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتی ہو اس طرح مسلمان احادیث پاک کی غلط تشریح و تاویل کرنے سے بھی بچتا اور اخلاقی اور روحانی فیوضات سے مستفیض ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فضل سے کتاب ہذا اس ضرورت کو کافی حد تک پورا کرتی ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کے لئے بالعموم اور انجمن تبلیغ الاسلام کے مخلص کارکنوں کے لئے بالخصوص سرمایہ دین و دنیا ثابت ہو گی۔ (انشاء اللہ)

یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ درس حدیث موسوم بہ الارشادات النبویہ

علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والتسلیم کی اشاعت کی اجازت مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری نے انجمن تبلیغ الاسلام زوان کیمو ہ (کوانگام) کے مخلص اراکین کو مرحمت فرمائی، اور اس کی ترتیب کا کام راقم کو سپرد کیا۔ پہلے پہل یہ کام بہت آسان دکھائی دیا، مگر جب کام ہاتھ میں لیا تو بہت مشکل ثابت ہوا۔ ادھر نجی مشغولیات، ادھر مواد فراہم کرکے ترتیب دینے کا صبر آزما کام۔ چونکہ ایک ہی موضوع کے دروس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "متواتر التبلیغ" اور "الاعتقاد" کی مختلف اشاعتوں میں شائع ہوئے تھے، اس لئے ان کو مختلف اطراف واکناف سے تلاش کرنا اور دوسری طرف انجمن کی تفویض کردہ ذمہ داریوں کو نبھانا کارے دارد والا معاملہ تھا۔ بہر حال اللہ کے فضل وکرم اور اراکین انجمن کے پُرخلوص تعاون سے کام آخری منزل تک پہنچا اور کتاب ترتیب پائی۔ اس دور میں بھی اہلِ خیر حضرات کی کمی نہیں، کتاب ترتیب دینے کے بعد جو سب سے بڑی فکر دامن گیر تھی وہ مالیت کی تھی، اللہ کا شکر ہے کہ ابھی مسلمانوں کے قلوب میں انفاق کا جذبۂ خیر موجزن ہے اور اب بھی اخلاص کے ساتھ انفاق کا سلسلہ جاری ہے مالیت کی فراہمی کے سلسلے میں انجمن کے معتمد اراکین جہاں بھی گئے وہاں اخلاص مند اراکینِ انجمن تبلیغ الاسلام نے دینی جذبے کے تحت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کیلئے اعانت فرمائی۔ خدائے تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ان کی خدمات کو درجۂ قبولیت نوازے، آمین!

انجمن تبلیغ الاسلام کے اراکین خوش قسمت ہیں کہ انکو اس دور میں مولانا سید محمد قاسم

شاہ صاحب بخاری جیسے عالم باعمل، متقی اور فخر روزگار شخصیت کی قیادت نصیب ہے
انہی کی کاوش کا نتیجہ ہے کہ کتاب ترتیب پائی۔ آپ نے کام مصروفیات کے باوجود کتاب
ہذا کو نظر ثانی سے نوازا۔ اس تمام خدمت کیلئے آپ نے اپنا قیمتی وقت صرف کیا۔ یہ
بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ بیک وقت مدیر الاعتقاد بھی ہیں، صدر انجمن تبلیغ الاسلام
بھی اور مہتمم حنفیہ عربی کالج بھی۔ اسکے علاوہ آپ کو تنظیمی میٹنگوں، مذہبی مجالس اور
دیگر تقاریب کے روح رواں کی حیثیت سے بھی کام کرنا پڑتا ہے۔ ان مشغولیات کے باوجود
آپ کا یہ کار نیک انجام دینا جذبہ اخلاص اور دینی خدمت کی عکاسی کرتا ہے
خدائے لم یزل سے دست بدعا ہوں کہ وہ آپکو عمر دراز سے نوازے اور دونوں جہانوں
میں اپنے متعلقین کے سمیت عزت و آبرو سے سرفراز فرمائے۔ آمین!

محترم غلام رسول امام صاحب صوبائی صدر انجمن تبلیغ الاسلام صوبہ کشمیر کے بار احسان
سے میری گردن جھکی ہوئی ہے۔ انکی ہمدردی اور نیک مشورے اشاعت کتاب کے
سلسلے میں وقف رہے۔ خدائے تعالیٰ آپ کا دست شفقت انجمن کے کارکنوں پر قائم و
دائم رکھے آمین! محترم الحاج غلام رسول صاحب ڈار صدر زون کیموہ اور محترم
محمد احسن صاحب ڈار مبلغ زون کی خدمات کو سراہتے ہوئے خداوند تعالیٰ سے دعا کرتا
ہوں کہ وہ اُن کی خدمات کو قبول فرما کر دیگر دوستوں کے ساتھ اپنی رضامندی
سے نوازے۔ آمین۔ ٭٭

والسلام

اخلاص مند، خاکپائے اولیاء کرام
شیخ محمد یوسف
سیکریٹری انجمن تبلیغ الاسلام زون کیموہ کولگام
۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ

پیشِ لفظ از مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی وفقنا لتبلیغ الدین : والھمنا نشر اعتقاد عباد اللہ الصالحین ٥ وجعلنا من اتباع أئمة التفسیر والحدیث والفقھاء المستنبطین والاولیاء الکاملین : والصلوٰة والسلام علی سیدنا محمد الذی فسر القراٰن بعملہ وارشادہ المبین : وعلیٰ آلہ واصحابہ بلغوا دینہ نبیھم فی الآفاق واطراف العالم بالصدق والیقین :

اما بعد

اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے حضرات سے چند گزارشات، جن سے کتاب نفسِ سمجھنے میں کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے۔

حقیر، ہندوستان سے دینی علوم کی سندِ فراغت حاصل کرکے چودہ سال بعد ۱۹۴۷ء کے اواخر میں واردِ کشمیر ہوا۔ سب سے پہلے بحیثیت استاد میری تقرری مڈل سکول کولگام میں ہوئی، مگر بچند وجوہ میں اس ملازمت سے دل برداشتہ ہوا یہ وہ زمانہ تھا کہ کشمیر میں کئی سال پیشتر انجمن تبلیغ الاسلام کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ اسی دوران حضرت مولانا مسعودی صاحب مدظلہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے اور آپ کی وساطت سے اس زمانہ کے صدرِ انجمن جناب میر سید فاضل منطقی اور

حضرت مولانا سید میرک شاہ صاحب اندرابی رحمہما اللہ نے از راہِ خیر خواہی و دینداری مجھے دینی خدمت کرنیکی تلقین و تاکید فرمائی اور فرمایا کہ ہم ممبران انجمن تبلیغ الاسلام نے ایک مدرسہ "مدینۃ العلوم" قائم کرنیکا ارادہ کر رکھا ہے لہذا تم اس میں صدر مدرس کی حیثیت سے کام کرو۔ چنانچہ میں نے بصدقِ دل آپ حضرات کی یہ پیش کش قبول کی ساتھ ہی ساتھ حضرت شیر کشمیر مرحوم کی تجویز پہ شاہی مسجد کی خطابت بھی کچھ مدت کیلئے منظور کی۔ المختصر یہ مدرسہ نہایت شان و شوکت سے چلتا تھا۔ اسی زمانہ میں راقم نے بحیثیت ادنیٰ ممبر "تحفۃ المدینۃ" "تحفۃ الانیقہ" "اتمام الحج" وغیرہ رسائل تالیف کئے۔ چنانچہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مرحوم مولانا غلام نبی صاحب مبارکی نے تحفۃ المدینۃ کی بعض باتوں سے اتفاق نہ فرماکر اس کے رد میں "المدینۃ الثمینۃ" قلم بند فرمایا، اسی طرح مولانا سید میرک شاہ صاحب مرحوم نے بھی اس زمانہ میں چند علمی رسائل انجمن کی طرف سے لکھے ہیں مگر افسوس کہ جس سرعت و جلدی سے اس انجمن نے ترقی کا آغاز کیا تھا اسی سرعت و جلدی سے ۱۹۴۷ء کے انقلاب نے اس کو پائمال کرنا شروع کیا، جسکی کہانی بہت لمبی ہے۔ بہر حال ۱۹۴۹ء کے آخر میں راقم جناب پیرجی صاحب مرحوم کی پیشکش پر اورینٹل کالج میں بحیثیت وائس پرنسپل تین سال اور بحیثیت پرنسپل ایک طویل و عریض زمانہ تک کام کرتا رہا۔

جس انجمن تبلیغ الاسلام کے سقوط کا ہم نے ذکر کیا تو چند سال کے بعد کچھ چند اور حضرات * نے دوبارہ اس کو اجالا کرنا شروع کیا۔ خاصکر حضرت فقیہ ملت سید میرک شاہ صاحب کا شانی جب اس کے سرپرست بنائے گئے یہاں تک

* [illegible] محمد حسن زادہ مدرس [illegible]

کہ ۱۹۶۰ء کا زمانہ آیا تو انجمن تبلیغ الاسلام کے بنیادی ممبر جناب سید محمد امین شاہ صاحب گیلانی "اور انجمن کے ذمہ دار عہدیداروں نے خاکسار کو انجمن کی صدارت قبول کرنیکی پیشکش کی تو بہت گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کے بعد خاکسار نے انجمن کی صدارت قبول کی۔ ایک طرف اس وقت کے شاندار اورنٹیل کالج کی پرنسپلی اور دوسری طرف انجمن کی صدارت کی ذمہ داری میرے لئے سوہانِ روح بن گئی۔ بہر حال جوانی کا زمانہ تھا تو نہ کالج میں عملی خیانت کی اور نہ انجمن کو پس پشت ڈالدیا بلکہ میری کوشش رہی کہ انجمن کو اپنی آواز موثر بنانے کیلئے ایک ماہنامہ ہونا چاہیئے مگر یہ خواب تقریباً تین سال تک شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا کیونکہ اُس وقت کے سیاسی عوامل و اسباب بھی جدا گانہ اور متشدّدانہ تھے۔ آخر کار ۱۹۶۳ء میں راقم نے جوں توں کرکے رسالہ "التبلیغ" کو ٹریکٹ کے طور پہ نکالنا شروع کیا جسکی کاپیاں اب بھی تلاش کرکے دستیاب ہو سکتی ہیں اور اس میں حقیر نے اداریہ، درسِ قرآن، درسِ حدیث اور بابُ الفتویٰ اپنے قلم کے ذمہ رکھا اور باقی اُونچے مضامین اُس وقت کے معزز ممبرانِ کرام لکھتے تھے۔ اسی دوران ۱۹۶۳ء کے آخیر میں موئے مقدس کا سانحہ پیش آیا یہ وہ دلدوز واقعہ تھا جسنے عوام و خواص کے دل و دماغ کو ماؤف کیا انجمن تبلیغ الاسلام کے ممبروں پر اُسکا اثر پڑنا قدرتی امر تھا چنانچہ خاکسار کو کٹھوعہ جیل جموں بھیجا گیا دیگر کارکنوں پہ یاس و قنوط کا عالم طاری ہوا وہ بھی بہر رنگ اپنی اپنی جگہ پریشان رکھے گئے ہیں۔ ہر چند حبس و بند کش کا زمانہ بہت ہی مختصر تھا مگر وہاں سے آکر نئی باتیں قوم کے سامنے پیش ہوئیں یا

اور اسی دوران انجمن کے محترم کارکنوں نے "التبلیغ" شائع کرنےکی اجازت باقاعدہ حاصل کی اور خاکسار ہی کو اسکی ایڈیٹری سپرد کی گئی ہے اس میں پھر انہیں باتوں کا التزام رکھا گیا جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ سیاسی لیڈر رہا ہونے کے بعد ہی ایکشن کمیٹی پھوٹ اور افتراق کی شکار ہوئی اور دو حصوں میں بٹ گئی، انجمن تبلیغ الاسلام بھی ایک ڈھیر میں آگئی۔ اس کے لئے قواعد وضوابطے بنائے گئے چنانچہ ۱۹۶۴ء کے آخری تین مہینوں میں خاکسار اس کا نائب صدر اور پھر تین ماہ کیلئے صدر بنا۔ اب آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ ناچیز کے کندھوں پر کتنا بوجھ پڑا۔ ۱۹۶۵ء میں سفر محمود کا اتفاق ہوا، واپسی پر دیکھا کہ ریاست کے سیاسی حالات پھر دگرگوں ہو گئے تھے اور شیخ صاحب کوڑی کنال کی جلائے وطنی کی زندگی بسر کرنے لگے تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انجمن کے جنرل سکریٹری صاحب بھی گرفتار ہو چکے تھے اور ماہنامہ التبلیغ بند ہو چکا تھا۔ پھر یہاں سے آئے ہوئے دو ماہ بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ ایکشن کمیٹی کے تمام معزز ممبران کرام بسلسلۂ جنگ ہند و پاک جموں سنٹرل جیل پہنچائے گئے آٹھ ماہ بعد راقم کو پیرول پر چھوڑ دیا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر نازک حالت میں اور انجمن کا تانا بانا بکھر چکا تھا، اس لئے بہت دنوں کے سوچ بچار کے بعد پھر التبلیغ کا سلسلہ بصد مشکلات و لطائف الحیل حسب سابق اجرا کیا۔ اسی پر بس نہیں ہوا بلکہ انجمن مزید اندرونی اختلاف کی شکار ہوئی اور اسکے بعض دوستوں نے علیحدہ انجمن بنائی اور نئے

نئے دوست انجمن میں آئے مگر پھر جلد ہی اس سے رخصت پذیر ہوئے لیکن تنہا نہیں گئے بلکہ میرے خلاف اخلاق سوز کتابیں لکھ ڈالیں اور اسلاف کرام اور مشائخ عظام پر بے وجہ برس پڑے اور مجھے مختلف مقدموں میں پھنسایا۔ اسی دوران قانونی طور "التبلیغ" کا نام "الاعتقاد" رکھنا پڑا ـــــ یہ اُن کا قصور نہیں بلکہ میری حقیر ذات کا ہے۔

اس سے بڑھ کر آپ اس بات پر تعجب کریں گے کہ جن عزیزانِ ملت کو میں نے تقریباً دس سال دینی تعلیم دی وہ بھی ہم سے بچھڑ گئے۔ اور جن کے اداروں کو نازک لمحات میں میں نے اپنے خون کے قطرات سے سینچا تھا انہوں نے میری عمر کی نازک گھڑی میں پوری حذاقت سے اپنے ہاں سے چلتا کیا۔

آہ! فیا لکَ دھرًا بالکرام عثورُ ـــــ یہ ہے ہمارے رہنمایانِ قوم کی شفقت و عنایت۔

مجھے اس پیش لفظ میں شکوہ و شکایت لکھنا مقصود نہیں ہے۔ البتہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جب ظالم زمانہ نے مجھے اس قدر تکلیف دی ہو اور جب کہ میرے دل و دماغ کو کبھی بھی چین اور سکون نصیب نہ ہوا ہو تو آپ میرے قلم سے کیا توقع رکھیں گے کہ میں نے زیر بحث کتاب کے مضامین کا حق کما ینبغی ادا کیا ہو۔ میں اپنے بے بضاعتی و کم علمی کا سچے دل سے اعتراف و اقرار کرتا ہوں۔

اپنے محترم صاحب سکرٹری انجمن تبلیغ الاسلام رون کیرہ کو لگام کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے "التبلیغ" و "الاعتقاد" کے جملہ مضامین

دروسِ حدیث، دروسِ قرآن اور بابِ الفتوحی قسط وار کتابی صورت میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ حاجی غلام رسول صاحب ڈار صدر و جناب استادِ محترم شیخ محمد یوسف صاحب سکریٹری انجمن تبلیغ الاسلام زون کیموہ نے بڑی کدوکاوش اور محنت و عرق ریزی سے دروسِ حدیث کی پہلی جلد "الارشادات النبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ واکمل التحیہ" آپ کے سامنے پیش کی۔ شکر اللہ سعیہما وبارک فی عمرہما۔

اور جناب شیخ محمد یوسف صاحب نے اپنی چاہت سے بحث زکوٰۃ میری شرح "بصیرۃ السلوک شرح ذخیرۃ الملوک" مصنفہ حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کتاب میں من وعن از صفحہ ۱۰۲ تا صفحہ ۱۲۸ درج کی ہے۔ یہ میرے لئے بڑی سعادت ہے کہ اس میں بھی حضرت امیر کبیرؒ کی رہنمائی ہمیں نصیب ہوئی۔ اور امید ہے کہ دروسِ حدیث کی آئندہ جلدیں ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے اس سے زیادہ ضروری اور فیض بخش ہونگی۔ اور یہ ہوگا کہ آپ اس کتاب کے بعض مضامین اجمالی و اختصار کی صورت میں دیکھ کر عاجز نہ ہو جائے کیونکہ میں نے اوپر عرض کیا کہ میری مثال علامہ سعد الدین تفتازانی کی طرح ہے:

فیوماً بالخزیفا ویوماً بالعقیق وبالعذیب یوماً ویوماً بالخلیصا

ترجمہ: میں تو کبھی مقام خزیفا میں اور کبھی مقام عقیق میں اور کبھی مقام عذیب میں اور کسی وقت میرا گزر مقام خلیصا میں ہوتا ہے جو قرار کہیں نہیں ہے اور پھر جہاں کسی مسئلہ میں اجمال دماغ کھاتی ہو تو آپ بابِ الفتوحی، تفسیر سورۃ آلم و تفسیر سورۃ کہف کی طرف رجوع فرمائیں انشاء اللہ

یہ کبھی زیورن کیمورہ انجمن تبلیغ الاسلام کی طرف سے معرضِ وجود میں آئیں گے اور نہیں تو دیگر تالیفات تبصیرۃ السلوک، تاج العارفین جلد اول، شفاء البشر اور دوسری تالیفات کی طرف مراجعت فرماویں اور اگر آپ کوئی مسئلہ خلاف حق پائیں گے تو شاعر کا یہ شعر

یَجْزُوْنَ مِنْ ظُلْمِ اَهْلِ الظُّلْمِ مَغْفِرَةً وَمِنْ اِسَاءَةِ اَهْلِ السُّوْءِ اِحْسَانًا [ل]

یاد فرما کر بندہ کو اطلاع دیکر شکریہ کا موقع بخشیں۔

مجھے پورا احساس ہے کہ اس کتاب کے متن اور توابع متن میں بہت سی خامیاں رہ گئی ہیں انسے بھی درگزر فرمائیے کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جس کے بارے میں حریری نے صدہا سال پیشتر کہدیا ہے۔

لم یَبْقَ صَافٍ وَلَا مُصَافٍ وَلَا مَعِینٌ وَلَا مُعِین
وَفِی الْمَسَاوِی بَدَا التَّسَاوِی فَلَا اَمِینٌ وَلَا ثَمِین

یعنی: "کہ اب کوئی خالص دوست، کوئی چشمۂ فیض اور فیض رساں و مددگار باقی نہیں رہا بلکہ برائیوں کے بدلے برے بنے ہوئے ہیں لوگ پیش پیش ہیں اب نہ کوئی صاحبِ امانت اور نہ ہی کوئی صاحبِ اعتبار پایا جاتا ہے ـــــ"

ایسے حال میں ان حضرات کی یہ تھوڑی سی خدمت بھی قابل قدر اور مستحق تحسین و آفرین ہے اور جب وقت باقی جلدیں اور سورۂ طٰہٰ و کہف اور باب النحوی کی ترتیب پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے نہ معلوم کتنا وقت اس میں صرف ہوگا۔ اس دور میں خطیب قوم مولانا غلام رسول صاحب امام، سہروردی صاحب اور عزیزی ڈاکٹر

ل: صحابہ کرام ایسے سعادت مند ہیں کہ ظالموں کے ظلم کا بدلہ عفو و مغفرت سے دیتے ہیں اور ایذا اور تکلیف دینے والے لوگوں کو تکلیف کے عوض حسن سلوک سے دیتے ہیں۔

محمد فاروق صاحب وغیرہم سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ اُس وقت اس گنہگار خیر میں مذکورین کا ہاتھ بٹائیں کیونکہ انہوں نے شرفِ تقدم حاصل کیا ہے۔ ولنعم ما قیل۔

وَلَوْ قَبْلَ مَبْکَاهَا بَکَیْتُ صَبَابَةً بِسُعْدَیٰ شَفَیْتُ النَّفْسَ قَبْلَ التَّنَدُّمِ
وَلٰکِنْ بَکَتْ قَبْلِیْ فَهَیَّجَ لِیَ الْبُکَا بُکَاهَا فَقُلْتُ الْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّمِ

آپ اس کتاب میں دو تین مضمون بعض اہلِ علم کے مع اضافاتِ جدیدہ مصلحتہً پائیں گے تو ان کے لئے دعائے مغفرت وصحت فرمائیے۔

اس کتاب کے تمام دروسِ حدیث وہ حالات مدِ نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں جن کی طرف ہمارے عوام وخواص بہت محتاج ہیں، ہاں چونکہ حنفی مسلک ہمیں خاندانی اور علمی رنگ میں ہمارے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوتے ہے تو بعض اوقات غالب تلہجہ میں اس کی ترجمانی کی گئی ہے خاص کر شیخ الاسلام حضرت بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں اور بھی اپنے ذیلی اشعار میں اس کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

ان ابیاتِ مبارکہ سے آپ اندازہ فرمائیں گے کہ آپ کو پیر کامل حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتنا شغف دلچسپی تھی۔ فرماتے ہیں :

۱۔ شکرِ خدا کہ یافتم رہبر و دستگیر را تکیہ اعتماد کرد پشتِ من آں ظہیر را
بندہ شدم بصدقِ دل درگہ آں امیر را نسبتِ مرید رسنگاہ تا نگرفت پیر را
حضرت شیخ حمزہ بس شیخ السنت بس ہمو فقیر را

۲۔ از سر پوشِ دوستاں گفتند پاسخن کنید رو بخدا کنید و پشت جانب مال و زر کنید

پیرِ محقق مرا مرشدِ خویشتن کنید — از سرِ شوق ہر یکے دیدنِ آن چو گنید
حضرت شیخ حمزہؒ است پیرِ من فقیر را

۳۔ شاد شدہ است جان و دل چونکہ بصحبتش رسید — ذاتِ شریفِ آں عزیز لائقِ رہبری بدید
شکرِ خدا شگفتہ گشت زود بصدق دلِ مرید — تیز زبانِ او بس فصیح نعرۂ خوش ہمی کشید
حضرت شیخ حمزہؒ است پیرِ من فقیر را

۴۔ پائے طلب براہ نہ ترک بکن چرا و چون — ساز رفیقِ راہِ خویش صورتِ پاکِ رہنمون
ذکرِ چہار ضرب را گوی گرفتہ دم درون — وسوسہ اگر نفس کند دفع کنش بایں فسون
حضرت شیخ حمزہؒ است پیرِ من فقیر را

۵۔ حضرت قطبِ عالم است سلسلہ را چو پیشوا — معتقدم مشائخِ سلسلۂ شریف را
حبِ رسولؐ و صحبؓ و آلؓ در دلِ من گرفتہ جا — مذہبِ بوحنیفہؒ است مذہبِ بندۂ خاکپا
حضرت شیخ حمزہؒ است پیرِ من فقیر را

ان ابیات شریفہ کا ترجمہ ماہنامہ "الاعتقاد" میں آچکا ہے۔ دیکھئے! یہ اپنے وقت کے شیخ الاسلام تھے اور اپنے مرشد کامل اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی محبت و احترام سے ان کا دل کس قدر معمور و منور تھا۔ اللہ تعالیٰ یہ سعادت ہمیں بھی عطا فرمائے آمین! ثم آمین۔

بہرحال میں تمام پرانے اور نئے حمدانِ کرام، خاصکر کولگام کے معاونین اور مخلصین کرام کا پھر ایک بار شکر گذار ہوں کہ انہوں نے یہ علمی خدمت اپنے ہاتھوں میں لی ——— اور ———

میری خواہش اور آرزو ہے :

کہ اس کتاب کا انتساب سرپرست انجمن تبلیغ الاسلام حضرت سید میرک شاہ صاحب کاشانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کروں، کیونکہ مرحوم و مغفور نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی انجمن کو فراموش نہیں کیا۔ لہٰذا وہی اس کے حق دار و سزاوار ہیں ــــ اسی طرح آپ کے بعد آپ کے محترم جانشین جناب محترم فقیر دین محمد صاحب نے ہمیشہ انجمن تبلیغ الاسلام کی آبیاری فرمائی اور فرماتے ہیں ــــ یہی حال جناب پیر شاہ محمد یٰسین صاحب مدظلہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے سینے کینوں سے پاک فرما کر کتاب و سنت کی خدمت کی توفیق مطابق سلف صالحین کرنے کی سعادت عطا فرمائے، (آمین)! ـ

وصلی اللہ علی سیدنا و شفیعنا محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔

معذرت خواہ اور طالب دعا
عاصی پُر معاصی
(مولانا) سید محمد قاسم شاہ بخاری
عیدگاہ سرینگر

محرم الحرام ۱۴۰۶ھ

نوٹ :-

اوپر ضمنی طور پر ہم نے انجمن تبلیغ الاسلام کی تاریخ کی طرف مختصر لفظوں میں اشارہ کیا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب انجمن کی مفصل تاریخ واقعات پر مبنی لکھی جائے گی جس میں انجمن کے پرانے اور ان کے معمر اراکین کے حالات و خدمات سپرد قلم ہونگی خصوصاً جنکے ہاتھوں میں اس وقت جموں و کشمیر میں انجمن کی باگ ڈور ہے
واللہ الموفق
حقیر

میری نظر میں

الحمد للہ علیٰ حلمہ بعد علمہ وعلیٰ عفوہ بعد قدرتہ والصلوٰۃ
والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین ۔

امابعد

حمد اُس پروردگار عالم کو لائق ہے۔ جس نے امرکُن سے تمام جہاں پیدا فرمایا اور ایک مُشت خاک سے انسان بنایا، اور اسکو "ولقد کرمنا بنی ادم" کا تاج پہنایا پھر اس خاک کو عزت دینے کیلئے ان میں انبیاءِ کرام کو بھیجا۔ پھر درود لا محدود اس محبوبِ ربِ ودود پر جس کا وجودِ باوجود اس جہاں کی پرورش کا سبب ہے سارا باغِ عالم اُسی ایک سچے پھول کیلئے لگایا۔

سبحان اللہ کیا محبوب، نبیوں کا سردار، گنہگاروں کا غمخوار، شافع روز شمار رحمت پروردگار، بے کسوں کا کس، بے بسوں کا بس، بے سہاروں کا سہارا، جس کا ذکر پاک بے چین دل کا چین، بے قرار دل کا قرار ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جو اسلام میں نبی اور رسول کے بغیر ہدایت کا کوئی تصور ہی نہیں نبی اور رسول پر ہی براہ راست ہدایت کا نزول ہوتا ہے وہی بندوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پہنچاتا ہے وہی اُس کے اصولوں کی تشریح کرتا ہے اور اُسکی عملی شکلیں بتاتا ہے۔ پھر اس سلسلے میں پیدا ہونیوالے سوالات کا وہی جواب دیتا ہے۔ اسلئے ہدایت کے نظام میں رسول ہی کی حیثیت مرکزی یا بنیادی ہوتی ہے۔ اُس پر ایمان لانا اور اُسکو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا راہنما تسلیم کرنا نجات اور سعادت کی بنیادی شرط ہے۔

ہمارا اس دور کیلئے بلکہ چھٹی صدی عیسوی سے اس دنیا کے آخری دن بھی

قیامت تک کیلئے اور پورے عالم اسلام کیلئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں، آپ کے خاتم النبیین ہونیکا یہی مطلب ہے کہ اب قیامت تک ان ہی کی نبوت و رسالت کا دور ہے۔ اب اللہ کا قرب اور رضا حاصل کرنیکا راستہ صرف وہی ہے جسکی طرف آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رہنمائی فرمائی جب آپ پر ایمان لانا اور آپ کا اتباع اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی قیامت تک پیدا ہونیوالے سارے انسانوں کے لئے نجات اور رضائے الٰہی کی شرط قرار دی گئی تو ضروری تھا کہ آپ کی لائی ہوئی تعلیم و ہدایت اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو اس طرح محفوظ کر دیا جاتا ہے کہ بعد میں آنے والے بھی پوری علمی اعتماد اور قلبی اطمینان کے ساتھ اسی طرح آپ کی سیرت و ہدایت سے رہنمائی حاصل کرسکتے جس طرح سے اور جس اعتماد و اطمینان کیساتھ آپ کے زمانے کے لوگ لیتے تھے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنکو دولت ایمان کے علاوہ جناب رسول کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ عشق کی نسبت بھی نصیب ہوگئی تھی، جو کچھ آپ سے سنتے تھے اور جو کچھ آپ کو کرتے دیکھتے تھے اسکو یاد رکھتے اور ذوق و شوق کیساتھ اس کے تذکرے کرتے تھے اور پھر جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک زمانہ نصیب نہیں ہوا انہوں نے آپ کے فیضیافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا، انہوں نے شمع رسالت کی روشنی ان سے پائی۔ اس دور یعنی دور تابعین میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خاص توجہ اور تحریک سے کتابی شکل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت کی ہوئی احادیث کی جمع و تدوین کا کام شروع ہوا۔

ہمارے اس زمانے کی غالباً سب سے اہم ایک خصوصیت یہ ہے کہ مغربی علوم و نظریات کی ترقی اور اشاعت نے پوری انسانی دنیا کی طرز فکر اور علمی مزاج کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے اسلئے تعلیمات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آج کے امتیوں کیلئے یہ خاص ذمہ داری ہے

کہ وہ اس ذہنی اور فکری تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بیسویں صدی کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کو پیش کریں۔

پیش نظر کتاب "الارشادات النبویہ" جس کے مولف حضرت استاذ مولانا السید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر و مہتمم حنفیہ عربک کالج سرینگر جو کہ آپ کے مسلسل تیس پینتیس سال کو رسالہ "التبلیغ" و "الاعتقاد" میں سال کے مختلف ایام متبرکہ کو درس حدیث اور انکی تشریح دیر ابہیم کا مجموعہ ہے یہ مجموعہ یعنی الارشادات النبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ اپنے زمانہ، موقع و محل، محرکات و تقریبات کے لحاظ سے متنوع ہے لیکن اس کثرت میں ایک وحدت بھی ہے، وہ یہ کہ ان سب دروس کا تعلق ذات اقدس حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی تعلیمات و پیام آپ کے عطیات و احسانات اور اسکے عالمگیر نتائج و اثرات کا مقصد ایک ہے، وہ یہ کہ اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ذہن میں اور جذباتی لگاؤ قلب میں پیدا کرنا۔

احادیث پاک کے سلسلہ میں اس دور میں جو سوالات پیدا ہوئے ہیں۔ بعض مرتبہ سلیم طبیعتیں بھی مزید تشفی کی طالب ہوتی ہیں۔ یہ کام وہی کر سکتا ہے جو ایک طرف رسوخ فی الدین اور رسوخ فی العلم کی دولت سے مالا مال ہو۔ دینی حقائق پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہو اور اسکو ہر دینی حقیقت پر علمی و ذہنی طور پر شرح صدر ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ اور اختلاط و اجتماع کے ذریعے اس عصر کی افتاد طبع سے بھی واقف ہو۔ نئے فتنوں اور تحریکات سے بھی باخبر ہو، یہ اللہ کی توفیق تھی کہ اس اہم نازک کام کیلئے حضرت مولانا امیر و شریعت و طریقت، السید قاسم شاہ صاحب بخاری کو منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی زندگی میں برکت فرمائے۔

اس مقدس مجموعہ کی طباعت کے سلسلہ میں سب سے زیادہ شکریہ کے مستحق اراکین و منابر

انجمن تبلیغ الاسلام زون کیموہ (کولگام) کشمیر بالخصوص صدر زون حاجی غلام رسول صاحب ڈار و سیکریٹری زون عزیز القدر جناب ماسٹر شیخ محمد یوسف صاحب جن کے مسلسل مالی و عملی تعاون سے یہ مجموعہ کتابی (جلد اوّل) صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے، ورنہ یہ احادیث مبارکہ کے ترجمے اور تشریحات التبلیغ و ماہنامہ الاعتقاد کے مختلف شماروں میں منتشر حالت میں تھے۔ حالانکہ مولانا بخاری صاحب کی آرزو تھی کہ یہ قیمتی مواد باضابطہ مجلد طور محفوظ ہو مگر یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہونا ناممکن تھا کیونکہ مولانا موصوف تدریسی تعلیمی و تبلیغی کاموں میں بہت مصروف رہتے ہیں۔ اسکے علاوہ مالی مشکلات بھی درپیش ہیں۔ فی الحال جلد اوّل شائع ہوئی باقی جلدوں کا بھی بندوبست کیا جائیگا۔

ان دروس احادیث کی ترتیب جو کہ مختلف مواقع اور مختلف موضوعات پر ضبط کئے گئے تھے نئے سرے سے زمانے کے حالات کو انکی نوعیت پیش نظر رکھکر ان کی کتابت و طباعت کے اخراجات جو کہ ایک مشکل کام تھا، مذکورہ معاونین اور مخلصین کے ذریعہ ایک کتابی صورت میں چھپ کر ناظرین کے سامنے ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب خصوصاً انجمن تبلیغ الاسلام کے ممبرین حضرات اور عموماً تمام مسلمانوں کیلئے ایمانی و روحانی استفادہ کیلئے ممد و معاون ہوگی۔

جن دوستوں، عزیزوں، ہمدردوں نے اس مقدس مجموعہ کی طباعت میں قدمے قلمے سخنے، درمے امداد کی خداوند کریم ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

طالب دعا

(مولانا) غلام رسول امام

صدر بانی صدر انجمن تبلیغ الاسلام

کشمیر

ض

الارشادات النبویہ
صلی اللہ علیہ وسلم

(جلد اول)

کا

آغاز

نبیّ الهدیٰ ضاقت بی الحال فی الوریٰ

وانت لما امّلت فیک جدیر

فسل خالقی تفریج کربی فانّه

علی فرجی دون الانام قدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درسِ حدیث

بسلسلۂ

اخلاص

"عَنْ محمد بن المنکدرؒ عَنْ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مَرَّ رَجُلٌ مِمَّنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِجُمْجُمَۃٍ فَنَظَرَ اِلَیْھَا فَقَالَ اَیْ رَبِّ اَنْتَ اَنْتَ وَاَنَا اَنَا اَنْتَ الْعَوَّادُ بِالْمَغْفِرَۃِ وَاَنَا الْعَوَّادُ بِالذُّنُوْبِ ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَقِیْلَ لَہٗ اِرْفَعْ رَأْسَکَ فَاَنَا الْعَوَّادُ بِالْمَغْفِرَۃِ وَاَنْتَ الْعَوَّادُ بِالذُّنُوْبِ فَرَفَعَ رَأْسَہٗ فَغُفِرَ لَہٗ۔"

(غنیۃ الطالبین فی بحث التوابین ص۲۰۵)

حاصل ترجمہ:۔

محمد بن المنکدرؒ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص راستہ سے چل رہا تھا "اتفاق" سے اُسکی نظر ایک مُردہ کی کھوپڑی پر پڑی یہ دیکھکر وہ بہت بےقرار و بےچین ہوا اور اُسے اپنا حال و مآل بھی یاد آیا کہ اسکا اپنا انجام بھی ایسا ہی ہوگا۔ تو اُسنے کہا: اے میرے پروردگار تُو تُو ہی ہے۔ اور تیری عظمت و بزرگی کے کیا کہنے! ــــــــ کہ میں ہوں سراپا عجز و نقصان اور

گناہ و عصیان کیا پتہ لا۔ آپ بار بار مغفرت فرماتے ہیں اور میں بار بار
آپ کے احکام کے خلاف کرتا ہوں ـــ یہ کہہ کر سجدہ میں گر گیا اور
اپنے گناہوں پر پشیمان ہوا۔ اس نے سچی اور مخلصانہ دعا سے ابھی
یہ بندہ فارغ نہ ہوئے پایا تھا کہ قدرت کی طرف سے اسے حکم
ملا کہ اپنے سر کو اٹھاؤ۔ ہم تجھے بار بار مغفرت کرتا ہوں،
اور تو بار بار گناہ اور نافرمانی کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب دل میں اخلاص ہو اور خدا تعالیٰ پر پورا
بھروسہ اور ایمان ہو تو اس وقت تھوڑے عمل سے بھی مغفرت
اور درجات کی بلندی ہوتی ہے اور بندہ دربار الٰہی میں محبوب
بن جاتا ہے اور اگر نیک عمل بظاہر کتنا ہی زیادہ ہو مگر اس
میں اخلاص نہ ہو بلکہ دکھاوا ہو تو اس نیک عمل کا کوئی فائدہ
نہیں ہے بلکہ وہی نیک عمل وبالِ جان بن جاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے :-

کہ اخلاص سے کیا مطلب ہے ـــ ؟ واضح رہے کہ حضرت
خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :- میں نے حضرت حذیفہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم سے "اخلاص" کا معنی دریافت کیا اور آپ نے حضرت
جبرئیل امین علیہ السلام سے اس کے معنی دریافت کیے اور جبرئیل امین
نے عرض کیا کہ میں نے حق تعالیٰ سے "اخلاص" کا معنی اور مطلب
دریافت کیا تو حق تعالیٰ نے فرمایا :-

"هُوَ سِرٌّ مِنْ سِرِّی اَسْتَوْدِعُهٗ قَلْبَ مَنْ
اَحْبَبْتُ مِنْ عِبَادِیْ۔"

کہ اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ ودیعت رکھتا
ہوں وہ راز اس شخص کے دل میں جس کو اپنے بندوں میں زیادہ
محبوب اور اس قابل جانتا ہوں کہ وہ اس کا اہل ہے۔
حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

"اِنَّ لِکُلِّ حَقٍّ حَقِیْقَةً وَمَا بَلَغَ عَبْدٌ حَقِیْقَةَ الْاِخْلَاصِ حَتّٰی لَا یُحِبَّ اَنْ یُّحْمَدَ عَلٰی عَمَلٍ عَمِلَهٗ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ"

یعنی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر امر اور ہر حقیقت و صداقت کی ایک اصلیت اور واقعیت ہوتی ہے نیکوکار و وفا شعار بندہ اس وقت تک "اخلاص" کے درجہ تک نہیں پہنچے گا جب تک وہ اپنے کئے ہوئے نیک عمل کی تعریف لوگوں سے سننا پسند نہ کرے۔ یعنی اخلاص یہ ہے کہ آپ تمام اعمالِ صالحہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کریں اور اگر آپ کی کوئی تعریف کرے تو اس کا سننا بھی اپنے حق میں ناپسند کریں گے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:-

"اَلْاِخْلَاصُ اَنْ یُّخْلِصَ الْعَبْدُ دِیْنَهٗ لِلّٰهِ وَعَمَلَهٗ لِلّٰهِ تَعَالٰی وَلَا یُشْرِکَ بِهٖ فِیْ دِیْنِهٖ وَلَا یُرَائِیْ بِعَمَلِهٖ اَحَدًا"

اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنا دین و ایمان اور اعمالِ صالحہ صرف خدا تعالیٰ کے لئے کرے، خدا کے دین میں کسی کو بھی شریک قرار نہ دے اور نہ اپنا نیک عمل کسی انسان پر آشکارا کرنے کی کوشش کرے۔

امام فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا:-

"تَرْکُ الْعَمَلِ مِنْ اَجْلِ النَّاسِ رِیَاءٌ وَالْعَمَلُ مِنْ اَجْلِ النَّاسِ شِرْکٌ"

کسی کام کو لوگوں کے خوف سے چھوڑنا مکر و ریا میں داخل ہے اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے کوئی نیک کام کرنا موجب شرک ہے۔

امام ابوالحسن بوشنجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

"هُوَ مَا لَا یَکْتُبُهُ الْمَلَکَانِ وَلَا یُفْسِدُهُ الشَّیْطَانُ وَلَا یَطَّلِعُ عَلَیْهِ الْاِنْسَانُ"

اخلاص وہ حقیقت ہے کہ جس کے لکھنے کی فرشتوں کو طاقت نہیں، ابلیس (شیطان) اس کو بگاڑ نہیں سکتا اور آدمی اس پر اطلاع نہیں پا سکتا۔

رُوَیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اخلاص یہ ہے:
"اِرتفاعُ رُؤیتِکَ مِنَ الْفِعْلِ۔"

کہ تم کو اپنے نیک کام کا تصوّر بھی اپنے دل میں نہ آئے۔ جیسے کہ کچھ لوگ روزہ، نماز، وعظ و تبلیغ کے بعد فخر کرتے ہیں، کہ ہم نے ایسا ایسا کیا۔ یہ سب اخلاص سے باہر ہے، ایسے نیک کاموں کا خدا وند کریم کے پاس کوئی ثواب نہیں۔ (مارچ ۷۳ء)

بسلسلہ اخلاص و مُخلصین کی

اعلیٰ درجہ کی علامتیں

" عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم ثَلٰثٌ لا یَغِلُّ عَلَیْھِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ اِخلاصُ العَمَلِ لِلّٰہِ وَمُنَاصَحَۃُ وُلَاۃِ الْاَمْرِ وَلُزُوْمِ جماعۃِ المُسْلِمِین (غنیہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں، کہ کسی مسلمان کا دل ان کی خیانت نہیں کر سکتا ہے بلکہ وہ ہر حال میں ان تین چیزوں کو اپنا شیوہ اور دستور العمل بنائے گا۔

پہلی چیز یہ ہے کہ تمام نیک عملوں میں اخلاص ہو، یعنی جملہ قسم کے اعمالِ صالحہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے

کے لئے کیے جائیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اپنے حاکموں کو نصیحت کرتا رہے اور انہیں بہترین مشورہ دیا کرے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ وابستہ اور پابند رہے۔

مسلمانو! اس حدیث شریف پر غور کیجئے، کہ اسلام میں اخلاص، حاکموں کو صحیح مشورہ دینے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے کی کتنی بڑی اہمیت ہے ـــ افسوس اب کہ اب ہم میں اخلاص بالکل ختم ہو گیا۔ نفس پرستی اور جاہ طلبی کی پوجا ہو رہی ہے ـــ حاکموں کو صحیح مشورہ دینے کی جگہ درپردہ ان کے بھلے اور برے کاموں میں شریک رہتے ہیں اور عوام سے بھی ساز باز رکھتے ہیں، اور پھر سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے کی بجائے ان سے کٹ جاتے ہیں اور علیحدہ اور جداگانہ ناموں پر نئی نئی ٹولیاں اور نئی نئی جماعتیں بناتے ہیں یہاں تک کہ وحدتِ امت کا شیرازہ درہم برہم کر دیتے ہیں ـــ تو اب آپ خود اندازہ لگائیے کہ کیا اس سے بھی کوئی بڑھ کر اسلام کا دشمن ہو سکتا ہے۔

اے کاش! مسلمان اس حدیث مبارک پر اچھی طرح غور و فکر کر کے اپنے میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کریں، نئی نئی جماعتیں کھڑی کرنے کی بجائے صرف ایک جماعت کے ساتھ وابستہ رہیں۔

مشہور حضرت خواجہ حذیفہ المرعشی رحمۃ اللہ علیہ اخلاص کی تعریف میں فرماتے ہیں:

"هُوَ اَنْ تَسْتَوِيَ اَفْعَالُ الْعَبْدِ فِي الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ۔"

اخلاص یہ ہے کہ مسلمان کے سارے کام خلوت و جلوت میں یکساں رہیں۔ نہ یہ کہ ظاہر میں پارسا اور باطن میں بدکار رہا۔"

حضرت ابو یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاص کی تعریف میں فرماتے ہیں :-

"اَنْ یَّکْتُمْ حَسَنَاتِہٖ کَمَا یَکْتُمُ سَیِّاٰتِہٖ۔"

کہ مسلمان اپنی نیکیوں اور نیک عملوں کو بنی آدم سے اس طرح چھپائے کہ جس طرح وہ ان کی نظروں سے اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاص کی وضاحت ان لفظوں میں فرمائی :-

"اِسْتِوَاءُ الْمَدْحِ وَالذَّمِّ مِنَ الْعَامَّۃِ وَ نِسْیَانُ رُؤْیَۃِ الْاَعْمَالِ وَاقْتِضَاءُ ثَوَابِ الْعَمَلِ فِی الْآخِرَۃِ۔"

اخلاص یہ ہے کہ نیک عمل کرنے والا لوگوں کی تعریف و مذمت سے بے نیاز ہو جائے، کسی کی تعریف سے نہ خوش ہو جائے اور نہ ہی کسی کی مذمت اور برائی کرنے سے وہ اپنے دل میں تنگی اور ناخوشی محسوس کرے۔۔۔ اسی طرح اپنے نیک عملوں کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنا اس کی طبیعت میں داخل ہو جائے حتیٰ کہ آخرت کے ثواب کا بھی بالذات طلب گار نہ بنے، صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے۔

اسی حقیقت کی طرف حضرت شیخ نور الدین ریشی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ۔ ؎

جمنتکھ سو سہہ جو نکھ دُے | دَیہہ چھِی گران عبادت
کہ امی ژُھم کُنہ بے غرضیے | کس اُسہ دِلس تشہد و سنت

(اپریل ۱۹۶۳ء)

اولیاء اللہ کے ہاں اخلاص و مخلصین کے مراتب

مشہور دوست خدا ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ "اخلاص" کی تعریف میں فرماتے ہیں :۔

"نِسْیَانُ رُؤْیَۃِ الْخَلْقِ بِدَوَامِ النَّظْرِ اِلَی الْخَالِقِ۔"

کہ نیک عمل کرنے والوں کی طبیعت ہی اس طرح بن جائے کہ وہ اپنی نیکیوں کو لوگوں سے چھپائیں اور اپنی نظر صرف ربّ العالمین کی طرف باندھیں۔

بعض علماء نے اخلاص کی تعریف ان لفظوں میں کی :۔

"اَلْاِخْلَاصُ مَا اُرِیْدَ بِہِ الْحَقُّ وَ قُصِدَ بِہِ الصِّدْقُ۔"

کہ اخلاص یہ ہے کہ نیک کام کرنے سے خدا تعالیٰ مقصود ہو اور صرف اس کی رضا جوئی کے لئے کیا جائے اور اس سے راستی اور سچائی کا ارادہ کیا۔

کچھ اولیاء اللہ نے اخلاص کی تعریف ان لفظوں میں کی :۔

"اِفْرَادُ الْحَقِّ فِی الطَّاعَۃِ بِالْقَصْدِ وَھُوَ اَرَادَۃُ الْعَبْدِ بِطَاعَتِہِ الْقُرْبَ اِلٰی مَوْلَاہُ دُوْنَ اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِہٖ فَلَا یَتَصَنَّعُ لِلْخَلْقِ وَلَا یَکْتَسِبُ مِنْھُمُ الْحَمْدَ وَلَا یَسْتَجْلِبُ مِنْھُمُ الْحُبَّ وَلَا یَدْفَعُ بِھَا عَنْ نَفْسِہِ اللَّوْمَ وَالذَّمَّ۔"

کہ اخلاص یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت اور نیک کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس سے نزدیک ہونے کے ارادہ سے کیا جائے

اور عبادت و طاعت میں ما سوائے اللہ کوئی واسطہ نہ ہو، حتیٰ کہ لوگوں کے سامنے تکلفات نہ کرے اور ان سے کسی قسم کی تعریف یا اُن کی محبت کا درپے نہ ہو۔ اور نا ہی عبادت کے ذریعہ اپنی ذات سے ملامت اور مذمت دور کرنے کی کوشش کرے۔

مشہور ولی رُویم رحمہ اللہ نے اخلاص کے متعلق فرمایا:۔

"اَلْاِخْلَاصُ فِی الْعَمَلِ هُوَ الَّذِیْ لَا یُرِیْدُ صَاحِبُهٗ عِوَضًا فِی الدَّارَیْنِ وَلَا حَظًّا مِّنَ الْمَلَکَیْنِ۔"

نیک کاموں میں اخلاص پیدا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ نیکی کرنے والا اپنی نیکی کا بدلہ نہ دُنیا میں چاہے اور نہ آخرت میں اور نہ وہ اس بات کا خواہشمند ہو کہ "کِرَامًا کَاتِبِیْن" اس کی نیکیوں کو قلمبند کریں۔

ابن عبداللہؓ سے دریافت کیا گیا:۔

"اَیُّ شَیْءٍ اَشَدُّ عَلَی النَّفْسِ۔"

نفس انسانی پر ایسی کون سی چیز مشکل ہے کہ جس پر وہ عمل نہیں کرتا۔

"فَقَالَ الْاِخْلَاصُ لِاَنَّهٗ لَیْسَ لَهَا مِنْهُ نَصِیْبٌ۔"

آپ نے فرمایا وہ اخلاص ہے، کہ نفس کو اس کا کچھ حصہ نہیں ملتا یعنی عموماً لوگ نیک کام تو کرتے ہیں۔ وعظ [illegible] زکوٰۃ و خیرات دیتے، دن جہاد اور رات ریاضت میں گزارتے ہیں [illegible] ان کے کاموں میں مختلف اغراض و مقاصد ہوتے ہیں اور [illegible] حق ان کا مقصد نہیں ہوتا ہے اس لئے وہ قیامت کے دن نہایت شرمندہ اور نا اُمید ہوں گے۔ ہاں صرف خاصان خدا ہی وہ لوگ ہیں جن کا مقصود اور عبادت کا محور حضرت اللہ ہوتا ہے اور وہ قدم بقدم اتباعِ سُنّتِ سنیہ حضرت مصطفےٰ [illegible] صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم قدم رکھ رہے ہیں اور اسی اخلاص کی برکت سے ان کی زندگی جامع اور کامل ہو جاتی ہے اور وہ وحدۃ الوجود بلکہ وحدۃ الشہود کی شرابِ معرفت سے مست اور مخمور ہو جاتے ہیں اور دنیا و مافیہا سے بے خبر رہ کر دیدارِ یار سے ہر چیز سے غنی اور بے پرواہ ہو جاتے ہیں اور اسی اخلاص کی برکت سے خطرناک اور موذی مخلوقات بھی ان سے خائف اور ہراساں رہتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت سیدنا و مولانا شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

کہ ایک صاحب نماز جمعہ سے کچھ پہلے ان (تستری سے) سے ملنے کے لئے آئے جونہی انہوں نے ان کے کمرہ میں قدم رکھنا چاہا تو کمرہ میں ایک بڑا سانپ پایا وہ حیران رہ گیا کہ اندر کیسے آؤں۔ حضرت سہل نے ان کی یہ حیرانگی دیکھ کر فرمایا "اندر آ" ایمان کی حقیقت ہرگز حاصل نہیں ہوگی جب تک ماسوی اللہ کا ڈر دل سے نہ نکل جائے ــــ یہ صاحب کہتے ہیں:۔

میں اندر آیا، سانپ نے مجھے کوئی تکلیف نہ دی۔ پھر فرمایا "جمعہ کی نماز پڑھنا چاہتے ہو" میں نے عرض کیا ! جامع مسجد تک ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے وہاں کیسے پہنچیں گے"؟ یہ سن کر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ تھوڑی سی دیر میں بذریعہ طے مکان ہم جامع مسجد پہنچے، وہاں نماز پڑھی لوگوں کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ "ماشاء اللہ آج لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے بہت ہیں مگر اخلاص والے، اللہ والے بہت تھوڑے ہیں ــــ پھر اپنا واقعہ بیان کیا۔ کہ، میں ایک سفر میں ابراہیم خواص رح کے ساتھ تھا ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بہت سانپ تھے، وہاں رات کی گھڑی میں سانپ نکل کر ہمیں گھیرنے لگے۔ میں ڈر کر چیخ مارنے ـــ حضرت! ہم مر گئے کہ سانپ ہمیں ڈسنے کے لئے آ رہے ہیں۔ ابراہیم خواص رح نے فرمایا ڈرو مت، "اللہ اللہ کرو" یادِ خدا میں لگ جاؤ۔ فرماتے

ہیں۔ میں یادِ خدا میں مصروف ہوا تو سانپ واپس لوٹ گئے۔ میں یادِ خدا سے رُکا تو سانپ پھر حملہ کرنے کے لئے آگئے، پھر میں نے چیخ ماری "حضرت! یہ دیکھئے سانپ ہیں" فرمانے لگے یادِ خدا میں لگ جاؤ، سانپ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑیں گے ۔۔۔ اسی حیرانی میں ہم نے رات شیخ کے ساتھ بسر کی، صبح ہوئی تو ہم نے بستر اٹھائے تو خود شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے بستر سے ایک بڑا سانپ نکل آیا۔ ہم نے حیران ہو کر شیخ سے پوچھا یہ تو رات کو آپ کے بستر پر تھا، کیا آپ کو اس کا کچھ علم تھا؟ شیخ نے جواب دیا "خدا کی قسم جس آرام اور سکون سے میں نے آج کی رات گزاری عمر بھر میں کوئی رات ایسے آرام سے بسر نہ کی۔" اصل عبارت غنیۃ الطالبین میں موجود ہے۔

ان سطروں کے لکھنے سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے علماءِ کرام اور واعظِ شیریں بیان اور تبلیغِ اسلام کے کارکنوں سے باادب عرض کریں گے، جو کچھ آپ کرتے ہیں تو اسی اخلاص اور سچائی سے کیجئے جو بزرگانِ دین کا معمول اور دستور تھا تو انشاءاللہ ثواب بھی ملے گا اور آپ کے نیک کاموں میں برکت بھی ہوگی۔ ہاں! یاد رکھئے کہ ظاہرداری چھوڑ کر دل اللہ میں جانا چاہئے مگر بدقسمتی سے ذاتِ الٰہی ہم سب میں مفقود ہے۔

(مئی ۱۹۸۳ء)

"اِیمان"

(ایمان کی ستّر شاخیں)

اس بیان میں ایمانِ کامل کی تمام شاخوں اور تمام شعبوں کی نشاندہی ہو رہی ہے۔ لہٰذا ان شاخوں کا اچھی طرح مطالعہ کر کے ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

"عَنْ ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہُ قَالَ قَالَ رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ علیہ وَآلِہٖ وَسلّم الایمان بضعٌ وسبعون شعبۃً افضلھا قولُ لا الٰہ الا اللّٰہ وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق والحیآء شعبۃٌ من الایمان۔" (متفق علیہ)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی ستّر سے اوپر شاخیں ہیں۔ سب سے اونچی شاخ:- لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ ؐ کا معنی دل سے تسلیم کرنا اور زبان سے اس کا ورد کرنا ۔ اور آپ ؐ نے فرمایا شرم و حیا بھی ایمانِ کامل کی ادنیٰ اور نچلی شاخ راستہ سے تکلیف رسان چیزوں کو دور کرنا ہے اور فرمایا شرم و حیا بھی ایمان کامل کی شاخوں میں سے ایک نمایاں اور قابلِ قدر شاخ ہے۔

امام نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان شاخوں کو گنا اور

شمار کیا ہے، وہ یہ ہیں۔
۱۔ اللہ اکبر کہنا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و پاکی ظاہر کرنا یعنی سبحان اللہ کثرت سے پڑھنا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان کرنا یعنی زبان سے الحمد للہ کہنا۔
۴۔ کلمہ تمجید کہنا، یعنی وہ کلمہ جس سے اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کی جاتی ہے وہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر بار بار کہنا۔
۵۔ تجرید یعنی خلوت گزینی اختیار کر کے فکر آخرت میں رہنا۔
۶۔ تفرید۔
۷۔ توبہ کرنا یعنی گناہوں پہ پشیمان ہونا اور آئندہ کے لئے محتاط رہنا۔
۸۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ہر وقت رجوع کرنا خلوت میں، جلوت میں عبادات و معاملات میں اسی کے امر و نواہی کا خیال رکھنا۔
۹۔ پاکی و صفائی اختیار کرنا۔
۱۰۔ باوضو رہنا۔
۱۱۔ نماز پابندی سے ادا کرنا۔
۱۲۔ سال گزرتے ہی زکوٰۃ دینا۔
۱۳۔ رمضان المبارک کا روزہ رکھنا۔
۱۴۔ نمازوں اور نوافل میں طول قیام کرنا۔
۱۵۔ مطابق سُنّت اعتکاف کرنا۔
۱۶۔ حج کرنا۔
۱۷۔ عمرہ کرنا۔
۱۸۔ قربانی کرنا۔
۱۹۔ خیرات دینا۔
۲۰۔ راہِ خدا میں جہاد کرنا۔
۲۱۔ اگر اپنا غلام ہو تو اس کو آزاد کرنا۔

۲۱۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔
۲۲۔ اپنے اعمال، خالص اللہ تعالیٰ کے لئے اختیار کرنا۔
۲۳۔ گناہوں سے بچنا۔
۲۴۔ سرکش نہ بننا۔
۲۵۔ حق سے تجاوز نہ کرنا۔
۲۶۔ دل میں خوفِ خدا حاصل ہونا۔
۲۷۔ زبان کو غیبت سے بچانا۔
۲۸۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنا اور ثنا بجا لانا۔
۲۹۔ دعاؤں میں مشغول رہنا۔
۳۰۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کی امید رکھنا۔
۳۱۔ شرم و حیائے سے معمور رہنا۔
۳۲۔ سچ بولنا۔
۳۳۔ صاف دل یعنی بے کینہ اور بے حسد ہونا۔
۳۴۔ بندگانِ خدا کے لئے خیر خواہی کرنا، یعنی سب کے لئے اچھا چاہنا۔
۳۵۔ وعدہ وفا کرنا۔
۳۶۔ خدا تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہنا۔
۳۷۔ ہر وقت موت کے لئے تیار رہنا۔
۳۸۔ سنّتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنا۔
۳۹۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کی موافقت کرنا۔
۴۰۔ بوڑھوں اور بزرگوں کی عزت کرنا۔
۴۱۔ بچوں سے شفقت و مہر و محبت کرنا۔
۴۲۔ علمائے امت کی اقتدا کرنا۔
۴۳۔ عام بندگانِ خدا سے شفقت کرنا۔
۴۴۔ خواصِ اُمّت کا احترام اور عزت کرنا۔
۴۵۔ اہلِ سنّت والجماعت کی تعظیم کرنا۔
۴۶۔ امانت میں خیانت نہ کرنا۔
۴۷۔ لوگوں کی حفاظت کرنا۔

۴۸۔ خدا تعالیٰ کے بندوں خاص کر محتاجوں کو کھلانا پلانا۔
۴۹۔ نیکوں کو نیک کاموں پر انعام دینا۔
۵۰۔ یتیموں سے نیکی کرنا۔
۵۱۔ صلۂ رحمی کرنا۔
۵۲۔ ہر ایک کو سلام کرتے رہنا۔
۵۳۔ دوسرے مسلمان کے مسلمانی کو سچ جاننا، جب تک قرائن اس کے برخلاف نہ ہوں۔
۵۴۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنّتِ مبارک کی پابندی کرنا۔
۵۵۔ دُنیا سے بے رغبت ہونا۔
۵۶۔ آخرت کی رغبت رکھنا۔
۵۷۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی موافقت کرنا۔
۵۸۔ نفسانی خواہشات سے دور رہنا۔
۵۹۔ جہنم سے ڈرنا۔
۶۰۔ اللہ تعالیٰ سے جنّت الماویٰ کی درخواست کرنا۔
۶۱۔ اپنا جود و کرم اور سخاوت ہر ایک سے کرنا۔
۶۲۔ اپنے نوکر چاکروں سے حسن سلوک کرنا۔
۶۳۔ قابل حُرمت چیزوں کی حفاظت کرنا۔
۶۴۔ خدا تعالیٰ سے نیک کاموں کی توفیق مانگنا۔
۶۵۔ پڑوسیوں کے ساتھ مہر و محبت کرنا اور اس کے جائز حقوق کا خیال رکھنا۔ (جون ۱۹۷۹ء)

نوٹ: باقی کتاب ہٰذا کے ضمیموں میں ملاحظہ کیجیے۔

اسلام میں طہارت و پاکی کی اہمیت

"عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال لاتقبل صلوٰۃ بغیر طہور ولا صدقۃ من غلول"
(رواہ محمد بن عیسیٰ الترمذی فی جامعہ ؒ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی نماز پاکی حاصل کئے بغیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول یعنی درست اور جائز نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی مال حرام کا کوئی صدقہ اور خیرات اسکی بارگاہ میں مقبول ہوتی ہے۔

یہ ابواب الطہارت کی پہلی حدیث ہے جس سے امام محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ نے اپنی کتاب افتتاح ... فرمایا ہے۔ مجھے اس وقت مختصر رسالہ نکات میں نہیں پڑنا ہے، کہ قبول سے اس جگہ کیا مراد ہے اور نہ یہ بتانا ہے کہ حدیث مذکور کے معطوف علیہ و معطوف میں کیا مناسبت ہے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اسلام میں طہارت و پاکی کی اتنی عظمت ہے کہ حضرت مصنفؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب میں اس حدیث کو صفحہ اول میں لاکر طہارت کی اہمیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"بنی الدین علی النظافۃ"۔ دین اسلام کی بنیاد صاف و ستھرائی پر ڈالی گئی ہے۔ محبوب رب العلمین ﷺ نے یہ بھی فرمایا: مفتاح الصلوٰۃ الطھور (ابوداؤد و ترمذی بروایت حضرت علیؓ)۔ "کہ نماز کی چابی پاکی ہے۔" یعنی ناپاک آدمی کے لئے بلا عذر شرعی نماز میں داخل ہونا حرام ہے۔ پاکی عموماً پانی سے کی جاتی ہے اور اس کے نہ ہونے یا اس کے استعمال پر طاقت نہ ہونے کے وقت تیمم کرنا ضروری ہے۔ اور رہا فاقد الطھورین جس کو پانی کے استعمال اور تیمم پر طاقت

وقدرت نہ ہو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اس کے بیان کرنے کی اس جگہ گنجائش نہیں۔ اور ایک حدیث مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اَلطُّھُورُ شطر الایمان "۔ پاکی حاصل کرنا نصف ایمان ہے

اور ارشاد باری ہے:

" مَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیَجعَلَ علیکم من حرج ولکن یُرِیدُ لِیُطَھِّرَکُم۔" کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مشکلات میں ڈالنا نہیں چاہتا، لیکن وہ تم کو پاک بنانا چاہتا ہے۔"

حضرات! ان حدیثوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع کا مقصد صرف ظاہری شستہ شو اور ستھرائی ہرگز نہیں بلکہ ظاہری پاکی حقیقی پاکی کا ایک حصہ ہے۔ مگر چونکہ ہم کو پاکی قسموں میں سے ظاہری پاکی کا اندازہ اور علم ہوتا ہے۔ اس لئے فقہاء کرام نے اس کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ البتہ حضرات صوفیہ تمام پاکیوں کا خیال فرماتے ہیں اس طرح ان کے نزدیک پاکیوں کے کل چار قسم ہیں:

۱۔ ظاہری بدن کو حدث (بے وضوئی) اور نجاست حقیقی و حکمی سے پاک رکھنا۔

۲۔ بدن کے اعضاء کو گناہوں اور خطاؤں سے پاک کرنا۔

۳۔ دل کو برے اخلاق اور ناپسندیدہ خصلتوں سے پاک کرنا۔

۴۔ باطن کو ماسویٰ اللہ سے پاک کرنا کہ اس میں غیر اللہ کی محبت اور خوف و ریا کے بغیر کوئی بات نہ آجائے۔ طہارت کی یہ آخری قسم انبیائے کرام اور صدیقوں سے مخصوص ہے۔ اب رہے ہم ملائے تو ظاہری پاکی کا جتنا اہتمام و انتظام کرتے ہیں مگر اسی قدر ہمارا درون اور دل و دماغ حسد، بغض، کینہ، بہتان بازی اور دیگر دوسرے عیوب سے ناپاک ہوتا ہے۔

از برون طعنہ زنی بر بایزید — وز درونت شرم میدارد یزید

تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ صرف ظاہری شستہ شو اور صفائی سے آدمی پورا پاک ہو گیا ہرگز نہیں بلکہ ظاہر کی پاکی کے ساتھ باطن کی پاکی اور باطن

کی پاکی کے ساتھ ظاہری پاکی کا بھی اسلام نے اہتمام فرمایا ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ چاروں قسم کی پاکیوں سے اپنے ظاہر و باطن کو پاک بنانا زیادہ ضروری ہے۔

یاد رکھو! ظاہری داغ دھبوں اور ظاہری میلے پن سے آپ بہت ڈرتے ہیں کہ کہیں اس پر جانے پہچانے آدمی کی نظر نہ پڑ جائے تو وہ برا مانے گا، مگر رب العالمین سے نہیں ڈرتے اور اس کے قہر سے نہیں لرزتے کہ آپ کو کبھی موقع آتا کہ آپ اپنے ظاہر کو پاک فرماتے اور اپنی بری عادتیں چھوڑتے لہٰذا کسی وقت پاس آخر میں اٹھکر درج ذیل اشعار و ابیات سے اپنے اندرونی غلاظت و ناپاکی پر بھی غور کیجئے اور پھر اپنے قلب و ضمیر کو پاک کیجئے، ظاہری پاکی سے باطنی پاکی زیادہ ضرورت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انما المشرکون نجس" "بیشک مشرک لوگ گندے اور ناپاک ہیں۔ جانتے ہیں آپ یہ کونسی گندگی ہے یہ خبث باطنی ہے۔ اور ان ابیات پر پہلے غور کرو۔

۱۔ دلا برخیز طاعت کن کہ طاعت بہ ز بسیار است
سعادت آں کسی دارد کہ وقت صبح بیدار است

۲۔ دلم گوید کہ برخیزم ہوا گوید دمی دیگر
ہوا را سرزنش باید کہ وقت امر جبار است

۳۔ خود ایشاں سحر گویند قم قم اہل غفلت را
تو خود مستی نمیدانی کسی داند کہ بیدار است

۴۔ ترا اندر لحد آرند جنازہ مرکبت سازند!
چو اندر گور در آرند عمل آنجا ترا یار است

۵۔ اگر سلطان تبریزی و گر شمسی تبریزی
یقین در خاک آمیزی و در گورت شب تار است

مقصد یہ ہے کہ اسلام طہارت ظاہری و طہارت باطنی کا پورا اہتمام کرتا ہے۔ تاکہ ہم اپنے ضمیر کو پاک بنائیں۔ ۔:۔

(نوٹ: مزید تفصیل ضمیمہ میں ملاحظہ

حلاوت ایمان کے بیان میں

حدثنا محمد بن المثنیٰ قال حدثنا عبدالوہاب الثقفی قال ایوب عن ابی قلابۃ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا وَاَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ وَاَنْ یَّکْرَہَ اَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ کَمَا یَکْرَہُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ۔

(مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ :- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :- جس شخص میں تین باتیں ہوں گی، وہ ایمان کی حلاوت پائے گا۔

۱۔ خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔

۲۔ جس سے بھی محبت کرے خدا کے واسطے کرے۔

۳۔ کفر و شرک اختیار کرنے سے اس قدر متنفر و بیزار ہو جس قدر آگ میں ڈالا جانے سے دور اور متنفر ہو سکتا ہے۔

تشریح علماء نے لکھا ہے کہ حلاوتِ ایمان سے مراد یہ ہے کہ طاعات میں لذت محسوس ہو اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی کے لئے بڑی سے بڑی تکالیف بھی گوارا ہوں۔

حدیثِ مبارک میں تین چیزوں کا ذکر ہے، ان میں سے پہلا امر یہ ہے:۔ کہ اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت دوسری سب چیزوں کی محبّت پر غالب ہو۔ اللہ تعالیٰ کی محبّت تو اس لئے کہ وہ ربّ الارباب اور منعمِ حقیقی ہے، ساری نعمتیں اس کے فضل و کرم سے وابستہ ہیں ۔۔۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبّت اس لئے کہ روحانی انعامات اور علومِ الٰہیہ کے لئے وہی واسطہ ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اِن دونوں محبوب سے جو نعمتیں حاصل ہوئیں ان میں سے سب سے زیادہ عزیز ترین دولت ایمان کی دولت ہے۔ اور ان کی سب سے زیادہ مبغوض چیز کفر و شرک ہے لہٰذا ایمان کی دولت کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہیں دی جا سکتی اور کفر و شرک کے ادنیٰ شائبہ سے بھی پوری بیزاری و نفرت ضروری ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ دُنیا کے مجازی محبوبوں کی محبّت کا یہ حال ہے کہ ان سے ادنیٰ تعلّق رکھنے والوں سے بھی محبّت ہوا کرتی ہے تو پھر محبوبِ حقیقی سے محبّت کا تقاضا یہ کیوں نہ ہو گا کہ اس سے محبّت کرنے والوں سے، تعلّق رکھنے والوں سے محبّت نہ ہو۔ بلکہ ایک مومن مخلص کے لئے اعلیٰ درجہ تو یہ ہو تا ہے کہ جس سے بھی وہ محبّت کرے یہی دیکھ کر کرے کہ وہ خدا سے بھی کچھ علاقہ و محبّت رکھتا ہے۔

ایک حدیثِ مبارک میں ہے :۔

"مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ"۔

یعنی، جس نے خدا کے لئے محبّت کی اور خدا کے لئے بغض رکھا، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ " ـــــ اس تشریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی دو چیزیں نہایت اہم ہیں اور تیسری چیز "حبّ اللہ" مکملاتِ دین میں سے ہے۔ "واللہ اعلم"

بحث و نظر:- محدّث عارف بن ابی جمرۃؒ نے بہجۃ النفوس ص ۲۵ تا ص ۲۸ میں حدیث مذکور کے متعلقات پر بہت اچھی بحث کی ہے۔ اس میں یہ بھی فرمایا کہ حلاوتِ ایمان کے بارے میں بحث ہوئی ہے کہ وہ امرِ محسوس ہے، یا باطنی و معنوی؟ بعض حضرات نے معنوی قرار دیا یعنی جس میں وہ موجود ہوگی وہ ایمان میں پختہ اور احکامِ اسلامی میں پورا مطیع و منقاد ہوگا۔ یہ فقہاء کی رائے ہے۔ دوسرے حضرات نے اس کو محسوس چیز قرار دیا اور یہ ساداتِ صوفیہ کی رائے ہے۔

صاحبِ بہجہ نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک حق و صواب بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس حدیثِ مبارک کا مطلب بغیر کسی تاویل کے سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ بات ایسی ہے کہ اس کا ادراک و احساس وہی کرسکتے ہیں جو خود بھی اس مرتبہ و مقام تک پہنچے ہوں۔ لہذا ایسا دعویٰ کرنا موزون نہیں کہ حدیث مبارک میں وہ مرتبہ و مقام مراد ہی نہیں ہے۔ ؎

وإذا لم ترَ الهلال فسلّم
لأناسٍ رأوه بالأبصار

"اگر تو نے چاند کو نہیں دیکھا تو ان لوگوں کی بات ہی مان لے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ لیا ہے"

دوسرے یہ کہ ساداتِ صوفیہ کی رائے کی تائید صحابہ و سلف اور واصلینِ کاملین کی حلاوت سے بھی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حلاوتِ ایمان کو محسوس طریقہ پر حاصل کرلیا تھا۔ مثلاً:-

(۱) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا واقعہ کہ ان کو ایمان سے ہٹا کر کفر کی طرف لوٹانے کے لئے قسم قسم کی تکالیف دی گئیں مگر وہ برابر "احد احد" کہتے رہے تو اس کے متعلق سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے، کہ عذاب و تکلیف کی تلخی ایمان کی

حلاوت کے ساتھ ایسی مل گئی تھی کہ حلاوتِ ایمان پہ غالب آ گئی تھی۔ اس طرح جب ان کی موت بھی اسی حالت میں آگئی تو ان کے گھر کے آدمی "واکربالا" (کیسی سخت مصیبت و بلا ہے) کہتے تھے۔ اور وہ خود "واطربالا" (کیسی خوشی و مسرت کا مقام ہے) کہہ رہے تھے۔ پھر فرماتے تھے۔

غدًا القی الاحبۃ ٭ محمدًا وحزبہ

"کل میں اپنے دوستوں سے ملوں گا۔ محبوبِ دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلّم اور اُن کی ساری جماعت سے ملوں گا۔)

گویا انہوں نے موت کی تلخی کو لقاءِ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم و صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی حلاوت کے ساتھ ملاکر اس تلخی کے احساس کو مغلوب کر دیا تھا۔ اور یہی حلاوتِ ایمان ہے۔

(۲) ایک صحابی رضؓ اپنا گھوڑا باندھ کر نماز پڑھنے لگے ایک شخص آیا اور گھوڑا کھول کر لے گیا۔ انہوں نے نماز نہیں توڑی لوگوں نے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا ؟ جواب میں اس صحابی رضؓ نے فرمایا کہ "میں جس امر (نماز) میں مشغول تھا وہ گھوڑے سے بہت زیادہ قیمتی ہے" یہ بھی حلاوتِ ایمان ہی ہے۔

(۳) حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:۔ کہ ہمیں خدا کے ذکر و اطاعت میں وہ لذّت حاصل ہے کہ اگر شاہانِ دنیا کو اس کا علم ہو جائے تو ہم پر لشکر کشی کرکے اس کو چھین لینے کی سعی کریں ۔۔

(ماخوذ از "انوار الباری" شرح صحیح بخاری پارہ اوّل ص ۱۲۵ تا ص ۱۲۷ مصنفہ مولانا احمد رضا صاحب تلمیذ علامہ کشمیری۔)

(نومبر و دسمبر ۱۹۷۷ء)

کلمہ

"لا الٰہ الا اللہ" کے بیان میں

"عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیس شیء الا بینہ وبین اللہ حجاب الا قول لا الٰہ الا اللہ ودعاء الوالد اخرجہ ابن مردویہ۔"

ترجمہ:- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:- کہ اللہ تعالیٰ سے پہنچنے کے لیے، ہر نیک عمل کے لئے کوئی حجاب اور پردہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ عمل براہِ راست ربّ العالمین تک نہیں پہنچتا ہے، مگر کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" اور باپ کی دعا اپنی اولاد کے لئے، ان دونوں کے لئے کوئی حجاب اور پردہ درمیان میں نہیں ہوتا۔

تشریح:- پردہ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان دو چیزوں کے قبول ہونے میں کسی قسم کی تاخیر اور دیر نہیں ہوتی، بلکہ دربارِ الٰہی میں فوری طور شرفِ قبول پاتی ہے۔ چنانچہ کافر بادشاہ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ نہایت متعصب اور مسلمانوں کا سخت مخالف تھا، اتفاقاً وہ ایک لڑائی میں مسلمانوں کا قیدی بنا اور گرفتار کرکے مسلمانوں نے اسے سخت سزا دینے کی ٹھان لی، چنانچہ اس کو ایک دیگ میں بھر دیا اور دیگ کو آگ پر رکھ دیا۔ بادشاہ نے اپنی تکلیف دور ہونے کے لئے شروع میں اپنے بتوں کو پکارنا شروع کیا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا، اور پھر فوراً اسی حال میں سمجھے

دل سے مسلمان ہوا اور پورے جوش و خروش اور عاجزی و ندامت سے کلمہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ پڑھنا شروع کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ کلمہ پڑھنا قبول فرمایا اور اس زور سے بارش ہوئی کہ سارا آگ بجھ گئی اور دیگ ٹھنڈی پڑ گئی اور پھر زور سے تیز ہوا چلی کہ دیگ بادشاہ سمیت اڑ گئی۔ اور ایسے شہر میں پہنچی جہاں سب کے سب کافر تھے مگر اُس نے اس حال میں بھی لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ پڑھنا نہیں چھوڑا بلکہ اس کا ورد برابر جاری رکھا۔ جب لوگوں نے اُسے دیگ میں کلمہ حق پڑھتا ہوا دیکھا تو ان کو ایک عجوبہ نظر آیا اور بادشاہ نے اپنا تمام ماجرا بیان کیا وہ کافر اس کا بیان سُنکر مسلمان ہوئے —— یہ ہے کلمہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کی فضیلت برکت، عظمت اور شان —— مگر افسوس ہے کہ ہم لوگ ایسا بلند اور باعث نجات کلمہ چھوڑ کر گانے بجانے اور اِدھر اُدھر کی بیہودہ باتوں میں وقت ضائع کر کے خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق بنجاتے ہیں —— اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے "سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم" پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری شریف کی آخری حدیث ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مذکور ہے فرمایا، "کہ دو کلمے ایسے ہیں جو خداوند کریم کو بہت پسند اور محبوب ہیں وہ زبان پر ہلکے اور آسان ہیں۔ اور قیامت کے دن اعمال کے ترازو میں بوجھل اور وزنی ہونگے وہ ہیں سبحان اللّٰہ وبحمدہٖ اور سبحان اللّٰہ العظیم" ہیں غالباً انکی عظمت و جلالت کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ثنا اور صفات کمالیہ پر مشتمل ہیں۔

ہمارے ملک کے مسلمان صبح کی سُنتوں کے بعد فرض نماز سے پہلے ان کلماتِ طیبات کو پڑھتے ہیں کیونکہ ان کا ثواب بے شمار ہے۔ مگر زمانہ کی بد قسمتی اور وقت کی ستم ظریفی ہے کہ سرینگر کی بعض مساجد میں کچھ عرصہ پیشتر واقعہ پیش آیا کہ جب امام صاحب نے یہ کلمات جہراً اور اسکے بعد دعائے صبح کے دو حصے کلمات پڑھنے شروع کئے، تو کچھ دریدہ دہن انسان کہنے لگے کہ ادھر سے منبر کو شور مچاتا ہے اور ادھر سے مسجد کا مُلّا۔ اور امام صاحب کو ڈانٹنا اور ذلیل کرنا شروع کیا، اہلِ مسجد یہ سُنکر خاموش ہو گئے۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

کتاب و سنّت کی روشنی میں

احکام، عقاید، اخلاق و حقوق کے بیان میں

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال۔۔
رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم من یاخذُ
عنّی ھٰؤلاءِ الکلمات فیعمل بھنّ او یعلّمُ
من یعمل بھنّ قلتُ اَنَا یا رسول اللہ فاَخذَ
بیدی فعدَّ خمساً فقال اتّقِ المحارمَ تکن
اعبدَ النّاس ۔۔ وارض ما قسم اللّٰہ لکَ
تکن اغنی النّاس و اَحسِن الی جارکَ تکن
مومناً وَاَحِبَّ للنّاسِ ما تحبُّ لنفسکَ و
لا تکثرِ الضحکَ فاِنّ کثرۃَ الضّحکِ تمیتُ
القلبَ۔" (رواہ الترمذی)

ترجمہ حدیث:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کیا کوئی (طالب حق و سعادت) ہے، جو مجھ سے یہ حکمت بھرے کلماتِ طیّبات حاصل کرے پھر ان پر عمل کرے، یا کم از کم اس شخص کو سکھائے جو ان کلماتِ طیّبات پر عمل کرے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم میں ہوں جو آپؐ کے کلماتِ طیبات اور ارشادات عالیہ پر عمل کرے گا اور دوسرے مسلمانوں کو بھی یہ کلمات سکھائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں۔ میرا جواب سنکر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے میرے ہاتھ میں اپنا دستِ مبارک رکھدیا، اور پانچ کلمات آپؐ نے شمار فرمائے وہ پانچ کلمات یہ ہیں :—

۱۔ حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرو تو اس کی بدولت بہت عبادت گزار بن جاؤ گے۔

۲۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے روزِ ازل میں تمہارے لئے مقدر اور معین کیا ہے اس پر راضی رہو تو سب لوگوں سے بے نیاز یا سب سے زیادہ متقی اور مالدار بن جاؤ گے۔

۳۔ اپنے ہمسایہ اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک اور احسان کرتے رہو تو کامل مسلمان اور باایمان بن جاؤ گے۔

۴۔ جو اپنے لئے پسند کرتے اور چاہتے ہو وہی چیز اور لوگوں کے لئے بھی پسند اور انتخاب کر لیا کرو۔

(ان چار چیزوں کا تعلق (نصیحتوں) اثبات کے ساتھ ہے اور پانچویں نصیحت کا تعلق نفی کے ساتھ ہے۔)

۵۔ زیادہ نہ ہنسا کرو، کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ (بلکہ دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے سرشار اور معمور رکھو)۔

اس حدیثِ مبارک کی روایت امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں کی ہے۔

تشریح :— آنحضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اس حدیث مبارک کی ابتداء میں اس کی سخت تاکید کی کہ علمِ دین سیکھنے اور سکھانے سے عملِ صالح اور حسنِ کردار پیدا کرنا مقصود ہے اور جس علمِ دین سے دیکھا طالبِ علم اور عالمِ دین کو آخرت

کی رغبت نہ پیدا ہو جائے، اور جس علم دین کا پڑھنے اور پڑھانے والا نیک، صالح اور قوم کے لئے مفید اور رحمت ثابت نہ ہو جائے وہ دینی طالب علم اور عالم دین اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔ اور یہی اس کے لئے زحمت اور وبال جان بن جائے گا۔ یعنی دینی علوم اور قرآن و سنت کی تعلیم سے دنیا کمانا، مسلمانوں کے پیسوں کو لوٹنا، عیش پسندی اختیار کرنا، اہل دنیا کی طرح تکبر کرنا اور اخلاق رذیلہ اور بری عادتوں میں زندگی گذارنا مقصد نہیں۔ بلکہ علم دین کا مقصد قرب الٰہی، وصول الی اللہ دریافت کرکے سلف صالحین اور اولیاء کرام کے نقش قدم پہ چل کر امت مرحومہ کے لئے اچھا نمونہ بننا ہے۔ اور اگر علم دین، وعظ و نصیحت اور انجمن سازی سے مقصد دنیا ہو تو اس علم کو حضرت عارف رومیؒ نے فرمایا۔

؎ علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

کہ اگر علم دین تن پروری اور عیش و عشرت کے لئے پڑھو گے اور سیکھو گے اور علم دین اپنے اقتدار کا ذریعہ بناؤ گے تو یہی علم دین تمہارے لئے قیامت کے دن سانپ اور اژدھا بن جائے گا۔ اور اگر علم دین سے مقصود تقویٰ و پرہیزگاری اور آخرت کا گھر آباد کرنا ہو تو یہی علم تمہارے لئے حقیقی اور بہترین مددگار ثابت ہوگا۔

مگر کس قدر پر افسوس ناک مقام ہے کہ کچھ لوگوں نے علم دین اور کتاب و سنت کو اپنے حصول اقتدار کا آلہ اور ذریعہ بنایا اور اہل دنیا کی طرح دنیا میں غوطہ زنی اور غواصی کرنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم نبوتؐ نے ان کے دلوں میں جگہ نہیں پکڑی ہے، اور ان کے ہاں قال اور ظاہری لفاظی اور الفاظ کے سوا اور کچھ نہیں وہ اس آیت کے پورے مصداق ہیں:-

"من کان فی هذہٖ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ
اعمیٰ واضل سبیلاً" (قرآن)

جو اس دنیا میں اندھا اور بے بصیرت رہے گا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا۔"

سلف صالحین علمِ دین کو اللہ کے لئے پڑھاتے اور سکھاتے تھے انہیں دنیوی عہدے قضا و فتویٰ اور امامت و وزارت کے مناصب پیش کئے گئے، مگر انہوں نے قطعاً اور بالکل اس کی طرف رغبت اور توجہ نہیں کی۔ دوسرے ہیں ہم لوگ کہ ہم نے علم دین حکومت، وزارت اور ظاہری اقتدار کے لئے پڑھا تو مسلمانوں کے ملک گئے تباہ و برباد اور خانہ جنگی میں مبتلا کئے

بوحنیفہؒ قضا نہ کرد و بمرد
تو بمیری اگر قضا نہ کنی

یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ کو قضا گری اور وزیر خزانہ جیسے اہم عہدے پیش کئے گئے لیکن انہوں نے دین کی خاطر ان پر لات ماری اور اپنی ساری عمر شریف جیل خانوں، درس و تدریس اور عبادت و ریاضت میں گزاری لیکن آپ کا کچھ نہیں بگڑا کیونکہ علم دین کے سیکھنے اور سکھانے سے مقصد تو اصلاح قلب اور حسن کردار پیدا کرنا ہے جس کا اندازہ ذیل کی ایک مثال سے اچھی طرح ہو گا کہ سیدنا حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو ملک شاہ سنجر نے اس بات کی پیشکش کی ہے کہ آپ میرے ملک میں تشریف فرما ہو جائے تو آدھے ملک کی بادشاہی آنجناب کو دوں گا۔

آپ نے اس پیشکش کا جواب اس رباعی میں دیا جس سے آپ کا غنائے نفس ثابت ہوتا ہے۔ — قرۃ الناظرین، ص ۵

چوں چترِ سنجری رخ بختم سیاہ باد	در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب	صد ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

سی بنا پر علمائے حق نے فرمایا:-

" واما الریاسة فی الدنیا فالسنة ان لا یتقلد الرجل شیئاً من القضاء والامارة والفتوی والعرافة بانقیاد قلب وارتضاء به الا ان یکره علیه بالوعید الشدید وقد کان لم یقبلها الاوائل فکیف الاواخر "

ترجمہ:- علمائے دین کا دنیوی ریاست وحکومت کے پیچھے پڑنا اور عہدہ اور فتویٰ و نمائندگی کے حصول کے لئے کوشش کرنا ملک کا امن و امان برباد کرنا، قتل وغارت کی طرف دعوت دینا اور مسلمانوں کے دلوں سے اپنے غلط اعمال اور غلط حرکات سے اسلام کی عزت نکالنا نہایت نامناسب اور نا ٹھیک ہے۔" ـــــ ہاں اگر حکومت کی طرف سے کوئی عالم کوئی عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا جائے تو اور بات ہے نہ یہ بھی جواز حصولِ اقتدار کے لئے کوئی دلیل ہے کہ لادینی نظام ور طاغوت سے مدد حاصل کرکے آدمی کو عالم لاہوت میں پہنچایا جائے یہ دین حق کی ناکامی کا اعتراف ہے کمال یہ ہے، کہ علمائے دین اپنے دلوں میں اتنی روحانی قوت و شان و شوکت کو پیدا کریں۔ کہ ان کے ہاتھوں اور چہروں پر نظر پڑتے ہی خدا یاد آجائے اور معصیت اور گناہوں کا نام و نشان تک مٹ جائے۔ ہمیں دکھ ہوتا ہے کہ ہمارے کچھ رسمی دوست بھی بالشارة العابرة کبھی ادھر اور کبھی ادھر ہوتے ہیں۔ وہ بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے راز دار دل ہیں اور بقول کسی ان کی چالاک آزمائی سمجھ میں نہیں آتی۔

قرآن پاک اور اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"عن زید بن ارقم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اہل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما ھذا حدیث حسن غریب"

(ترمذی شریف باب مناقب اہل البیت)

ترجمہ :- حضرت زید بن ارقم رض فرماتے ہیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے درمیان ایسی دو چیزیں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں کہ اگر تم ان کا دامن پکڑے رہو گے اور ان کی اتباع و پیروی کرتے رہو گے تو تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ان دونوں چیزوں میں ایک چیز دوسری چیز سے بڑی ہے، وہ اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ یہ ایک رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی ہے یعنے ہر چیز پر محیط ہے۔ دوسری چیز میری اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں، یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے۔ پس غور کرو کہ میرے بعد ان دونوں سے کیا معاملہ کرتے ہو۔"

(یہ حدیث حسن غریب ہے)

تشریح: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث مبارک میں تاکید فرمائی کہ قرآن اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کو مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہدایت کی تلاش ہے، تو کتاب اللہ کی طرف رجوع کریں اور اگر پاکیزگی اور تقویٰ و طہارت کا نمونہ دیکھنا ہو تو اہل بیت کی اقتداء اور پیروی کریں اور ان کی محبت و عقیدت جزوِ ایمان سمجھیں ـــــ یہی دو چیزیں اسلامی زندگی کے دو ستون ہیں، دونوں چیزوں کا تجزیہ ملاحظہ فرمایئے:-

جہاں تک پہلی چیز "قرآن مجید" کا تعلق ہے تو سب جانتے ہیں کہ عصرِ حاضر میں مسلمان سب سے زیادہ قرآنِ کریم کے احکام و ہدایت سے غافل اور بے بہرہ ہیں اور آج کا مسلمان وقتی علوم و فنون میں گو کافی ترقی کر چکا ہے مگر وہ قرآنِ حکیم اور اس کے احکام و ہدایت سے پورے طور پر غافل ہے مگر عملاً اور علماً قرآنِ کریم سے دور ہونے کے باوجود بہ خوش قسمت اپنے اعتقاد میں اپنے آپ کو پکا مسلمان قرار دیتا ہے اور اپنے اسلام پر نازاں ہے

دوستو! اسلام صرف چند اعتقادات و مفروضات کا نام نہیں۔ اسلام تو مکمل ضابطہ حیات اور ربانی احکام کی پابندی کا نام ہے، یہ مقام قرآن مجید کو پڑھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، قرآن سے دور افتادہ لوگ قرآنِ حکیم کے مقصد کو کیا سمجھیں کہ،

"بے علم نتواں خدا را شناخت"

پس اگر آپ کے دل میں واقعی اپنے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ احترام و عزت ہے تو خود بھی قرآن پڑھیئے اور اس کا معنیٰ و مطلب سمجھنے کی کوشش کیجیئے، اور اپنی اولاد واقارب کو اس کی طرف متوجہ کیجیئے ـــــ اس موقعہ پر ہمیں ان لوگوں کے حال پر سخت حیرانی ہے جو مسلمان ہونے کے باوجود اپنے خودساختہ خیالات کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمانوں کے اساس اور بنیادی معتقدات سے کٹ جاتے ہیں اور ذاتی مخترعات کی بناء پر مسلمانوں

کعبۂ حرم کے سومنات کی طرف رہبری کرتے ہیں ___ اسی طرح
ہمیں ان مسلمانوں پر بھی سخت افسوس ہے جو قرآنِ حکیم کو سمجھنے
کے باوجود اُسے سیاسی مصلحت کے لئے استعمال کرتے ہیں ___
بے شک قرآن رحمت ہے، برکت ہے اور اپنے پیروؤں کے لئے
باعثِ نجات ہے مگر شرط یہ ہے کہ پورے اخلاص اور ایمانداری سے
اس پر عمل کیا جائے۔ بدقسمتی سے کہیں بھی اُس طرح اس پر عمل نہیں
ہوتا۔ اس لئے اُمّت کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے اعمال و افعال
کو قرآنِ حکیم کے تابع بنائیں، اسی صورت میں ان کا شمار مسلمانوں
میں شمار ہوگا اور اسی صورت میں دینی اور دنیاوی لحاظ سے
مسلمان کامیاب و کامران ہوں گے ورنہ زبان سے مسلمان کہنے اور
کہلانے اور عملاً اغیار کے ہاتھ بٹانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا
اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ طریق کار
پسند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پہ ثابت قدم
رکھے۔ آمین ثم آمین "

حدیثِ مذکور کے دوسرے جزُ کا تجزیہ :-

آنحضور اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے اہلِ بیت کی اطاعت و پیروی پر
اُمّت کو اُبھارا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا اہلِ بیت سے صرف وہ لوگ
مراد ہیں جو آپ سے نسبی تعلق رکھتے ہیں خواہ از روئے اعتقاد
و اعمال، آپ کی تعلیماتِ شریفہ سے کوسوں دور کیوں نہ ہوں۔ اس
کے متعلق عرض یہ ہے کہ اہلِ بیت سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو آپ کی
ہدایات و تعلیمات پر خود بھی گامزن ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی
آپؐ کی تعلیم و اتباع کی طرف ترغیب دیتے ہوں خواہ انہیں
آپؐ کے ساتھ نسبی تعلق ہو، جیسے حضرت شیخ سیّد عبدالقادر
جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، اور خواہ آپؐ کے ساتھ نسبی تعلق نہ ہو
جیسے حضرت شیخ نورالدین ولی کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت
محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم۔ یہ سب اہلِ بیت میں داخل ہیں

اور وہ سادات قطعاً اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں داخل نہیں ہیں جن کے اعتقادات اور اعمال، اور جن کا درون وبیرون قرآن و سُنّت کی تعلیمات کے خلاف ہے ـــ اسی طرح وہ لوگ بھی اہلِ بیت میں داخل نہیں جو اعمالِ صالحہ اور ظاہری حسنِ کردار کے باوجود قادیانیوں، لاہوریوں، چکڑالویوں اور بد باطنوں وغیرہم کا ساتھ دیتے ہیں اور در پردہ ان کی اعانت اور امداد کرکے جمہور مسلمین سے کٹ جاتے ہیں۔ پس ایسے سادات سے نہ مرعوب ہونا چاہئے اور نہ ایسے حضرات سے تعلقات کو استوار کرنا چاہئے ـــ ہاں اگر سادات کا نمونہ دیکھنا ہو تو شہیدِ کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور آپؓ کے جانبازوں کی طرف دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے قرآن وسُنّت کی عظمت و حُرمت اور اسلام کے بقا کو احیاء کے لئے کربلا کے میدان میں وقت کے سرکش اور مغرور انسانوں کے ساتھ ٹکرلے کر راہِ حق میں اپنی مقدس جانیں نثار کیں مگر قرآن پر اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دینِ حق پر آنچ نہ آنے دیا۔

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ساداتِ کرام کو اپنے عمل سے بتایا کہ ربانی قرب و مرتبہ سجادوں پر بیٹھ کر حاصل نہیں ہوتا بلکہ ربانی قرب حاصل کرنے کے لئے اپنا تن و ناموس قربان کرنا پڑتا ہے۔ امام حسینؓ نے تمام مسلمانوں کو عموماً اور سادات عظام کو خصوصاً اپنے عمل، زہد، ایثار، قربانی، اپنی جد بہادر تدریجاً سے ہی نہیں بلکہ وقت کے جبارو اور سرکشوں کا مقابلہ کرکے تنبیہ کی کہ حقیقی سید اور حقیقی مسلمان کے لیے جان کی قربانی دینا آسان ہے مگر دینِ حق کے خلاف، اسلام کے خلاف، اور سُنّت کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کی جا سکتی ـــ ٭

عبادات

"نماز"

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی نماز

۱۔ حدیث کی مشہور کتاب "ابوداؤد" میں وائل ابن حجر کی روایت سے ثابت ہے:۔

"اَنَّہٗ اَبْصَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ حِیْنَ قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی کَانَتَا بِحِیَالِ مَنْکِبَیْہِ وَحَاذٰی اِبْہَامَیْہِ اُذُنَیْہِ ثُمَّ کَبَّرَ۔" (ابوداؤد)

ترجمہ:۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز کی طرف کھڑے ہوتے تھے تو آپ کے دونوں مقدس دست ہائے مبارک کندھوں کے برابر اور آپ کے دونوں انگوٹھے دونوں گوشہائے مبارک (کان) کے لوؤں تک پہنچتے تھے۔ پھر اللہ اکبر فرماتے۔

یعنی، جس طرح علمائے احناف شروع نماز میں اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر اور انگوٹھے کانوں کے لوؤں تک پہنچاتے ہیں۔ یہی طریقہ شروع نماز میں آقائے نامدار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا تھا۔

۲۔ مسند امام ابوحنیفہؒ میں بھی ایسی ہی روایت حضرت وائل

بن حجر رضی سے ہے :-

" اَنَّ النَّبِیَّ صلیّ اللّٰہُ علیہِ وَآلہٖ وسلّم کَانَ یرفعُ یدَیہِ حتّیٰ یُحاذی بِہِما شحمَۃَ اُذُنَیہِ "

یعنی :- حضرت وائل بن حجر رضی صحابی سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں اپنے مقدس دستِ مبارک کانوں کے برابر تک اٹھاتے تھے۔

اور حدیث کی مشہور کتاب صحیح مسلم شریف میں مالک بن الحویرث سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں دست ہائے مبارک کو دونوں کانوں کے برابر اٹھاتے تھے ـــــ مسلم شریف کی اصلی عبارت یہ ہے :-

" عن مالک بن الحویرث اَنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کان اذا کبّر رفع یدیہ حتّیٰ یُحاذی بِہِما اُذُنیہِ . "

اسی قسم کی بہت سی صحیح احادیث سے یہ مسئلہ ثابت ہے جس پر الحمد للہ ہم احناف عمل کرتے ہیں۔

دوسرا سوال !

ہو سکتا ہے کہ آپ فرمائیں گے، کہ نماز میں آپ ناف کے نیچے کس حدیث صحیح کی رو سے ہاتھ باندھتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے۔

علم حدیث کی مشہور کتاب مصنف ابوبکر رح ابن ابی شیبہ ہے۔ اس میں حدیث مبارک اس طرح آیا ہے :-

" حدثنا وکیع عن موسیٰ بن عمر عن علقمۃ

بن وائل بن حجر عن ابیہ قال رأیت النبی صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم وضع یمینہ علی شمالہ
فی الصلوٰۃ تحت السرۃ۔"

یعنی! حضرت وائل بن حجر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے دائیں دست مبارک کو بائیں دست مبارک پر ناف کے نیچے نماز میں رکھتے تھے۔"

یہ حدیث مرفوع ہے اس میں ضعف اور کمزوری کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

۳۔ الجوھر النقی" میں دوسری حدیث مبارک اس طرح وارد ہے

"حدثنا یزید بن ھارون قال اخبرنا الحجاج
بن حسان قال سمعت ابا مجلز او سألتہ قلت
کیف یضع قال یضع باطن کف یمینہ علی
ظاھر کف شمالہ و یجعلھما اسفل من
السرۃ۔" (الجوہر النقی)

ترجمہ:- حجاج بن حسان روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو مجلز راوی سے سنا ؛ یا اس سے سوال کیا ، کہ نمازی ، نماز میں اپنے ہاتھوں کو کیوں کر رکھے ۔ ابو مجلز رح نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھے۔"

ترمذی شریف کے شارح ابوالمحاسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "فوز الکرام" میں فرمایا۔

"وھذا سند جید" یعنی: اس حدیث کی سند درست اور صحیح ہے

امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں فرمایا :-

"عن حماد عن ابراہیم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یعتمد باحدی یدیہ علی الاخری فی الصلوٰۃ متواضعًا للہ تعالیٰ قال محمد یضع بطن کفہ الایمن علی رسغ الیسری تحت السرۃ فیکون الرسغ فی وسط الکف"

ترجمہ :- امام ابو حنیفہؒ حضرت حمادؒ سے اور حماد حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں اپنے ایک دست مبارک کو دوسرے دست مبارک پر رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و نرمی کرنے کی غرض سے امام محمد فرماتے ہیں یعنی آپ دائیں دست مبارک کی ہتھیلی کو بائیں دست مبارک کے پونچے پر ناف کے نیچے رکھا کرتے تھے۔

اسی طرح جوہر النقی کے صفحہ ۱۲۲ پر مرقوم ہے کہ ابن حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں :-

"روینا عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضع الکف علی الکف فی الصلوٰۃ تحت السرۃ۔"

ترجمہ : ابن حزم ظاہریؒ نے فرمایا کہ ہم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ پر رکھنا نماز میں ناف کے نیچے سنت ہے۔

جوہر النقی ہی میں لکھا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں :-

" ثلث من اخلاق النبوۃ تعجیل الافطار

وتاخیر السحور ووضع الیمنی علی الیسریٰ فی

الصلوٰۃ تحت السُّرَّۃ۔"

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ نبوت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اخلاق میں سے تین چیزیں ہیں:-

۱- افطار میں جلدی کرنا۔

۲- سحری میں تاخیر کرنا۔

۳- نماز میں ناف کے نیچے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا۔

علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں:-

" روی ابن حزم من حدیث انس رض من اخلاق

النبوۃ وضع الیمین علی الشمال تحت السُّرَّۃ۔"

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ اخلاق نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ـــ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے:-

کما لا یخفی علی من یعلم اصولھم۔"

اور واضح رہے کہ بخاری، مسلم اور صحاح ستہ کی کسی کتاب میں سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث نہیں، اور جو اس کا دعویٰ کرتا ہے، وہ معاذ اللہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان باندھتا ہے۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کی احتیاط ملاحظہ ہو:- کہ آپ نے زیر بحث مسئلہ کا باب اس طرح باندھا:-

" باب وضع الیمنی علی الیسریٰ فی الصلوٰۃ "

"باب نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنے کے بیان میں..."
پھر سہل بن سعدؓ سے روایت کرتے ہیں :۔ کہ

" كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِى الصَّلٰوةِ وَقَالَ اَبُو حَازِمٍ لَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا يَنْمِىْ ذٰلِكَ اِلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔"

ترجمہ :

کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا کریں ــــ راوی حدیث ابو حازمؒ فرماتے ہیں :۔ "کہ میں یہی جانتا ہوں کہ سہل بن سعدؓ اس حدیث کی نسبت کرتے تھے ؛ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح کرتے تھے اگر سینہ پر ہاتھ باندھنا معمول ہوتا تو کیا حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسے نہ ذکر کئے نہ لاتے۔

لیجئے ! اب صحاح ستہ کی دوسری کتاب جامع ترمذی ملاحظہ فرمائیے :۔
امام محمد بن عیسیٰ رحمۃ اللہ الترمذی اس سلسلہ میں باب کا عنوان ان لفظوں میں قائم کرتے ہیں۔

" بَابُ مَا جَاءَ فِى وَضْعِ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ فِى الصَّلٰوةِ "

حاصل ترجمہ ؛

" باب اس حدیث کے بیان میں ، جس میں حکم ہے کہ آدمی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ دے "
پھر حدیث بحذف السند اس طرح نقل کرتے ہیں :۔

" عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ، عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا فَيَاْخُذُ شِمَالَهٗ بِيَمِيْنِهٖ۔"

ترجمہ...

حضرت قبیصہ بن ہلب رح اپنے والدِ بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہماری امامت فرماتے تھے تو اپنا دایاں دستِ مقدس اپنے بائیں دستِ مقدس پر رکھتے تھے۔"

فرمائیے حضرت! اس میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر کہاں ہے۔ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بعض اہلِ علم ناف کے اوپر اور بعض ناف کے نیچے نماز میں ہاتھ رکھتے ہیں سینہ کسی کر نماز میں ہاتھ رکھنے کا کہیں ذکر نہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس میں وسعت ہے ہاتھ ناف کے نیچے یا اس کے اوپر رکھنے دونوں جائز ہیں، مگر سینہ پر ہاتھ رکھنے کو سنّت قرار دینا سینہ زوری ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ بحمد اللہ امام ابوحنیفہ رح کو علمِ حدیث پر سب سے زیادہ عبور حاصل ہے۔

اسی طرح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ مشہور محدث شافعی حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح میں فرماتے ہیں:

"ویجعلھما تحتَ صدرہٖ فوقَ سُرّتہٖ ھٰذا مذھبنا المشھورُ وبہٖ قالَ الجمھورُ۔"

ترجمہ: ان دونوں ہاتھوں کو اپنے ناف کے اوپر سینہ کے نیچے یعنی پیٹ پر رکھے یہی ہمارا مشہور مذہب ہے اور اس کے قائل تمام شافعیہ ہیں۔ اور محقق ابن ہمام رح فرماتے ہیں:

"لَمْ یثبت فیہِ حدیث یُوجِبُ العَمل۔"

یعنی: سینہ پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ہی ثابت نہیں ہے کہ عمل واجب ہو۔

نماز کے شروع میں بسم اللّٰہ پکار کر نہ پڑھنے کے بیان میں

"عن انس رضؓ قال صلیت خلف النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم وابی بکر رضؓ وعمر رضؓ وعثمان رضؓ فکانوا یفتتحون بالحمد للّٰہ رب العلمین لا یذکرون بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فی اول قراءۃ ولا فی اٰخرھا۔" (صحیح مسلم ج ۱، ص ۱۷۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:- کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب حضرات اَلحمدُ للّٰہ سے شروع کرتے تھے اور بسم اللہ نہ پڑھتے تھے، نہ قرأۃ کے اول نہ آخر میں۔

اس حدیث کی روایت حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ نہ شروع نماز میں اَلحمدُ سے پہلے بسم اللہ جہراً اور پکار کر پڑھی جاتی تھی اور نہ ختم سورہ کے شروع میں ـــــ اور صحیح مسلم کا جو درجہ ہے وہ محدثین کرام رحمہم اللہ پر پوشیدہ نہیں ہے ـــــ بعینہٖ اسی طرح اس حدیث کی روایت حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:-

"اَربَعٌ یُخفِیھِنَّ الامام اَلتَّعَوُّذُ والثناءُ

وَالْمُتَعَمِّيْذُ وَالتَّامِيْنُ ۔"

ترجمہ :۔
چار چیزیں امام آہستہ کہئے :۔
۱۔ اعوذ باللہ ،
۲۔ سُبحَانَکَ اللّٰھُمَّ ،
۳۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ،
۴۔ اٰمِیْن ،

اسی طرح حدیث کی مشہور کتاب "ابوداؤد" میں ہے :۔
" عن انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہُ انَّ النبیَّ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم وابا بکر رضؓ وعمر رضؓ وعثمان رضؓ کانوا یفتتحون القراءۃ بالحمدُ للّٰہ ربِّ العالمین " ترجمہ :۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہُ فرماتے ہیں :۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ، حضرت ابوبکر صدیق ، حضرت عمر فاروق ، حضرت عثمان بن عفان رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین قرأت کو الحمد للّٰہ ربّ العالمین سے شروع کرتے تھے ۔

پس معلوم ہوا برادران احناف ہو بہو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عمل کے مطابق نماز پڑھتے ہیں۔ لہٰذا احناف کو مخالفِ حدیث قرار دینا دیانت کے بالکل برخلاف ہے ۔

اسی طرح جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مُغفّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے :۔

" قَالَ سَمِعَنِیْ اَبِیْ وَاَنَا فِی الصَّلوٰۃِ اَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فَقَالَ اَبِیْ اَیْ بُنَیَّ مُحْدَثٌ اِیَّاکَ وَالْحَدَثَ قَالَ وَلَمْ اَرَ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کَانَ اَبْغَضَ اِلَیْہِ
الْحَدَثُ فِی الْاِسْلَامِ یَعْنِیْ مِنْہُ وَقَالَ صَلَّیْتُ
مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَمَعَ اَبِیْ بَکْرٍ
وَعُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ فَلَمْ اَرَ اَحَدًا مِّنْھُمْ یَقُوْلُھَا
فَلَا تَقُلْھَا اِذَا اَنْتَ صَلَّیْتَ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔"

(ترمذی شریف)

ترجمہ:-

حضرت عبداللہ بن مُغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے نماز میں " بسم اللہ الرحمٰن الرحیم " پکار کر پڑھتے ہوئے سُنا، تو فرمایا:- جانِ پدر! اس طرح بسم اللہ نماز میں اونچی آواز میں پڑھنا بدعت ہے اور ارتکابِ بدعت سے دور رہا کرو اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابیوں رضی میں بدعت سے بڑھ کر کوئی چیز مبغوض اور ناپسند نہیں دیکھی اور فرمایا:- میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم - حضرت ابو بکر صدیق، حضرت فاروقِ اعظم اور حضرت عثمان بن عفان رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ نماز پڑھی۔ تو ان حضرات میں سے کوئی صاحب بسم اللہ جہراً اور پکار کر نہیں پڑھتا تھا اور جب تم نماز پڑھا کرو گے تو الحمد للہ سے جہراً (جہری نمازوں میں) شروع کیا کرو۔

امام ترمذی رح فرماتے ہیں اکثر صحابہ رضی و تابعین رح کا یہی مسلک ہے کہ بسم اللہ پکار کر نہ پڑھی جائے۔

امام احمد بن حنبل رح، عبداللہ بن مبارک رح، امام سفیان ثوری رح جیسے حضرات بسم اللہ جہراً اور پکار نہیں پڑھتے تھے۔ ہمچو قسم کے بے شمار احادیث ہیں، جن کے مطابق احناف بسم اللہ جہراً نہیں پڑھتے ہیں۔

نماز میں "آمین" پست آواز میں پڑھنے کے بیان میں

احناف، نماز میں جہراً اور اونچی آواز سے "آمین" کیوں نہیں کہتے ہیں اور کیا ان کا یہ طریقہ مخالف قرآن و حدیث تو نہیں ہے ؟

الجواب :-

احناف کا چیخ کر "آمین" نہ کہنا قرآن و حدیث کے عین موافق ہے اور اسی میں زیادہ ثواب ہے ــــ کیوں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد سے نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ "آمین" دعا ہے۔ لہٰذا ہمیں دعا کے بارے میں پہلے قرآنِ کریم کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :-

"اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً"

کہ "اللہ تعالیٰ سے عاجزی اور پست آواز سے دعا کیا کرو۔"
پس اس آیت مبارکہ میں دو حکم ہیں :- ایک عاجزی سے دعا کہنا۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ دعا آہستہ اور پست آواز اور چیخ کر نہ کہو ــــ بفضلِ اللہ احناف ان دونوں حکموں پر عمل کرتے ہیں لہٰذا زیادہ ثواب کے بھی یہی امیدوار ہیں۔ اور جو شخص ان دو حکموں کے خلاف کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عتاب و سزا کا مستحق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا حکم فرمانے کے بعد ارشاد کیا۔

"اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ"

"وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"
لہٰذا احناف نے کیا قصور کیا اگر ان غریبوں نے قرآن اور امام

بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق عمل کیا۔ اور گنہگار تو وہ ہیں جو "آمین" کہنے میں حدِ اعتدال تجاوز کرکے قرآن و حدیث سے بے پرواہ ہوتے ہیں۔ اور جن حدیثوں میں آمین جہراً کہنے کے متعلق ارشادات آئے ہیں، اس جہر سے وہ جہراً مراد ہے جو غیر مفرط ہو یعنی حدِ اعتدال سے تجاوز نہ ہو۔

چنانچہ تفسیر کبیر جلد چہارم، ص ۲۴۷ میں لکھا ہے :-
کہ امام ابو حنیفہؒ نے "اخفائے آمین" میں دو وجہیں بیان کی ہیں، ایک یہ کہ آمین دعا ہے اور دوسری یہ کہ آمین اسمائے الٰہی سے ہے — پس اگر دعا ہے تو اخفاء (آہستہ کہنا) واجب ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :- "اپنے پروردگار کو دل میں یاد کرو۔ پس اگر وجوب ثابت نہ ہوگا، تو کم از کم مستحب ضرور ثابت ہوگا — مزید بحث تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرمائیے، اور :-

"وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا

وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا۔"

کی تفسیر پر غور کیجئے، اور پھر اتنا زور سے آمین کہنا کہ اس کے میم پر تشدید پڑھی جاتی ہے قرآنی حروف پر زیادتی ہو جاتی ہے جو کسی مسلمان کے نزدیک درست نہیں۔

تفسیر ابو السعود میں :-

"اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔" کی تفسیر میں فرماتے ہیں :- "فَاِنَّ الْاِخْفَاءَ دَلِيْلُ الْاِخْلَاصِ۔"

"دعا پست آواز اور خشوع سے کرنا اخلاص کی دلیل ہے :-
اور تفسیر فتح البیان میں ہے :-
"وَالْمُهْتَدُوْنَ الْاِسْرَارُ بِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ اَقْطَعُ

لِعروقِ البکاء" یعنی خُفیۃً کے معنیٰ ہیں دعا پست آواز اور آہستہ کہنے کے ہیں، کیونکہ دعا آہستہ کہنا ریا کو دل کو اچھی طرح کاٹتا ہے ۔۔۔ اور تفسیر "معالم التنزیل" پارہ ہشتم کے آخری ربع میں لکھتا ہے :-

"وَخُفْیَۃً ای سِرًّا" یعنی آیت میں خفیۃً کے معنیٰ ہیں، آہستہ اور پست آواز میں کہنا۔ اور لکھتے ہیں:

"قَالَ الحَسَنُ بَیْنَ دعوۃِ السِّرِّ و دعوۃِ العلانیۃ سبعون ضعفًا" ۔۔۔ پوشیدہ دعا اور زور سے دعا کہنے میں ستر درجے ہیں۔ اور فرمایا :-

"وَلَقَدْ کَانَ المُسلمُوْنَ یجتھدُوْن فِی الدُّعاءِ وَمَا یُسمَعُ لھم صَوْتٌ اِنْ کَانَ اِلَّا ھمسًا بَیْنَھُم وبینَ رَبِّھِم وذٰلِکَ اَنَّ اللہَ سبحانہٗ یقولُ اُدعوا ربَّکم تضرُّعًا وَخُفیَۃً" وَ اَنَّ اللہ عَبْدًا صالحًا و رضی فعلَہٗ فقالَ اذ نادٰی رَبَّہٗ نِدَاءً خَفِیًّا ۔"

ترجمہ :- مسلمان دعا کرنے میں بہت کوشاں تھے، مگر بوقت دعا آواز نہیں سنی جاتی تھی ۔۔۔ اُن کی آواز نہایت آہستہ اُن کے اور اُن کے پروردگار کے درمیان ہوتی تھی، کیونکہ پروردگار نے اپنے نیک بندہ زکریا علیہ السلام کا ذکر کیا اور ان کے اس طریقہ کو پسند فرمایا کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پکارا اور اسی طرح تفسیر کشاف میں بھی ہے ۔

اس بیان میں ..... کہ
احناف نماز میں "آمین جہوا" اور اونچی آواز سے کیوں
نہیں کہتے۔
تحقیق مذکورکے علاوہ درج ذیل احادیث نبوی صلی اللہ
علیہ والہ وسلم سے احناف کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔
۱۔ مسند امام احمد رح میں حدیث یوں مذکور ہے :-

" عن وائل بن حجر رض انّہ صلّی مع النبّی
صلی اللہ علیہ والہ وسلم فلمّا بلغ غیر المغضوب
علیہم ولا الضالّین قال آمین واخفی
بہا صوتہ۔" یعنی

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی
پس جب آپؐ " ولا الضالّین " پر پہنچے تو آپؐ نے " آمین"
پست آواز سے کہی۔
دنیائے اسلام حضرت امام احمد بن حنبل رح کی حدیث دانی سے
اچھی طرح واقف ہے۔ تو لعن ان لوگوں پر جو احناف کو
اس حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے مخالفین حدیث کہتے ہیں
یا کہیں گے۔
۲۔ دوسری حدیث " مسند ابو داؤد طالیسی " میں اس
طرح ہے :-

" عن وائل بن حجر انّہ صلّی مع النبّی صلّی
اللہ علیہ والہ وسلم فلمّا بلغ غیر المغضوب
علیہم ولا الضالّین قال آمین واخفی بہا صوتہ۔"

(اس حدیث کا ترجمہ اوپر آچکا ہے)

۳۔ مُحلّٰی شرح مؤطا باب "مَاجاءَ فی التامین" میں ہے :۔

" کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پر پہنچے تو آپ نے آمین آہستہ کہی ۔"

متنِ حدیث اصلی کتاب میں ملاحظہ ہو ۔

۴ ۔ " عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ انّ النبیّ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم قرأ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقال آمین وخفض بہا صوتہ ۔ "

ترجمہ :۔

یہ کہ ، حضرت علقمہ بن وائل " اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نماز میں " غیر المغضوب علیہم ولا الضالین " پر پہنچے تو آمین ، پست آواز سے فرمائی ۔

۵ ۔ اسی طرح " تہذیب الآثار " کی یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمایئے :۔

" حدّثنا ابوبکر بن عیّاش ، عن أبی سعید عن أبی وائل قال لم یکن عمرؓ و علیؓ رضی اللہ تعالٰی عنہما یجہران ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولا بآمین ۔ "

یعنی :۔

ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور آمین جہراً اور اُونچی سے نہیں کہتے تھے ۔

اے خدا کے بندو! اس حدیث شریف کو پڑھ کر کیا آپ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی مخالفین حدیث قرار دیں گے۔ " یا للعجب ولضیعۃ العلم والادب "۔

۶۔ "مرقات" باب القرأۃ فی الصلوٰۃ میں سنن دارقطنی سے یہ حدیث نقل کی ہے:-

" عن سلمۃ بن کھیل، عن حجر، ابی العنبس، عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ انہ صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلما بلغ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال آمین واخفی بھا صوتہ "

ترجمہ: بحذف السند یہ ہے کہ "علقمہ" اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی، پس جب آپ " غیر المغضوب علیھم ولا الضالین " پر پہنچے تو آمین کہی اور پست آواز سے کہی۔"

پس حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن اور انہی احادیث، اور حضرت عمر فاروق و حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی متابعت و پیروی کرکے "آمین" پست آواز سے کہنے کا حکم دیتے ہیں۔

ایسے جلیل القدر امام کو مخالف حدیث یا علم حدیث سے بے خبر کہا جائے کتنا بڑا گناہ اور جرم عظیم ہے۔

۷۔ اسی طرح حدیث کی مشہور کتاب "طحاوی شریف" ہے۔ اس میں اس طرح ثابت ہے:-

" عن ابی وائل قال کان عمر و علی لا یجھران بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بآمین "۔

ترجمہ: ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں " اعوذ باللہ ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور آمین " جہراً یعنی اونچی آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

۸ - آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعض احادیث میں جہراً بھی آمین ثابت ہے۔ مگر وہ مقتدیوں کی تعلیم اور ان کو آگاہ کرنے کے لئے تھا ، ورنہ آپ ص کا معمول اور عادتِ گرامی یہ تھی کہ آپ ص آمین پست آواز سے فرماتے تھے ـــــ جیسے حافظ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ ، "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد " کی جلد اول میں فرماتے ہیں :-

" فاذا جہر بہ الامام احیانا لیعلم المامومین فلا باس بذالک فقد جہر بالافتتاح لیعلم المامومین وجہر ابن عباس بقراءۃ الفاتحۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ لیعلمہم انہا سنۃ ومن ہذا ایضاً جہر الامام بالتامین وہذا من الاختلاف المباح الذی لا یعنف فیہ من فعلہ ولا من ترکہ وہذا کرفع الیدین فی الصلوٰۃ وترکہ ۔" انتہی

(ابن قیم رحمۃ کی اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے ..... :-)

کہ اگر کبھی کبھی امام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس غرض سے جہراً پڑھے کہ مقتدیوں کو معلوم ہو جائے کہ ثناء کے بعد کیا پڑھنا چاہیئے ، تو نماز فاسد نہیں ہوگی ۔

چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسم اللہ

اونچی آواز سے، لبعض دفعہ مقتدیوں کی تعلیم کے لئے پڑھی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ میں بعض اوقات سورۂ فاتحہ پڑھی، محض مقتدیوں کو یہ سمجھانے کے لئے کہ دعا کی نیت سے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنّت میں داخل ہے ــــ" تو یہ چیزیں بابت تعلیم امّت کبھی جائز ہیں، ورنہ عام طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی عادتِ مبارک وہی تھی جس پر احناف عمل کرتے ہیں۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔ اسی قبیل سے "آمین" بابت تعلیم پکار کر پڑھنا ثابت ہے ورنہ عام عادت مبارک یہی تھی کہ آمین پست آواز سے فرماتے تھے ــــ اور فرماتے ہیں یہ ایسا جائز اختلاف ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے پر عامل یا تارک کو ملامت نہیں کی جا سکتی ہے ــــ اور فرماتے ہیں :۔ یہی مثال ہے رفع الیدین کی، کہ کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہے۔

حضرات یہ ہیں ابن قیم رح بڑے امام، محدث، فقیہ یہ حنفی نہیں ہیں، مگر کتنی صفائی سے بات کہتے ہیں کہ اسلام کو "آمین بالجہر" اور "رفع الیدین" میں محدود کرنا درست نہیں، دونوں سنّت ہیں۔

پس بحمد اللہ عبادات خاص کر نماز میں احناف مکمل طور پر قرآن و سنّت کے پابند ہیں اور جو ان پر مخالفِ حدیث ہونے کا الزام لگاتے ہیں وہ خود نہ قرآن جانتے ہیں اور نہ ان کا عمل احادیث مبارکہ سے ثابت ہے، اور نہ ہی ان میں حدیث یا فقہ سمجھنے کی صلاحیّت ہے، بلکہ ایسے حضرات ہوئی و ہوس کے بندے ہیں۔

اسی طرح وہ حنفی بھی غلطی پر ہیں جو سنّت سنیہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے قدر شناس نہیں ہیں ــــ لہٰذا مخالفین احناف کو چاہیئے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں پر

مخالف حدیث ہونے کا الزام خوامخواہ چسپاں نہ کیا کریں۔

"خلاصہ مافی الباب یہ ہے۔"

قرآن کریم، سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے معمول کی رو سے آمین پست آواز سے کہنا اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے، گو بعض اوقات بابت تعلیم اونچی آواز سے کہنا بھی ثابت ہے مگر مروجہ "آمین بالجہر" جس شدت اور زیادتی سے کہا جاتا ہے اس کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہے، مگر پھر بھی اس پر نکتہ چینی نہیں کرنی چاہیے۔

خود بعض اہل علم اور محتاط غیر مقلدین علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ اگر آمین کا دعا ہونا تسلیم کیا جائے تو اس حکم سے اسی قدر مستفاد ہوتا ہے کہ آمین کو زور سے چلا کر نہ کہیں بلکہ میانہ آواز سے جو کہ نہ بہت بلند ہو اور نہ بہت پست۔ (بحوالہ فتح المبین)

شعر!

مقلد ہو تو ایسا ہو، موحد ہو تو ایسا ہو
ہے تقلید فرض العین، جس کے پاس پیسا ہو

خدا تعالیٰ کی رحمتیں منصف مزاج علماء پر نازل ہوں۔ اسی طرح حدیث کی مشہور کتاب "ابو داؤد طیالسی" ہے اس میں اس طرح ہے:۔

"روی ابو داؤد وغیرہ، انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال آمین وخفض بہا صوتہ"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پست آواز سے آمین کہی۔

...... سب سے بہتر کہ آپ صحیح بخاری شریف کی اس

حدیث مبارک پر غور کریں :-

"قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
اِنْ اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ
تَاْمِیْنُہٗ الْمَلَائِکَۃِ غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ"

(بخاری شریف)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :- کہ جب امام "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ" کہے تو تم (مقتدی) "آمِیْن" کہو کہ جس کی آمین ملائکہ کے آمین سے موافق ہو جائے تو اس کے گذشتہ گناہ معاف ہوں گے" ـــــ ملائکہ سے آمین میں موافقت کرنا عام ہے۔ اخلاص میں، خشوع میں، وقت میں، قبولیت میں اور اسی طرح پست آواز سے کہنے میں، کیوں کہ ملائکہ "آمِیْن" پست آواز سے کہتے ہیں۔

لہٰذا اس حدیث کی رو سے احناف کے گناہوں کی بخشش ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ یہاں "قُوْلُوْا" آیا ہے، لہٰذا جہر ثابت ہوا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے "قول" اور "جہر" میں زمین و آسمان کا فرق ہے ورنہ التحیات کے بارے میں بھی آیا ہے کہ "قُوْلُوْا التَّحِیَّات ..... الخ" تو کیا التحیات بھی جہراً پڑھی جاتی ہے۔ ہرگز نہیں۔

باقی رہا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات کا امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ پر جرح قدح کرنا، اور ابوالسکن اور ابوالعنبس کی بحث میں پڑنا ..... اہل تحقیق کے لئے مناسب نہیں، کیونکہ اس سے خوامخواہ سلف صالحین پر ردّ و قدح کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ (ستمبر ۱۹۸۱ء)

رکوع کرتے وقت اور رکوع سے فارغ ہونے وقت رفع الیدین نہ کرنیکے بیان میں

" عَن علقمۃ، عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ اَلَا اُصَلِّی بِکُم صَلٰوۃَ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وَآلِہٖ وسلّم فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا فِی اَوَّلِ مَرَّۃٍ وَفِی البابِ عَنْ عَن البراءِ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ بن عازبٍ قَالَ ابو عیسیٰ ھٰذا حدیث حَسَنٌ۔"

ترجمہ! حضرت علقمہؒ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ایک مشہور و معروف صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے (اپنے شاگردوں) سے فرمایا۔ کہ میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نماز پڑھاؤں؟ پھر نماز پڑھائی۔ صرف اوّل بار یعنی تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اُٹھائے ـــــ اس حدیث کی روایت مشہور محدّث امام محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کی، اور اس حدیث کو حدیثِ حسن قرار دیا اور فرمایا اس باب میں " براء بن عازب رضی اللہ عنہٗ سے بھی روایت ہے۔ اور یہی مسلک بعض اصحابِ نبیؐ کا ہے۔

اسی طرح صحاح ستّہ کی مشہور کتاب ابو داؤد نے اس میں اس طرح حدیث شریف مذکور ہے:۔

"عن البراء انّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کان اذا افتتح الصّلوٰۃ رفع یدیہ الیٰ قریبٍ من اُذنیہ ثمّ لا یعود۔"

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک رفع الیدین کرتے تھے، پھر نماز میں رفع الیدین نہ فرماتے تھے یہ ہے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عمل جس پر احناف مرمٹتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ پھر بھی بدنام کئے جاتے ہیں کہ یہ مخالف حدیث ہیں۔

اسی طرح بیہقی میں، جو حدیث کی مشہور و معروف کتاب ہے اس میں "محمد بن جابر" روایت کرتے ہیں:۔

"عن حمّاد بن ابی سلیمان عن ابراھیم، عن علقمۃ عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال صلّیتُ خلف النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم وابی بکرٍ وعمر فلم یرفعوا ایدیھم الّا عند افتتاح الصّلوٰۃ۔"

ترجمہ:۔ حضرت علقمہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی لیکن ان حضرات نے رفع الیدین نہیں کیا مگر شروع نماز کے وقت۔

محدث بیہقی رح حنفی نہیں تھے مگر انہوں نے بھی اپنا فرض پورا

کر کے مروجہ رفع الیدین نہ کرنے کی وجہ احادیث سے ثابت کی۔
غرض رفع الیدین نہ کرنا رکوع سے پہلے یا اس کے بعد احادیث فعلی یا قولی دونوں سے ثابت ہے۔
اسی طرح مشہور محدّث امام طحاوی رح کی درج ذیل صحیح حدیث ملاحظہ فرمائے۔ وہ یہ ہے:۔

"حدثنا ابو داؤد قال اخبرنا احمد بن عبد اللہ بن یونس قَالَ اخبرنا ابوبکر بن عیّاس بن حُصَین بن مُجاهد قَالَ صَلّیتُ خلفَ ابنِ عُمر فَلَمْ یَکُنْ یَرفَعُ یَدیہِ اِلّافی التَّکبیرۃِ الاُولیٰ مِنَ الصَّلوٰۃ۔"

(ترجمہ:۔

..... بحذف السند حصین بن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال تک حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، مگر آپ رض صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین فرماتے تھے اور بس۔
اور محدّث زیلعی کی روایت میں ہے کہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"خَدَمْتُ ابنَ عُمَرَ عَشَرَ سِنِیْنَ فَمادْ أَیْتُہُ یَرفَعُ یَدَیہِ فی شَیئٍ مِنَ الصَّلوٰۃ اِلّا فی التَّکبِیرَۃِ الاُولیٰ۔"

(ترجمہ:۔

کہ میں نے دس سال تک حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت کی، میں نے ان کو نماز میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا۔ (نومبر ۸۳ء)

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے :-

" اَنَّ العَشرۃَ المُبشَّرۃَ مَا کَانُوا یَرفعُونَ اَیدِیَھُم اِلَّا فی اِفتتاحِ الصّلوٰۃِ "

(ذکرہٗ فی النّھایۃ والکفایۃ)

یعنی : مشہور کتابیں "نہایہ" اور "کفایہ" میں روایت ہے۔ کہ "عشرۂ مبشّرہ" (وہ دس صحابی رضوان اللہ تعالے عنہم اجمعین، جن کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنّتی ہونے کی خوش خبری سُنائی ہے) صرف شروع نماز میں رفع الیدین فرماتے تھے، اور بس۔

اسی طرح "نُورالانوار" میں مشہور تابعی حضرت مُجاھد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ کہ آپ نے فرمایا :-

" صَحِبتُ ابنَ عُمرَ عَشرَ سِنِینَ فلم اَرَہٗ رَفَعَ یَدَیہِ اِلَّا فی تکبیرۃِ الافتتاحِ۔ "

یعنی :- میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ دس سال گزارے، تو میں نے آپ کو صرف شروع نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا۔

صاحبِ "نُورالانوار" حضرت مولانا عبدالحلیم سابق قاضی عدالت العالیہ حیدرآباد دکن فرماتے ہیں :-

" فَتَرکُ العملِ بہٖ دلیلٌ علیٰ انتساخِہٖ "

پس حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رکوع میں اترتے اور رکوع سے چڑھتے ہوتے ہوئے رفع الیدین نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے، کہ رفع الیدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔۔ یعنی پہلے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رکوع کے وقت بھی

رفع الیدین فرماتے تھے، بعد میں اس کو چھوڑ دیا ـــــ لہٰذا رفع الیدین کرنے اور نہ کرنے کی دونوں حدیثیں صحیح ہیں ـــــ مگر اتنی بات ہے کہ لوگوں کے دلوں میں بتوں کی نفرت مضبوط ہونے کی وجہ سے رکوع میں اُترتے اور اس سے اُٹھتے ہوئے اس کی ضرورت نہیں رہی، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا ـــــ بایں ہمہ اس دلیل کے بعد بھی جو لوگ رفع الیدین رکوع و سجود کے وقت بھی کرتے ہیں اُن کو بُرا نہیں ماننا چاہئے کیونکہ پیارے نبیؐ، محبوبِ خدا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ثبوت بھی بہت سی حدیثوں میں مل جاتا ہے۔ ہاں ایسے لوگ فقیہ نہیں، یعنی دینی اسرار اور نکتہ شناس نہیں ہیں، وہ جداگانہ بات ہے البتہ جو رفع الیدین نہ کرنے کی حدیثوں کو کمزور بتاتا ہے یا ان کا انکار کرتا ہے تو ایسے متشدّد دراصل مُنکرِ حدیث یا کم علمی کی فہرست میں داخل ہیں۔ باقی ہمیں چاہئے کہ ہم وسعتِ نظری اور دور رس نظروں سے احادیثِ نبویؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ کیا کریں۔

نیز "النہایہ" میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے :۔

"اِنَّہٗ رَاٰی رَجُلاً یُصَلِّیْ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یرفع عند الرکوع وعند رفع الرّاس منہ فقال لَا تَفْعَلْ اِنَّہٗ شَیْءٌ قَدْ تَرَکَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ بعد ما فَعَلَہٗ :۔" یعنی :۔

کہ آپ نے ایک ایسے شخص کو مسجدِ حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جو رکوع میں اُترتے اور اس سے سر اُٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص

کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، رکوع میں رفع الیدین نہ کیا کرو، کہ یہ پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کیا ہے اور پھر اس کو خود چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ رکوع میں مطلقاً رفع الیدین کرنا منسوخ ہے۔

علم حدیث کی مشہور و معروف کتاب بیہقی میں یہ حدیث ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :-

"لا تُرفَعُ الاَیدِی فی شیئٍ الّا فی سبعِ مواطِنَ فی افتتاحِ الصّلوٰۃِ و فی العیدین وَعندَ استلامِ الحجرِ وَعلی الصَّفا والمروۃِ وَعندَ جمعٍ وَعندَ رَمیِ الجمار۔" (بیہقی بروایت ابن عباس رض)

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: سات جگہوں کے علاوہ کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔

۱۔ تکبیرِ تحریمہ کے وقت، ۲۔ نمازِ عیدین کی تکبیروں میں، ۳۔ حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت، ۴۔ صفا و مروہ پر (کہ شعائر اللہ میں سے ہیں) ۵۔ عرفات میں۔ ۶۔ مزدلفہ ۷۔ منیٰ میں شیطان لعین کو کنکریاں مارتے وقت۔

یہ حدیث مشہور ہے، مختلف الفاظ میں وارد ہے۔ چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک "وقنوت الوتر" بھی آیا ہے یعنی دعاءِ قنوت شروع کرتے وقت بھی ہاتھ اٹھائے جائیں۔ تو ان کے نزدیک جیسے صاحب ہدایہ وغیرہ حدیث مذکور کے الفاظ یہ ہیں :-

(۱) عِندَ افتتاحِ الصّلوٰۃِ (۲) وَقنوتِ الوِترِ (۳) وَتکبیراتِ العیدین (۴) وَعِندَ استلامِ الحجرِ (۵) وَعِندَ الصَّفا... والمروۃِ (۶) عندَ الموقفین (۷) وَعِندَ الجمر۔

تین اور موقفین سے عرفات و مزدلفہ مراد ہے لہٰذا حصر و تعداد قائم ہے اس میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔ چونکہ یہ حدیث قولی ہے اور رفع کی حدیثیں فعلی ہیں۔ لہٰذا محدثین کرام کے قواعد کے مطابق حدیث فعلی اور قولی میں جب تعارض آ جائے تو بالاتفاق حدیث قولی کو ترجیح ہوگی۔ (والمسئلۃ مصرّحۃ فی النخبہ۔)

اور پھر جب مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں کہ رکوع وسجود میں رفع الیدین کا وجود تھا جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آخر میں چھوڑ دیا۔ تو ہماری اور بھی زیادہ تائید و تقویت ہوتی ہے کہ صحابی، پھر وہ ابن زبیر رض جیسے ہزاروں متبعدوں اور محدثوں سے بہتر اور فعلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جاننے والے تھے، لہٰذا مزید بحث کی ضرورت نہیں، تو ثابت ہوا کہ احناف کی مروجہ نماز مطابق فعلِ رسول و قولِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہیں، اور ہزاروں صحابیوں رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، تابعین، فقہاء و محدثین کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین سے اسی طرح ثابت ہے۔

پس جو لوگ احناف کی نماز کو مخالفِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرار دیتے ہیں، انہیں ربّ العالمین سے ڈرنا چاہیئے۔

(جنوری سنہ ۶۸۲)

وتر میں رفع الیدین کرنے کے بیان میں

"چونکہ اس حدیث میں وتر نماز کی آخری رکعت میں رکوع سے پہلے ہاتھوں کے اُٹھانے کا حکم پایا جاتا ہے۔ اس لیے اس موقع پر جو رفع یدین پر اعتراض کیا جاتا ہے، وہ بھی جاتا رہا — بایں ہمہ ہم اس جگہ ضمناً اصلی مسئلہ پر مفصل بحث کرنے سے پہلے نماز وتر کی تعدادِ رکعات اور سلام کے وقت پر حدیث کی روشنی میں کچھ عرض کریں گے — البتہ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتب پر فرض ہے کہ وہ اس ضمنی مسئلہ کو ترتیب دیتے وقت اپنی جگہ درج کریں۔"

چونکہ وتر کی نسبت مختلف احادیث وارد ہوئے ہیں، اور صحابہ کرام رض کا عمل اس میں مختلف ہے۔ پھر بھی تمام مختلف روایتوں کو سامنے رکھ کر ہمارے فقہائے کرام رح نے اتفاق کیا ہے کہ وتر نماز کی تین رکعتیں ہیں اور یہ کہ سلام آخری رکعت میں پھیرا جائے اور دو رکعت پڑھ کر ہرگز سلام نہ پھیرے، جس پر احادیثِ مبارکہ گواہ اور دلالت کرتے ہیں — حاکم نے مستدرک میں روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے۔

حدیث نمبر ۱ :-

"عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انّہا قالت کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یُوْتِرُ بِثَلٰثٍ لا یُسَلِّمُ اِلاّ فِی آخِرِ ھِنَّ۔" (ترجمہ:-

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر نماز کی تین رکعتیں پڑھتے تھے اور

آپ صرف ان کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔ فالحمد للہ رب العالمین کہ ہم احناف بخاری اور مسلم کی شرط کے موافق حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے پھر بھی یار دوست ہمارے اور ہماری نماز کو مخالف حدیث بتلاتے ہیں۔ "انَّ ھٰذا الشیٔ عُجابٌ"۔

حدیث نمبر ۲ :-

صحاح ستہ کی کتابوں میں سے نسائی شریف مشہور ہے اس میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس طرح روایت کرتی ہے :-

"کانَ النبیُّ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلَّم لا یُسلِّمُ فی رکعتی الوتر"۔

یعنی :- کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وتر نماز کی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳ :-

حاکم نے روایت کی کہ :-

" قیل للحسن اِنَّ ابنَ عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یُسلِّمُ فی الرکعتین من الوتر فقال کانَ عُمرُ افقَہَ منہ وکانَ ینھضُ فی الثانیۃِ بالتکبیر"۔

ترجمہ :- حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتر کی دو رکعتوں میں سلام پھیرتے تھے ؟ آپ نے سائل کو جواب دیا کہ " ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اُن کا والد بزرگوار یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دین کے معاملے میں اپنے بیٹے سے زیادہ فقیہ اور سمجھدار تھے وہ وتر کی دوسری رکعت میں تکبیر کہہ کر کھڑے ہو جاتے تھے یعنی سلام نہیں پھیرتے تھے مگر تیسری رکعت کے آخر میں۔

حدیث نمبر ۴ :-
طحاوی، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان اور مستدرک میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے ـــــ پہلی رکعت میں :- سبح اسم ربك الاعلی "... دوسری رکعت میں :- قل یاایھا الکافرون ...." اور تیسری رکعت میں :- قل ھو اللہ احد ...." ـــــ یہ حدیث صاف و صریح لفظوں میں بتاتی ہے کہ وتر کی نماز تین رکعتیں ہیں، اور یہ کہ آپ سلام صرف آخر رکعت میں پھیرتے تھے ۔

علامہ ابن حجرؒ نے بلوغ المرام میں یہی صورت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کرکے لکھا ہے :- "رواہ احمد وابوداؤد والنسائی و زاد ولا یسلم الا فی آخرھن "- کہ آپ سلام نہیں پھیرتے تھے، مگر ان کے آخر میں ـــ

فرمائیے ! ان کتابوں سے بڑھ کر آپ کون سی اور کتاب چاہتے ہیں ـــ افسوس ہے کہ مخالفین حضرات کو حدیث کی کتابوں سے بھی سخت بے خبری ہے، جیسا کہ اس زمانہ کے ہمارے بہت سے مولویوں کو ہے ۔

حدیث نمبر ۵ :-
موطا میں حدیث اس طرح کہا ہے :-

"عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال ما احب انی ترکت الوتر بثلاث و ان لی حمر النعم "

(ترجمہ:-)

یعنی: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں وتر کی تین رکعتیں

چھوڑ دوں اور اس کے عوض میں میرے لئے سرخ اونٹ ہوں
سبحان اللہ! یہ ہے حضرت عمرؓ بن الخطاب اور یہ ہے آپ
عمل ، اور پھر ہماری مخالفت اور تحقیر کیوں؟ اور پھر اپنے
آپ کو مسلمانی اور حدیث دانی کا دعویٰ کرنا کتنی بڑی دیدہ
خیانت و جہالت ہے۔

حدیث نمبر ۶ :-

مؤطا ہی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت ہے :-

" قَالَ عبد اللہ بن مسعود رضؓ الوتر ثلث کثلاث المغرب"

ترجمہ :- مغرب نماز کی طرح وتر بھی تین رکعتیں ہیں۔"
افسوس ہے کہ اب وقت کے علماء آشنا مسلمانوں کو حضرت عمرؓ
الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کرنے میں شرم محسوس
ہوتی ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات
اعمالنا۔"

حدیث نمبر ۷ :-

اور یہ بھی مؤطا میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ ہی سے
روایت ہے :-

" مَا اَجْزَاَت رکعۃ واحدۃ قطّ۔"

یعنی :- ایک رکعت نماز کبھی کفایت نہیں کرے گی۔ اس کو
حدیث میں "بتیراء" ناقص نماز کہتے ہیں۔ شریعت میں ایک
رکعت نماز کتاب و سنت سے ثابت نہیں۔

حدیث نمبر ۸

حدیث کی مشہور کتاب (مصنف ابن ابی شیبہ) میں :-

" حدثنا حفص قال حدثنا عمرو عن الحسن

قَالَ اجتمعَ المُسلمونَ عَلىٰ اَنَّ الوِتْرَ ثلٰثٌ لا يُسلّمُ اِلّا فى آخرهنَّ۔"

(ترجمہ:-

بحذف السند خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دُنیا بھر کے مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وِتر کی تین رکعتیں، اور سلام ان کے آخر میں پھیرے۔

اور حدیث کی مشہور کتاب طحاوی شریف میں ہے:- کہ جلیل القدر "فقہاء سبعہ" یعنی مسلّم سات فقیہوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "وِتر" کی تین رکعتیں ہیں اور یہ کہ ان کے آخر ہی میں سلام پھیرے۔ وہ سات فقہاء یہ ہیں:-

۱- سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ،
۲- عُروۃ بن الزبیر رحمۃ اللہ علیہ،
۳- قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ،
۴- ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ،
۵- خارجہ بن زید رحمۃ اللہ علیہ،
۶- عبیداللہ بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ،
۷- سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ،

حدیث نمبر ۹:-

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے:-

پس احناف کتنے بڑے خوش نصیب اور سعادت مند ہیں کہ وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اجعل التوفیق رفیقنا والصراط المستقیم طریقنا۔"

شعر!

درد بند آں مباش کہ مضمون نہ ماندہ است
صد سال می تواں سخن زلف یار گفت

(مارچ ۱۹۸۲ء)

اپنے اصل بیان کی طرف رجوع۔

مختصر یہ ہے کہ نماز گذار، اکیلا ہو یا جماعت میں شامل، یا امام ہو۔ جب رکوع کی طرف جائے اور رکوع سے کھڑا ہو جائے، تو احادیث مافی الباب سامنے رکھکر اولیٰ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ سکون اور قرار کے ساتھ رکوع کرے، اور اپنے ہاتھوں کو نہ اٹھائے کیونکہ علم حدیث کی مشہور کتاب اور صحاح ستہ میں سے ایک کتاب "ابوداؤد" ہے، اس میں ایک مشہور صحابہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:-

"رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا افتتح الصلاۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود۔"

(ترجمہ:-) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو اپنے مقدس اور برکت والے دست مبارکوں کو اپنے گوش ہائے مبارکوں کے نزدیک تک اٹھاتے تھے، پھر نماز میں اپنے دست مبارک کو نہیں اٹھاتے تھے۔

اسی طرح مشہور صحابی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر وحضر میں ساتھ ساتھ ہوتے تھے اور جو صحابہ کرام رضو میں فقاہت و درایت میں نرالی شان رکھتے تھے ــــ ایک روز آپ رضی نے حاضرین سے فرمایا:-

"الا مرۃ واحدۃ مع تکبیرۃ الافتتاح"

کہ کیا میں تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سی نماز نہ پڑھاؤں یہ فرماکر نماز پڑھائی اور اپنے ہاتھوں کو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھایا اور بس ــــ واضح رہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اتنا اعتماد تھا

کہ آپؐ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ میں احکام دین سکھانے کے لئے بھیجا تھا ـــــ اس حدیث کی روایت "امام ترمذی" "امام نسائی" "امام ابوداؤد" "امام محمد" "امام ابن ماجہ" اور بیسوں محدثین نے کی۔

پس اگر احناف رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وہدایت کے مطابق نماز پڑھتے ہیں تو خواہ مخواہ ان کو عصرِ حاضر میں ان جان لوگ مخالفِ حدیث کہہ کر اپنے نیک اعمال ضائع کرتے ہیں۔

اسی طرح "الکفایہ" "الکافی" "العنایہ" اور "النہایہ" میں یہ حدیث ہے کہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عشرہ مبشرہ نماز میں صرف پہلی بار رفع یدین کرتے تھے پھر ان کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول لکھا ہے :-

"رفع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرفعناہ وترک فترکناہ۔"

ترجمہ :- کہ آپ نے رکوع کے وقت اور دو سجدوں کے درمیان اپنے ہاتھوں کو اٹھایا تو ہم نے بھی اپنے ہاتھ اٹھائے پھر آپ نے رفع یدین ان جگہوں میں چھوڑ دیا، تو ہم نے بھی چھوڑ دیا ـــــ ایسی روایت بعینہٖ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے بھی ہے، جن سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی روایت کرتے ہیں۔

ھدایہ کی شرح نہایہ اور عنایہ میں لکھا ہے:-

انّ عبد اللہ ابن زبیر رأی رجلاً یصلّی فی المسجد الحرام و یرفع یدیہ عند الرکوع

وَعِندَ رفع الراس منه فلما فرغ من الصلوٰة

قَالَ لہ لا تفعل فَاِنَّ هذا شئ فعله رسول

الله صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ثم ترکه"۔

مشہور و معروف فقیہ صحابی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو مسجدِ حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا وہ رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع یدین کرتا تھا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی نے اس کو اپنے پاس بلایا پھر اُس کو نصیحت کی کہ رکوع میں رفع یدین نہ کیا کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلے ایسا کرتے تھے پھر خود اس کو چھوڑ دیا ــــــ" پس جس چیز کو آپؐ نے خود چھوڑا ہمیں اس پر ضداً عمل کرنے کا کیا حق ہے؟ واضح رہے کہ حدیث کی مشہور کتاب "سنن ابو داؤد" میں بھی اس کی طرف اشارہ واضح ہے لہٰذا انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

اچھا! آپ سب حضرات امام محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمتہ اللہ علیہ کے مسلک اور حدیث دانی سے پورے واقف ہیں۔ آپ حنفی نہیں ہیں، جامع ترمذی میں آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو "حدیثِ حسن" فرمایا اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا:۔

"وبہٖ یقول غیر واحد من اهل العلم من اصحاب

النبیؐ والتابعین وهو قول سفیان الثوری واهل الکوفه"

ترجمہ:۔ کہ نماز میں بوقت رکوع رفع یدین نہ کرنا بہت سے اہل علم اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مذہب اور طریقہ تھا اور فرمایا:۔ اسی پر بہت تابعین امام سفیان ثوری رح اور کوفہ کے عوام و خواص کا عمل ہے۔ ••

(اپریل ۸۲ء)

نمازِ وتر کے متعلق تحقیق انیق

(کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتیں بیک سلام پڑھتے تھے۔)

"ابوحنیفۃ عن ابی اسحاق عن عاصم بن ضمرۃ قَالَ سألتُ علیًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَن الوتر اَحَقٌ ھُوَ قَالَ امّا لَحقّ الصَّلٰوۃ فلا وَلکن سُنّۃ رَسُوْل اللّٰہ صَلی اللّٰہ عَلیہ وَآلہٖ وَسلّم فلا یَنبغیْ لِاَحَدٍ اَنْ یترکہٗ"

(ترجمہ:۔)

عاصم بن ضمرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے وِتر کے بارے میں پوچھا، کہ کیا وہ حق (واجب یا فرض) ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نماز کی طرح تو حق (فرض) نہیں لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنت ہے۔ کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس کو چھوڑ دے۔

فایدہ:۔ یہ حدیث وِتر کی اہمیت کو واضح کر دیتی ہے کہ گو وہ فرض کی طرح دلیلِ قطعی سے ثابت نہیں کہ فرض ٹھہر جائے لیکن وجوب سُنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ثابت ہے اور اس کا ترک ہرگز جائز نہیں۔

"ابوحنیفۃ عن حمّادٍ عَن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ قالت کان رَسُوْل اللّٰہ عَلیہ وَآلہٖ وَسلّم یُوتِرُ بثلٰثٍ یقرأُ فی الاُولیٰ سَبِّحِ اسمَ

رَبِّكَ الأعلى وفي الثّانية بقُل يا ايّها الكافرون
وفي الثالثة بقُل هُوَ اللّٰهُ أحَدٌ... "

وفي رواية كانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه
وآله وسلّم يقرأُ في الرّكعة الاولى من الوتر
بِاُمّ الكتاب وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأعلى - وفي الثّانية
بِاُمّ القرآن وَقُل يَا ايّها الكافرون وفي الثّالثة
بِاُمّ الكتاب وقُل هو اللّٰه احدٌ - وفي رواية
أنَّ رسُولَ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وآله وسلّم كان يوتر بثلاث"

ترجمہ :- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر نماز کی تین (۳) رکعت ادا فرمایا کرتے۔ اول رکعت میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الاعلیٰ.... الخ" دوسری رکعت میں "قُل یا ایّہا الکافرون ..... الخ، اور تیسری میں قل ھو اللہ احد..... الخ تلاوت فرماتے تھے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں "الحمد... الخ اور" سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الاعلیٰ..... الخ دوسری رکعت میں "الحمد... الخ اور قل یا ایّہا الکافرون..... الخ اور تیسری رکعت میں "... الحمد... الخ اور قل ھو اللہ احد..... الخ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی تین رکعت پڑھتے۔

فائدہ :- حدیث ذیل سے ثبت تعدادِ رکعات وتر کا مسئلہ قابل وضاحت معلوم ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی ائمہ کرامؒ کے

درمیان مختلف فیہ ہے ــــ امام ابو حنیفہ رضؒ کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں ــــ امام مالکؒ و امام شافعیؒ ایک رکعت مانتے ہیں، ہر دو ائمہ کرام کی اصل اصول اور فیصلہ کن دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جو مختلف طرق سے مروی ہے الفاظ قریب قریب ایک ہیں ــــ مثلاً ایک شخص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شب کی نماز کے بارہ میں سوال کیا، تو آپؐ نے فرمایا :ــ

" مثنیٰ مثنیٰ فاذا خشیت الصبح فصل رکعۃً توتر لک صلوٰتک " کہ دو دو رکعت ہیں جب صبح ہونے کا تجھ کو خوف ہو تو ایک رکعت پڑھ یہ تیری نماز کو وتر کر دیگی ــــ ایک روایت میں فاوتر بواحدۃ کہ ایک رکعت ملا کر دوگانہ کو وتر کرلے ــــ امام صاحب کے مذہب پر ستائیں دلائل ہیں جو سپرد قلم ہیں۔ فرمایا :ــ

۱۔ " یوتر بثلٰث " کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی تین رکعات پڑھا کرتے، ہر رکعت کے لئے علیحدہ قرأت کا اظہار ہوا اور بظاہر تیسری رکعت کا وصل ہی ہے بغیر فاصلہ تحریمہ کے۔

۲۔ دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہے جو حاکم شیخین کی شرط پر لائے ہیں۔

" کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوتر بثلٰث لا یسلم الا فی اٰخرھن۔ " کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی تین رکعات ادا فرمایا کرتے اور آخر میں سلام پھیرتے۔

۳۔ نسائی کی حدیث، کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :ــ

" کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا یسلم فی رکعتی الوتر " کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی دو

رکعت پر سلام نہ پھیرتے۔

۴۔ دار قطنی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:۔

"وِترُ اللَّیلِ ثَلَاثٌ کَوِترِ النَّھارِ صَلٰوۃِ المَغرِبِ"

کہ شب کے وتر تین رکعت ہیں جس طرح دن کے وتر مغرب کی نماز کی تین رکعت ہیں۔ اس میں یہ سقم نکالتے ہیں کہ یہ مرفوع صحیح نہیں ——— ثوری وغیرہ اس کو موقوف لائے ہیں۔ خبر مرفوع صحیح نہ سہی موقوف بھی قابلِ حجّت ہے۔ مگر یہ تو دیکھئے کہ کیسی قوی حجّت ہے جس میں مثال تک دے دی گئی کہ اب تیسری رکعت کو دوسری سے جدا کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ پھر اس کی تقویت یوں ملتی ہے کہ طحاوی ابی خالد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابا العالیہ سے وتر کے بارہ میں پوچھا۔ آپ نے کہا کہ اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم کو وتر مغرب کی نماز کی طرح سکھلائے یہ شب کے وتر ہیں تو وہ دن کے وتر ہیں ——— چوتھے بخاری اپنی صحیح میں قاسم بن محمد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو وتر کی تین رکعت پڑھتے ہوئے پایا ——— پانچویں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل یہی تھا۔ چنانچہ حاکم مستدرک میں حبیب معلّم سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے حسن سے کہا کہ ابن عمر رضؓ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے ہیں۔ حسن بولے کہ عمر رضؓ، ابن عمر رضؓ سے زیادہ افقہ تھے اور وہ دوسری رکعت میں بغیر تکبیر کہتے ہوئے اُٹھ جاتے ——— چھٹے ابن ابی شیبہ حسن سے روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا:۔

"اجتمع المسلمون علٰی انّ الوتر ثلٰث لا یسلم الّا فی اٰخرِ منھا" :۔

"کہ مسلمانوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وتر کی تین رکعات ہیں اور انسان، سلام نہ پھیرے مگر آخر میں۔"

پھر امام محمدؒ مؤطا میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایت میں لاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ "ایک رکعت ہرگز کافی نہیں ہے"

آیئے، اب ہم آپ کو ہر دو ائمۂ کرام کی مذکورہ دلیل کی طرف توجہ مبذول کرائیں! "توتر لك صلوتك" یا "فاوتر لحدة" اگر مذہب شافعیہ و مالکیہ کے لئے حجّت ہے تو مذہب حنفیہ کی بھی یہی دلیل ہے، کیونکہ اس کے معنٰی یہ کیوں نہ لئے جائیں کہ اس دوگانہ نماز کے ساتھ ایک رکعت ملا کر تین رکعت کے وتر کرلے، نہ یہ کہ وتر کو نئی تحریمہ سے علیحدہ ایک رکعت کی شکل میں پڑھ لے۔ یہ ترجمانی حدیث کی نہیں بلکہ اپنے خیال کی ہے، پھر ایسے الفاظ جو درمیانی کا احتمال رکھتے ہوں وہ نزاع کب چکا سکتے ہیں ــــ خصوصاً جب کہ مخالف کے پاس صاف اور کھلے الفاظ میں صحیح احادیث مرفوعہ و موقوفہ موجود ہوں۔

دوسرے یہ حکم " فاذا خشیت الصُّبح " کے پیش نظر صبح کے طلوع ہونے کے خوف کے ساتھ مشروط ہے، گویا یہ حکم بغیر وجود اس شرط کے کالعدم ہے اور غیر نافذ اور مزید برآں اخبار صحیحہ کی رُو سے بتیرا کی صورت جائز نہیں اور ایک رکعت کو دوگانہ سے بذریعہ نئی تحریمہ جُدا کرکے پڑھنا صاف بتیراء کی شکل ہے جو ہرگز جائز نہیں ــــ یہ ہیں طرفین کے استدلالی پہلو اور ان کا اجمالی بیان یا خلاصہ۔۔

(فروری ۶۷ء)

قنوت فی الفجر کے بیان میں

(اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ صبح کی نماز (فجر) میں دعائے قنوت پڑھنا کیسا ہے ۔۔۔؟)

" ابوحنیفة عن حمّاد عن ابراهيم عَنْ علقمةَ عن ابن مسعودٍ انّ النبيَّ صلّى الله عليهِ وَآلهٖ وَسلّم لَمْ يقنُتْ في الفجر قطّ الّا شهرًا ... واحِدًا لَمْ يُرَ قبلَ ذالكَ ولا بعدَهٗ على ناسٍ مِنَ المشركين ۔ " (مُسند امام ابی حنیفہ رضہ)

ترجمہ :۔ سرتاج فقہاء و محدثین حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حمّاد رضہ سے، وہ حضرت ابراہیم رضہ سے، وہ حضرت علقمہ رحہ سے اور وہ مشہور و معروف صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ :۔ " حضرت نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے صبح کی نماز میں دعاءِ قنوت کبھی نہ پڑھی مگر ایک ماہ، نہ اس سے پہلے آپؐ کو صبح کی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھتے ہوئے دیکھا گیا اور نہ اس کے بعد جو دعاءِ قنوت آپؐ نے ایک ماہ صبح کی نماز میں پڑھی، اس کی وجہ بس یہ تھی کہ آپؐ کچھ مشرکوں کے خلاف بددعا فرماتے تھے ۔

مزید تشریح :۔

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ بدعہد مشرکین تھے جو معاہدے ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چیدہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے قاریوں کو دھوکہ

سے لے گئے اور لے جا کر بے دردی و سفاکی سے اُن کو شہید کر لیا اس واقعہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج مبارک پر اس قدر ملال و صدمہ طاری ہوا کہ ایک ماہ تک ان مشرکین کے خلاف بد دُعا فرماتے رہے ــــ یہ حدیث مسئلۂ دعائے قنوت کی طرف اشارہ کرتی ہے، تو معلوم ہونا چاہیئے کہ امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، امام مالک رحمہم تعالیٰ عنہم اجمعین کا اس میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فجر کی نماز میں دُعائے قنوت پڑھنا ہمیشہ مسنون ہے ــــ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک فجر کی نماز میں دُعائے قنوت پڑھنا کچھ نہیں، یہ حضرات مذکورہ حدیث پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فجر نماز میں دعائے قنوت پڑھنا وقتی چیز تھی جو خاص حالات کے تحت مشروع ہوئی تھی، اور صرف ایک ماہ رہ کر ختم ہو گئی ــــ یہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوامی عمل نہیں تھا کہ اُسے سُنّتِ مستمرّہ کی جگہ دیجا جاتا۔

جو روایات حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے لی، وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ختم ہوتی ہیں جو معاملہ کی حقیقت کو روزِ روشن کی طرح ظاہر کر دیتی ہے اور ثابت کرتی ہے کہ فجر کی دُعائے قنوت، قنوت نازلہ کی شکل میں تھی جس پر ایک ماہ عمل رہا اور پھر کبھی نہیں۔

یہی حدیث دوسری کتابوں مثلاً ابن شیبہ، بزاز، طبرانی وغیرہ میں مذکور و مشہور ہے ــــ آپ پہلے حضرت حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کو بے کم و کاست اپنے ذہن میں لائیے، تاکہ آپ کے ذہن میں ان کی حدیث دانی کا وزن اور ہیبت قائم ہو کہ یہ وہ بزرگ ہیں جو دربارِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

خدّاموں میں ممتاز شخصیت کے مالک ہیں کہ آپ کو رفقاء ہر دم رفاقت معیّت و صحبت کا فخر نصیب رہا، صاحب مطہرتین والنعلین ہیں ـــــ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خانگی وبیرونی حالات و معاملات سے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ پورے باخبر رہتے ہیں ـــــ کیا اُن کے بارے میں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ دُعاءِ قنوت لزوم کے ساتھ پڑھی جاتی اور یہ اس سے بے خبر ہوئے ؟

یہ کوئی جاہل سے جاہل بھی نہیں کہہ سکتا ـــــ اسی طرح اس مضمون کی دوسری حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی ہے، جو بیہقی وغیرہ ثبت لائے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے نمازِ فجر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ساتھ پڑھی، انہوں نے دُعاءِ قنوت نہ پڑھی۔ میں نے کہا، آپ نمازِ فجر میں دُعاءِ قنوت نہیں پڑھتے ؟ فرمایا مجھے کسی صحابی سے ایسا عمل یاد نہیں کہ وہ نمازِ فجر میں دُعاءِ قنوت پڑھتا تھا، بیہقی اس پہ خیال آرائی فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کا اس کو بھول جانا اس کی تردید نہیں کرتا ـــــ امام بیہقی رحمہ کیا کہنے کہ یہ ایسی چیز نہیں ہے جو کسی کو یاد رہی ہو اور کسی کو یاد نہ رہی ہو۔

روزوں کی فضیلت کے بیان میں

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اُعْطِیَتْ اُمَّتِیْ خَمْسَ خِصَالٍ فِیْ رَمَضَانَ لَمْ تُعْطَهُنَّ اُمَّةٌ قَبْلَهُمْ :-

(۱) خَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ ،

(۲) وَتَسْتَغْفِرُ لَهُمُ الْحِیْتَانُ حَتّٰی یُفْطِرُوْا ،

(۳) وَیُزَیِّنُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ کُلَّ یَوْمٍ جَنَّتَهٗ ثُمَّ یَقُوْلُ یُوْشِکُ عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ اَنْ یُلْقُوْا عَنْهُمُ الْمُؤْنَةَ وَیَصِیْرُوْا اِلَیْکِ ،

(۴) وَتُصَفَّدُ مَرَدَةُ الشَّیَاطِیْنِ فَلَا یَخْلُصُوْا فِیْهِ اِلٰی مَا کَانُوْا یَخْلُصُوْنَ اِلَیْهِ فِیْ غَیْرِهٖ ،

(۵) وَیُغْفَرُ لَهُمْ فِیْ اٰخِرِ لَیْلَةٍ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ ! اَهِیَ لَیْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰکِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا یُوَفّٰی اِذَا قَضٰی عَمَلَهٗ " - (رواہ احمد والبزاز وغیرهما) -

ترجمہ :- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امتیوں کو رمضان کے روزوں کے سلسلے میں ایسی پانچ چیزیں خدا وند تعالیٰ کیطرف سے عطا ہوئی ہیں جو پہلی

اُمتیوں کے روزہ داروں کو عطا نہیں ہوئیں۔
(وہ پانچ چیزیں یہ ہیں :-)
(۱)۔ روزہ دار کے منہ کی خوشبو جو بھوک کی حالت
میں اُس کے منہ سے آتی ہے وہ حق تعالیٰ کے نزدیک
مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔ اس کا مطلب
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خوشبو کا بھی بدلہ ثواب و
خوشبو سے قیامت کے دن عطا فرمائیں گے۔
مگر افسوس کہ ہم ظاہری عطر و خوشبو کا تو بہت خیال
کرتے ہیں، لیکن اس حقیقی ثواب و خوشبو کا کوئی اہتمام
نہیں کرتے جو بواسطہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ نے ہم کو عنایت فرمائی ہے۔

اے حافظ مسکین چہ کنی مشک ختن را
از گیسوئے احمد بستان عطر بدن را

(۲)۔ دوسری خصوصیت جو اِس اُمت کے روزہ داروں
کو عنایت ہوئی ہے، وہ یہ ہے :-
دریاؤں کی مچھلیاں اُن کے افطار کے وقت تک استغفار
کرتی رہتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ روزہ دار کو روزہ داری
کی برکت سے اتنا قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے کہ دریاؤں
کی مخلوق تک اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے، یہ
اس کی محبوبیت اور سعادت کی دلیل ہے۔
(۳)۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ جنت اُس کے لئے آراستہ اور پیراستہ
کی جاتی ہے۔
قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص کو جہاں جانا ہوتا ہے اُس
کی شان کے مطابق اس کے لئے وہاں اہتمام و انتظام کیا جاتا
ہے چونکہ مومنین کا اصلی مقام جنت النعیم ہے، اس لئے

اس کے احترام میں پہلے ہی سے جنت سجائے جاتے ہیں۔ (دعا ہے)

"اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ الْجَنَّۃَ الْفِرْدَوْسَ وَ نَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ"

(۴) چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ رمضان المبارک میں سرکش شیاطین بند کئے جاتے ہیں، تاکہ روزہ داروں اور نیکوکاروں کو بہکا نہ سکیں گے اور اپنی بدکاری و نافرمانی کی وجہ سے شیطان کو بھی بہکائے اور مشورہ دے تو اس کا [illegible] پیدا نہیں ہوتا کہ وہ کس طرح بہک جاتا ہے۔

(۵) پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ رمضان المبارک کی آخری رات میں تمام روزہ داروں کی مغفرت کی جاتی ہے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا:۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کیا اس سے رمضان المبارک کی آخری رات مراد ہے؟" آپؐ نے فرمایا:۔ "نہیں! یہ انعام تو ختم رمضان المبارک کا ہے۔ قاعدہ ہے کہ مزدور کو اس وقت مزدوری مل جاتی ہے جبکہ وہ اپنا کام پورا کرے، چونکہ آخری رمضان میں روزہ دار کا عمل اور کام پورا ہو جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔

بزرگو، اور عزیزو! ایک طرف رمضان المبارک کے یہ فضائل و خصوصیات اور دوسری طرف ہماری بے باکی و بے حیائی کو رمضان المبارک کے دلوں کا احترام و عزت توڑ کر گلیوں، بازاروں اور ہوٹلوں میں بیٹھ کر بندگانِ خدا کے سامنے کھانا، پینا اور روزوں کا مذاق اڑانا اپنی حماقت و جہالت کا پورا ثبوت دینے کے سوا کیا

ہو سکتا، روزوں کی فضیلت و اہمیت اور اس کے فوائد ہم بار بار لکھتے جاتے ہیں۔ مگر افسوس اب بھی بندوں کی [illegible] رمضان المبارک کی نعمت و سعادت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ سابقہ حکیموں اور موجودہ زمانہ کے محققین کا خیال ہے کہ انسانی جسم کی صحت کے لئے صوم اور روزہ داری کے برابر کوئی دوسری چیز مفید نہیں۔ اسی سلسلہ میں آج پھر صوم رمضان المبارک کے معنی اور فوائد پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

٥ رمضان کا لغوی معنی!

رمضان، رمض سے نکلا ہے جس کے معنی سخت گرمی کے ہیں۔ چنانچہ اہل عرب "رَمِضَتْ یَوْمُنَا" اس وقت بولتے ہیں جبکہ اس میں دوسرے دنوں کے مقابلہ میں زیادہ گرمی ہو۔ اسی طرح رَمَضَ کے معنی شِدَّۃُ وَقْعِ الشَّمْسِ عَلَی الرَّمْلِ وغیرہ، دھوپ کا ریت اور دوسری چیزوں پر سخت کرنے کے ہیں۔ اسی طرح اہل عرب "رَمِضَ الصَّائِمُ" بھی بولتے ہیں کہ روزہ دار کی بھوک اور پیٹ کی گرمی تیز ہو گئی ہے یا یہ کہ رمضان سے روزہ دار پیاس کی گرمی پی جائے، اس لحاظ سے رمضان کی جمع رمضانات رمضانون، ارمضاء وغیرہ آتی ہے۔

اسی طرح اہل عرب صوم کا اطلاق "چپ" اور "خاموش رہنے" پر بھی کرتے ہیں جیسا کہ سورہ مریم کی اس آیت میں یہی معنی مراد ہے:-

"إِنِّی نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُکَلِّمَ الْیَوْمَ إِنْسِیًّا" — بے شک میں نے خدا تعالیٰ کے لئے منت مانی ہے کہ آج کسی آدمی سے بات نہیں کروں گی، بلکہ خاموش رہوں گی اور کبھی صوم کا اطلاق (نفس انسانی) پر

ایسی خواہش رکھنے کا نام ہے جس کی طرف نفس کشش اور رغبت کرتی ہو۔

علمائے اسلام نے صوم کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے :۔

"اَلْاِمْسَاکُ مِنَ الاکل و الشرب بل کلّ ما یدخل الجوف وعن الاتصال الجنسی مِنْ طلوع الفجر الصادق الیٰ غروب الشمس بالنیۃ۔"

ترجمہ :۔ نیت کرکے صبح صادق کی پو پھٹنے سے آفتاب غروب ہونے تک کھانے پینے کسی تدبیر سے پیٹ میں کوئی چیز داخل کرنے اور جنسی ملاپ (ہم بستری) سے پرہیز کرنا اور رُک جانا۔"

اس تعریف سے نئے مسائل کا جواب بھی قدرتی طور سمجھ میں آجائے گا۔ رمضان المبارک کے روزہ کی فرضیت ۲ھ میں ہوئی ہے۔ صوم کو رمضان المبارک کے ساتھ خاص کرنے وجہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی یہ مہینہ نہایت مکرّم اور محترم تھا۔ قریش کے سرکردہ قبائل عبادت اور توجّہ الی الحق کی طرف خصوصی میلان رکھتے تھے، خواہ اس کی حیثیت کچھ بھی ہو۔۔۔ چنانچہ عبد المطلب ابنِ ہاشم کی عادت تھی کہ رمضان شروع ہوتے ہی کوہِ حرا پر آتے تھے، وہاں مسکینوں، محتاجوں کی امداد و اعانت کرتے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نبوّت سے پہلے کوہِ حرا پر اعتکاف کے لئے تشریف لاتے تھے اور محتاجوں اور مسکینوں کے ساتھ ہمدردی فرماتے تھے۔ اغلب یہ ہے جیساکہ واصلِ حلوائی مصری کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی رمضان تھا۔ اور اس پر اور بھی قرائن ہیں، جب ربُّ العزت نے رمضان المبارک کے مہینہ میں ہی روزہ

فرض کر لیجئے تو اس مہینہ کی عظمت اور بھی بڑھ گئی ہے کہ یہ اب افضل الشہور بن گیا ہے یعنے سال بھر کے سب مہینوں سے بلحاظ اجر و ثواب زیادہ بہتر۔

روزہ کی قدامت اور اقوام عالم میں اسکی اہمیت

روزہ سب سے پہلے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ پر کفارہ کے طور پر اس وقت فرض ہوئے جبکہ خدا تعالیٰ نے ان کو ایک خصوصی درخت سے قریب ہونے سے منع فرمایا تھا، مگر وہ دونوں تقاضائے بشریت یا اجتہادی فکر و نظر کی وجہ سے درخت کے نزدیک ہو گئے۔ پھر ان پر کفارہ کے طور پر حق تعالیٰ نے روزے فرض کئے، لہٰذا اس وقت سے برابر ان کی اولاد پر روزہ کا سلسلہ قائم رہا ہے۔

توریت میں بھی جگہ جگہ روزہ کا ذکر آیا ہے:۔

- حضرت مسیح علیہ السلام نے بیابان میں چالیس روزے رکھے۔
- ہندوؤں میں برت رکھنے کا عام دستور ہے۔
- آریہ لوگ بھی خاص وقتوں میں روزے رکھتے ہیں۔

علامہ واصل حلوانی مصری فرماتے ہیں:۔

"وکذلک فی امریکا الشمالیۃ یقدسون الصوم ویعدونہ من انواع الریاضۃ البدنیۃ"

یعنی:۔ شمالی امریکہ کے لوگ صوم کی بہت عزت کرتے اور اسے بدن انسانی کے لئے بہترین ورزش قرار دیتے تھے۔"

موصوف اپنی کتاب الصوم میں لکھتے ہیں:۔

"ان طبیبًا لبنانیًا "کارلو" خاطب قومہ ناصحًا لھم بالامتناع عن الطعام مدۃً کل عام سواءً أکان غنیًا او فقیرًا لان الجراثیم ما دامت تجد الطعام امامھا متوافرًا فی جسم الانسان فانھا تزید و تتکاثر ولکنھا

بِالصَّوْمِ تضعف وتذبل فثمّ مدح دين الاسلام قائلاً انّہ یعتبر احکم الادیان حیث فرض الصّیام وفرض الصّحۃ".

یعنی :- "ڈاکٹر کارلو نے اپنی قوم کو نصیحت کے طور پر کہا تم لوگ ہر سال، خواہ مالدار ہو یا مسکین کچھ مدّت کے لئے کھانا پینا چھوڑا کرو، اس لئے کہ جب تک جراثیم جسم انسانی میں اپنے سامنے کھانے پینے کی چیزیں بہت زیادہ پاتے ہیں تو وہ جراثیم بڑھتے اور زیادہ ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن کھانے کی بندش (صوم) سے وہ دُبلے اور کم ہو جاتے ہیں۔ جس سے انسان سخت تکلیفوں سے محفوظ رہتا ہے ___ پھر موصوف نے دینِ اسلام کی تعریف کی، اور کہا یہ تمام آسمانی دینوں میں زیادہ مضبوط دین ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس نے انسانی جسم کے ظاہر و باطن کی صحت محفوظ رکھنے کے لئے روزہ فرض کیے۔"

ایک طرف آپ ڈاکٹر کارلو کی یہ رائے ملاحظہ فرمایئے اور دوسری طرف ہمارے مسلمان بھائیوں کی حالت ملاحظہ فرمایئے کہ وہ نہایت بے حیائی سے رمضان المبارک میں بازاروں، ہوٹلوں اور چوراہوں میں کھاتے رہتے ہیں۔ یہ روشن خیالی نہیں، یہ ذہنی انحطاط، بے غیرتی اور نہایت انتہائی نادانی ہے۔

بہر حال روزوں کے بے شمار فائدے ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:-

۱- کھانا پینا اور ظاہری لذّتوں کے کچھ دیر چھوڑ دینے سے قوّتِ بہیمیّت کا زور گھٹ کر قوّتِ ملکی حاصل ہوتی ہے۔

۲- تزکیۂ نفس اور روحانی قوٰی کے حصول کے لئے روزہ

اکسیر اعظم ہے۔

۳۔ انسان روزہ رکھ کر دوسرے غریبوں اور مفلوک الحال انسانوں کی سختی اور مصیبت کا صحیح اندازہ لگا کر بنی نوع انسان کے ساتھ عملی ہمدردی کرنے لگتا ہے۔

۴۔ روزہ سے انسان میں بردباری اور نرمی پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ خدا اور اس کے فرشتے کھانے پینے سے پاک ہیں اس لئے انسان روزہ سے ربّانی صفت اور ملکوتی وصف کے ساتھ آراستہ ہو جاتا ہے۔

۶۔ روزہ سے انسان کے سوچنے اور سمجھنے اور عملی قوّت میں عزیمت پیدا ہو جاتی ہے۔

۷۔ جس طرح جسم انسانی کا ظاہری حصّہ بنانے اور صاف رکھنے سے مختلف بیماریوں کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے اسی طرح انسان کا باطن اور اندرونی حصّہ روزہ داری سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور اس کی انتڑیوں میں جو سخت غذائی اجزائے جمے ہوئے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے آدمی کبھی ہولناک بیماریوں سے میں مبتلا ہو جاتا ہے روزہ سے وہ انتڑیاں پاک و صاف ہو جاتی ہیں۔

۸۔ روزہ سے سخت بیماریوں سے نجات ملتی ہے۔
چنانچہ حامد البدری فرماتے ہیں :۔

" من فوائد الصّیام تخفیف الجسم و هبوط وزنه قلیلاً و انّ فی تخفیف الجسم نفعاً کبیراً لسائر النّاس لاحتراق الشحوم و هی الّتی تجرّ الی امراض خطیرۃ فاذا انسجم القلب زادت سمنته وضعف من اداء عمله و کذالک

الکُلٰی والکبد فانّ یجرُّ الیٰ امراض عضالۃً
(الصّوم)

ترجمہ :۔ روزہ کا ایک فایدہ یہ ہے کہ اس سے جسم کچھ دبلا ہو جاتا ہے اور اس کا وزن کچھ کم ہو جاتا ہے جس سے فالتو چربی پگھل جاتی ہے ورنہ اگر دل کے گرد چربی زیادہ ہو جائے تو وہ اپنا واجبی کام کرنے سے عاجز ہو جائے گا ــــ اسی طرح گردوں اور جگر کی فالتو چربی ختم کرنے کے لئے روزہ اکسیر ہے ورنہ ان کے زیادہ چربی دار ہونے سے مہلک امراض پیدا ہونے کا قوی امکان ہے۔

بہرحال روزوں کے ہزاروں فوائد ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے جو احکام ہم پر فرض کئے ہیں ان میں ہمارے ہی فوائد ہیں ۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ حضرت حق کے احکام کی تعمیل و تکمیل ہوتی ہے اور اس کی رضامندی حاصل ہوتی ہے اور اس کے احکام کی تکمیل نہ کرنے سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ اور اُس کی ناراضگی دین و دُنیا کی تباہی کا موجب ہے ۔

اس لئے مسلمان بھائیوں کو چاہئے کہ رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر تزکیہ نفس، صفائے باطنی، روشن ضمیری، ملکوتی قوت، روحانی ترقی، لاہوتی شان، صفات قدسیہ، رّبانی قرب، سعادت ابدی اور دیدار الٰہی حاصل کیا کریں۔ یہی معنی "لعلکم تتقون" کے ہیں ــــ افسوس ہے کہ روزہ کے باوجود اگر زبان کی پاکی، کانوں کی نظافت اور خیالات میں طہارت و شستگی نہ ہو تو یہ بے شمار اجر و ثواب کیونکر حاصل ہو جائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۔
(اکتوبر ۱۹۷۲ء)

روزہ، روزہ دار کیلئے شفاعت فرمائیں گے

"عن عبد اللہ بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال الصیام والقرآن یشفعان للعبد یقول الصیام ای رب انی منعتہ الطعام والشہوات بالنہار فشفعنی فیہ ویقول القرآن منعتہ النوم باللیل فشفعنی فیہ فیشفعان"۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ کہ قیامت کے دن روزہ اور قرآن (علی الترتیب) روزہ دار اور قرآن خوان کے لئے بزبانِ حال یا بزبانِ قال پیش پروردگار شفاعت کی درخواست کرکے یوں کہیں گے:۔ کہ مولیٰ! میں نے روزہ دار کو دن میں کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے روکا تو اس کے عوض میں اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمائیے اور قرآن عرض کرے گا کہ میں نے قرآن خوان کو شبانہ تلاوتِ قرآن کے سبب نیند اور آرام سے روکا تو اس کے بارے میں میری شفاعت و سفارش قبول فرمائیے ـــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

کہ ان دونوں یعنی روزہ اور قرآن کی شفاعت قبول
کی جائے گی۔"

اس حدیث مبارک سے صاف معلوم ہوا کہ ماہِ مبارک
کے روزے اور قرآن کریم وہ مقدس اور معظم چیزیں ہیں
کہ جن کی برکت سے روزہ دار اور قرآن خوان خدا تعالےٰ
کے عذاب سے بچ جائیں گے کیونکہ صوم اور روزہ سے
روزہ دار اپنی خواہشات پر قابو پاتا ہے، مسکینوں،
ناداروں، بھوکوں اور ناتوانوں کی حالت کا اچھی طرح
اندازہ کرتا، اور سماجی حالت درست کرنے کی کوشش
کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ ملکوتی صفات اور قربِ خدا
روزہ دار کو حاصل ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم چونکہ خدا
تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس میں بندگانِ خدا کے لئے
تمام قوانین و ضوابط اور فلاحی احکام ہیں، اس
لئے قرآن پاک کی تلاوت اور سوچ سمجھ کر پڑھنے سے
قرآن خوان کو ہدایت و رہبری نصیب ہوتی ہے اور کچھ
نہ کچھ اپنے نفس کی اصلاح کر کے ربانی احکام کی تکمیل
کرتا ہے۔ اس لئے روزہ اور قرآن کی شفاعت بارگاہِ
الٰہی میں قبول ہوگی اس کے برخلاف جو بدقسمت صوم
و روزہ اور تلاوتِ قرآن پاک سے محروم رہیں گے تو
سمجھنا چاہئے کہ ایسے بدقسمت اشخاص صوم اور تلاوتِ
قرآن کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ کیونکہ اس نے
اپنے نفسِ سرکش کو دنیا میں بے لگام چھوڑ دیا تھا۔ نا شکر
ماہِ رمضان المبارک کا پورا مہینہ انوار و برکات سے
معمور ہے اس لئے اس مہینہ میں روزوں کی فضیلت
بہت زیادہ اور باعثِ نجات ہے۔۔۔ چنانچہ حضورِ اقدس
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:۔
یعنی:۔ کہ مسلمانو! رمضان المبارک کے بابرکت

مہینہ نے تم پر سایہ ڈال دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا روزہ تم پر فرض کیا۔ اس میں آسمانوں یعنے جنتوں کے دروازے کھولے جاتے اور جہنم کے دروازے بند کئے جاتے ہیں اور سرکش شیطانوں کو ہتھکڑیوں سے بند کیا جاتا ہے ـــــ اس برکت والے مہینہ میں اللہ کے لئے ایک ایسی رات ہے جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ جو شخص کہ اس رات کی خیر و برکت سے محروم رکھا گیا وہ ہر قسم کے خیر و برکت سے محروم رہا ـــ" (اس حدیث کی روایت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کی ہے۔)

واضح رہے کہ حدیثِ مبارک کا معنیٰ و مطلب پوری تفصیل کے ساتھ بصیرۃ السلوک شرح ذخیرۃ الملوک میں ہم نے بیان کیا ہے۔ لہٰذا بصیرۃ السلوک کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ رمضان المبارک اور قرآنِ حکیم میں خاص مناسبت ہے کہ درحقیقت رمضان المبارک نزولِ قرآن کریم کی سالگرہ ہے کہ اسی مہینے میں لوحِ محفوظ سے قرآنِ مجید بیت العزت یا آسمانِ اول پر نازل ہوا ہے اور پھر وہاں سے بقدرِ ضرورت و حاجت تیئس (۲۳) سال جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترتا رہا۔ یقیناً یہ قرآن حکیم ایسا نسخۂ کیمیا اثر ہے جو تمام نفسانی، اخلاقی، سماجی اور روحانی بیماریوں کے لئے علاج ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ۔"

کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو خود بھی قرآن سیکھے اور دوسروں کو بھی سکھلائے۔ خود بھی پڑھے، اور دوسروں کو بھی پڑھائے۔"

قرآن ہی وہ مقدس کتاب ہے جس پر عمل کرنے سے انسانوں
کے اخلاق اور ان کا کردار بہتر ہو سکتا ہے۔
ذکر و فکر اور تطہیرِ نفس کے لئے قرآنِ حکیم ہی اکسیرِ
اعظم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
کے نزدیک قرآنِ مجید کی تلاوت ہی زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ
ایک تو قرآنِ مجید کی فضیلت خود زیادہ ہے اور دوسرے
اس لئے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی صفت بلا واسطہ ہے
گویا یہ ایک ایسی مضبوط رسی ہے کہ جس کا ایک کنارہ اللہ
تعالیٰ کے پاس ہے اور اس کا دوسرا کنارہ ہمارے یعنی قرآن
خوانوں سے ملا ہوا ہے۔ پس جو اس قرآنِ مجید میں فنا
ہو گیا اُسے سب سے بڑی نعمت نصیب ہو گی۔ اسی طرح
قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ
علیہ نے کثرتِ نوافل کو اختیار فرمایا کیونکہ نماز مومن کی
معراج ہے۔۔۔۔ لیکن یاد رہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ
فنائے نفس اختیار کرنے کے بعد تلاوت قرآنِ مجید اور
مشغولی نوافل قرار دیتے ہیں اور فنائے نفس سے پہلے آپ
کلمۂ نفی و اثبات یعنی کلمۂ "لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ" پر
اقتصار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ قرآن پاک کی
مشغولی قبل از فنائے نفس مناسب نہیں۔ جیسا کہ اللہ
تعالےٰ فرماتا ہے۔ "لا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ"
قرآن کریم کو پاک لوگ ہی مَس کر سکتے اور چھو سکتے ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نفسانی بیماریوں میں اب تک
پاک و صاف اور صحت مند نہیں ہوئے ہیں ان کو قرآن
کی تلاوت سے زیادہ مناسب ذکر کرنا ہے۔

بحث ذکر و فکر:-

ابن حبان اور امام مالک رحمہما اللہ نے بسند صحیح حضرت جابر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:- کہ "أَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" اور أَفْضَلُ دُعَاءِ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہ:- بہترین ذکر کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کا پڑھنا اور بہترین دُعاء الحمد للہ کہنا ہے ـــــ کیونکہ اس میں منعمِ حقیقی کی نعمتوں اور احسانات کا اقرار و اعتراف ہے۔

اور حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بہترین چار کلمات ہیں:-

۱- "سُبْحَانَ اللّٰهِ" ۲- "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ"

۳- "اَللّٰهُ أَكْبَرُ" ۴- لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ"

واضح رہے کہ یہ کلمات قرآن کے بعد افضل ہیں اور یہ کہ یہ چاروں کلمات قرآن ہی سے ماخوذ بلکہ اس کے جوہر ہیں۔ اور حدیثِ قدسی میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو شخص قرآنِ مجید کی تلاوت میں مشغول رہے اُس کی مشغولی کی وجہ سے اس کو میرے ذکر اور اپنی حاجت مانگنے کے لئے بھی فرصت نہ رہے تو میں اُسے سائلوں سے زیادہ دوں گا۔"

ـــــ اسی قسم کی صحیح احادیث اور آیاتِ الٰہی کی بناء پر حضراتِ صوفیہ اور مشائخ کرام رحمہم اللہ اجمعین نے "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کا ذکر زیادہ پسند فرمایا ـــ یہ ذکر دل سے ہو یا زبان سے اونچی آواز سے ہو یا پست آواز سے طلبِ رضاءِ الٰہی اور نفسانی بیماریوں کے دور کرنے کے لئے بہترین علاج اور تریاقِ اکبر ہے، کیونکہ ذکرِ الٰہی سے خدا تعالیٰ ہر وقت یاد آتا ہے اور جس سے نفسِ سرکش کو لگام دی جاتی ہے اور اُسے بے راہ روی سے بچایا جاتا ہے۔

تو خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رمضان المبارک کی روزہ داری کے ساتھ ساتھ، تلاوتِ قرآنِ حکیم، ذکرِ الٰہی، یادِ آخرت

کے لئے سال بھر کے گناہوں کی مغفرت اور کفارتِ ذنوب کا بہترین وسیلہ اور باعث ہے لہٰذا ہم سب کو چاہیئے کہ بابرکت مہینہ (ماہِ مبارک) میں روزہ کے ساتھ تلاوتِ قرآنِ کریم، ذکرِ الٰہی اور کلماتِ طیّبات کا وِرد عادت سے زیادہ جاری رکھ کر اپنے آپ کو عذابِ الٰہی سے بچانے کی بھرپور کوشش کریں۔

تنبیہ!

یہ مقامِ مسرّت ہے کہ عصرِ حاضر میں بعض نوجوانوں میں قرآنِ مجید پڑھنے اور پڑھانے کی ایک لہر دوڑ رہی ہے خدا کرے کہ ہمارے نوجوانوں میں اور بھی زیادہ کشش اور رغبت قرآن کی طرف ہو جائے مگر نہایت بدقسمتی ہے کہ ان میں بھی کچھ سیاسی دلال گھسے ہوئے ہیں جو ان سے ایسی تقریریں کراتے ہیں جن سے ہمیں اور بھی زیادہ مایوسی ہو جاتی ہے لہٰذا ہم اپنے نوجوانوں سے بادب عرض کریں گے کہ وہ قرآنِ کریم کو سیاسی سودا بازی کا ذریعہ ہرگز نہ بنائیں اور نہ وہ ہمیں صلحائے اُمت کے فرمودات و تعلیمات چھوڑنے پر آمادہ کر کے عصرِ حاضر کے کسی نیم مُلا کی تقلیدِ جامد پہ اُبھاریں ورنہ معاذ اللہ لوگ قرآنِ کریم کی تلاوت سے بھی بھاگنے لگیں گے۔ جس کی ذمہ داری اُن کے لیڈروں پر عاید ہو گی۔

(ستمبر ۷۸ء)

روزہ صفائی قلب کا ذریعہ ہے

"عَنْ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ
عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ
وَآلِہٖ وسلّم بِالصَّوْمِ تصفو قلوبکم۔"

ترجمہ :۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :۔ روزہ رکھنے سے ہی تمہارے دل صاف ہوں گے، اور میل کچیل اور گندگی سے پاک ہوں گے۔

دوسری حدیث میں فرمایا :۔

" الصَّوْمُ نصفُ الصبر وَلِکُلِّ شَیئٍ
زکواۃٌ و زکواۃُ الجسدِ الصَّوْم۔"

یعنی، کہ :۔ روزہ سے صبر وضبط کا نصف مقام حاصل ہوتا ہے اور فرمایا، ہر چیز کے لئے زکواۃ ہے اور جسم کی پاکی، زکواۃ روزہ ہے۔ یعنی روزہ سے اللہ ان گناہوں کو مغفرت فرماتا ہے جو بدن سے سرزد ہوتے ہیں۔

اور حضرت ابواوفیٰ رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

" نَوْمُ الصَّائم عبادۃٌ و سکونہٗ تسبیحٌ وَعَمَلُہٗ متقبّلٌ۔"

یعنی، کہ روزہ دار کی نیند عبادت ہے اور اس کا دنیوی باتوں سے خاموش رہنا تسبیح کے برابر ہے اور اس کا عمل

بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوتا ہے۔
ایک اور حدیثِ مبارک میں بروایت حضرت الوعلی الاصم رضی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"یُوضَعُ لِلصَّائِمِیْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَائِدَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ عَلَیْھَا شُھْدَۃٌ فَیَاکُلُوْنَ مِنْھَا وَالنَّاسُ یَنْظُرُوْنَ ... الخ"۔

یعنی:۔ کہ قیامت کے دن روزہ داروں کے لئے ایک سونے کا دسترخوان بچھایا جائے گا، اس پر شہد کی نعمت ہوگی اور غیر روزہ دار یہ دیکھ کر عرض کریں گے کہ یہ روزہ دار مزے اڑا رہے ہیں۔ اور ہم حساب میں گرفتار ہیں ___ یہ کیا بات ہے؟ ___ تو اللہ تعالیٰ بزبانِ قدرت فرمائے گا:۔

"اِنَّھُمْ طَالَ مَا صَامُوْا وَاَفْطَرْتُمْ وَقَامُوْا وَنِمْتُمْ"۔

یعنی: کہ یہ لوگ دُنیا میں زمانۂ دراز تک روزہ دار رہے ہیں اور تم ہٹے کٹے اور طاقت و توانائی کے باوجود روزہ رکھنے سے جی چراتے تھے بلکہ قصداً اور جان بوجھ کر بے شرم و بے حیا بن کر کھُلے بندوں بازاروں اور ہوٹلوں میں حدودِ اللہ توڑتے تھے اور یہ لوگ دُنیا میں راتوں کو جاگتے، نمازیں پڑھتے اور ذکرِ خدا میں مشغول رہتے تھے اور تم راتوں کو مزے سے سوتے تھے اور خراٹے لیتے تھے ___ لہٰذا آج ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان کی عزّت کریں، اور ان کی شان اور عظمت ظاہر کریں، اور ہم دونوں قسم کے لوگوں کو برابر کا درجہ نہیں دے سکتے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:۔

"اَلصَّائِمُونَ اِذَا خَرَجُوا مِنْ قُبُورِهِمْ تُنْفَحُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ رِيْحُ الْمِسْكِ وَيُوتُونَ بِمَائِدَةٍ مِنَ الْجَنَّةِ فَيَاْكُلُونَ مِنْهَا وَهُمْ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ"

یعنی: کہ جب قیامت کے دن روزہ دار اپنی قبروں سے اُٹھیں گے تو اُن کے منہ اور دہانوں سے خوشبو مہک اُٹھے گی اور جنّت کا دسترخوان اُن کے آگے رکھا جائے گا اسی پر بس نہیں بلکہ آفتاب کی تمازت سے بچانے کے لئے عرش کے سایہ تلے رکھے جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"لَوْاَنَّ رَجُلاً صَامَ لِلّٰہِ تَطَوُّعًا ثُمَّ اُعْطِیَ مِلْأَ الْاَرْضِ ذَهَبًا لَمْ يَسْتَوْفِ ثَوَابَهَا دُوْنَ الْحِسَابِ"

یعنی: جو شخص اللہ کے لئے نفل روزہ رکھے پھر اس کو اس کے عوض روئے زمین کا سارا سونا دیا جائے گا تو وہ حساب کے وقت اس کے اجر و ثواب کے برابر نہیں ہوگا۔

بزرگو! یہ چند مختصر احادیث مبارکہ نقل کرکے آپ کے پیش خدمت اس غرض سے کئے ہیں کہ آپ کے دل و دماغ پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات عالیہ کا کچھ اثر ہو جائے۔ دُنیا کی زندگی بہت مختصر ہے آخر یہاں سے چلنا ہے اور ربّ العالمین کے سامنے کھڑا ہونا ہے بتاؤ وہ لوگ پیش ہو کر کیا جواب دیں گے جو رمضان المبارک کی حرمت و عظمت تباہ کرتے ہیں۔

(ستمبر ۱۹۷۴ء)

نمازِ تراویح کی اصلیّت اور تعدادِ رکعات کے بیان میں

جس طرح رمضان المبارک کے دنوں میں روزہ رکھنا باعثِ نجات اور وسیلۂ سعادت ہے اسی طرح نمازِ تراویح نہایت ثواب، رحمت اور رضاءِ الٰہی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے ___ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بارہ میں ارشاد فرمایا ہے:-

"مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ۔" (ترمذی شریف)

"جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت سے ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں نماز پڑھے تو اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔"

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:-

"جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَّقِيَامَهٗ تَطَوُّعًا۔"

یعنی: خداوند کریم نے رمضان المبارک کے روزے فرض اور اس کی راتوں کی عبادت (تراویح) ثواب کی چیز بنائی ہے۔"

اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے کہ جناب حضرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔
"جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز پڑھے اور اس کا رکوع، سجدہ اور خشوع پورا کرے تو وہ بہترین صورت میں آسمان کی طرف جاتی ہے اور اس شخص کے لئے دعا کرتی ہے، جیسا کہ تم نے میری حفاظت کی ہے اور اچھی طرح سے یاد کیا۔ خدا تعالیٰ تمہاری اسی طرح حفاظت فرمائے اور جو کوئی بے وقت نماز پڑھے وہ بھی اس طرح کہ نہ وضو درست کرے اور نہ نماز کا رکوع، نہ اس کا سجدہ، نہ اس کا حضورِ قلب حاصل ہو تو اس کی نماز کو سیاہ صورت دی جاتی ہے، اور آسمان کی طرف جا کر نماز پڑھنے والے کے لئے یہ دعا دیتی ہے کہ "جس طرح تم نے مجھے ضائع کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ تم کو بھی ضائع کرے۔"
اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔
"کہ، بدترین چور نماز کا چور ہے۔" — ان دونوں احادیث مبارکہ پہ غور و فکر کر کے بتلائیے کیا ہم قیام اللیل (تراویح) کی فضیلت حاصل کرتے ہیں یا نہیں؟ پھر بحث و مباحثہ سے کیا فائدہ؟ — پھر جو حضرت ربّ العزت کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے ایک نفس الامری حقیقت سے واقف ہونا چاہتے ہیں۔ ان کے لیے یہ چند سطریں اختصار کے ساتھ قلمبند کرتا ہوں:۔
"خدا اس شخص کو بھلا کرے جسے حق بات معلوم ہو جائے سو اس پر عمل کرے، اور دین اور اسلام حقیقت میں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری اور فرمانبرداری کا نام ہے — کوئی عالم دین اپنے گھر کا نہیں گھڑتا ہے، اختلاف بے دینی کی دلیل نہیں بلکہ نارسائی کی دلیل ہے — اسلئے سب سے بڑا فرض باہمی اتحاد و مودت ہے۔ سلف صالحین کو بعض مسائل میں اختلاف

بھی ہونا لیکن ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر ہوتے تھے۔ موجودہ وقت میں اتحادِ مقصد کے لئے فروعی اختلاف سے قطع نظر۔ فاقولُ: امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام شافعیؒ اور مالک بن انسؒ و دیگر ائمۂ دینِ متین کے نزدیک تراویح بیس رکعتیں ہیں۔ یہ حضرات مندرجہ ذیل احادیثِ مبارکہ سے دلیل پکڑتے ہیں:-

"عَنْ یزید بن خصیفۃ عن السّائب بن یزید قال یقومون علی عهد عمر بن الخطّاب رضی فی شهر رمضان قال وکانوا یقرأون بالمئین وکانوا یتوکؤن علی عصیهم فی عهد عثمان رض بن عفان مِنْ شدّة القیام۔" (رواہ البیہقی باسناد صحیح)

ترجمہ:-
حضرت یزید بن خصیفہؒ سے روایت ہے کہ سائب بن یزیدؒ کہتے ہیں کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت پڑھتے تھے اور حضرت عثمانِ غنیؓ کے عہد میں اسقدر لمبی قرأت پڑھتے تھے کہ تھکنے کی وجہ سے چھڑیوں پر سہارا لیتے تھے۔" (حدیث کی اسناد صحیح ہے)

"عَنْ یزید بن رومان انّهٗ قال کان النّاسُ یقومون فی زمانِ عمر بن الخطّاب فی رمضان ثلاثًا وعشرین رکعةً" (رواہ مالک و اسنادہ مرسل)

حضرت یزید بن رومانؒ بیان میں فرماتے ہیں کہ عہدِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تیئیس (۲۳) رکعتیں پڑھتے تھے۔ یعنی بیس (۲۰) رکعت تراویح کی اور تین (۳) رکعت وتر کی۔"

اس حدیث کی سند مرسل قوی ہے۔ اور مرسل جمہور کے نزدیک قابل استدلال ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اس حدیث کی تائید حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ جتنی مرسل امام مالکؒ کی ہیں اُن کا اتصال ہم نے دوسری سند سے دریافت کر لیا ہے سوائے چار روایات کے۔ یہ روایت ان چار غیر ثابت و اتصال میں داخل نہیں۔"

"عَنْ عَطَاءٍ قَالَ اَدْرَكْتُ النَّاسَ يُصَلُّوْنَ ثَلٰثَ وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ۔"

(رواہ ابن ابی شیبہ واسنادہ حسن)

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو تراویح کی نماز و وتر سمیت ۲۳ رکعت پڑھتے ہوئے پایا۔ تراویح کی ۲۰ اور وتر کی ۳ رکعات۔" (اس حدیث کی سند حسن ہے)

"عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔"

(رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ اسنادہ مرسل قوی)

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو بیس (۲۰) رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرمایا۔" (اس حدیث کی روایت مشہور محدث ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب میں کی ہے اور اس کی سند مرسل قوی ہے۔)

"عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ كَانَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِالْمَدِيْنَةِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ اَخْرَجَهُ اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ۔"

یعنی: حضرت عبد العزیز بن رفیع سے روایت ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مشہور صحابی و قاری قرآن) مدینہ طیبہ میں نماز تراویح کی بیس اور وتر کی تین رکعتیں پڑھاتے تھے۔ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے مرسل قوی ہے اس کی روایت ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب میں کی ہے ۔

ابو خصیب فرماتے ہیں کہ ہمیں سوید بن غفلہ رمضان میں پانچ تراویح بیس رکعت تک پڑھاتے تھے ۔ اس کی سند حسن ہے۔ اور اس حدیث کو امام بیہقی نے اپنی کتاب میں لائے ہیں ۔

" عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ رض قَالَ كَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ رض يُصَلِّي بِنَا فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً۔
(رواہ ابوبکر بن ابی شیبہ واسنادہ صحیح ۔)

حضرت نافع بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم کو ماہ رمضان المبارک میں تراویح کی بیس رکعتیں پڑھاتے تھے ۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے ۔"

" عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيعَةَ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً ۔
(رواہ ابوبکر بن ابی شیبہ فی مصنفہ واسنادہ صحیح)

حضرت سعید بن عبید فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن ربیعہ لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس (۲۰) رکعت تراویح پڑھاتے تھے ۔ (ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں لایا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے ۔)

اسی طرح صاحب آثار السنن نے ... [illegible] نکال کر ایک ... [illegible] کرنے کے بعد ... [illegible] روایات

ہو سکے بعض میں کسی قدر وہن بھی ہو لیکن یہ سب روایتیں ایک دوسرے کی تائید کر رہی ہیں۔ اس لئے مجموعی طور پر اصول کے لحاظ سے یہ قابل استدلال ہیں۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ قیام ماہ رمضان المبارک کی بحث میں فرماتے ہیں:۔

"وَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْعِلْمِ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ فَرَأَى بَعْضُهُمْ اَنْ يُّصَلِّيَ احدى واربعين رَكْعَةً مع الوتر وَهُوَ قَوْلُ اهل المدينة والعمل على هذا عندهم بالمدينة واكثر اهلِ العِلْمِ على مَا رُوِيَ عَنْ علي رض و عمر وغيرهما من اصحاب النبي صلى الله عَلَيهِ وَآلِهٖ وَسلم عشرين رَكْعَةً وهو قولُ سفيان الثوري وابنُ المبارك والشافعي وَقَال الشافعي هكذا ادركتُ ببلدنا بمكة يصلُّون عشرين ركعةً وَقَالَ احمد في هذا الوانٌ وَلَمْ يقض فيه بشيءٍ —"

(الترمذی)

یعنی: حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ علم کا در بارۂ تراویح اختلاف ہے — بعض

وتر سمیت اکتالیس (۴۱) رکعتیں پڑھتے ہیں ـــــ اہل علم اسی پر عمل کرتے ہیں ـــــ اکثر اہل علم کا مسلک اہل مدینہ وہی ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و دیگر اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، وہ بیس (۲۰) رکعت تراویح پڑھتے تھے ـــــ اور فرماتے ہیں کہ یہی مذہب حضرت سفیان ثوری، حضرت ابن مبارک اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے ـــــ اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے مکہ والوں کو اسی پر پایا (یعنی، وہ بیس (۲۰) رکعتیں پڑھتے تھے)۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ تراویح کے رکعات کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ دے سکے، صرف اتنا کہہ گئے کہ اس میں اختلاف ہے (ترمذی)

اسی طرح احیاء العلوم میں ہے :-

"وَھِیَ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً وَکَیْفِیَّتُھَا مَشْھُوْرَۃٌ وَھِیَ سُنَّۃٌ مُؤَکَّدَۃٌ ..... الخ"

—٥—

اب، جو کوئی اتنی حدیثوں کا انکار کرے اور آٹھ ہی کی رٹ لگائے، وہ اپنے انجام پر غور کرے۔

—٥—

زکوٰۃ کے بیان میں

(ذخیرۃ الملوک) ←—— شرح ——→ (ذخیرۃ الملوک)

زکوٰۃ کی شرطوں، ادلوں اور ان احادیث مبارکہ کے بیان میں جن کا تعلق زکوٰۃ کے معانی، حقائق اور اس کے اسرار و حکمتوں سے ہے۔ (مولانا بخاری)

"وعن ابی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم ما من صاحب ذھب ولا فضۃ لا یؤدّی منھا حقّھا الّا اذا کان یوم القیٰمۃ صُفّحت لہ صفائح من النار فاُحمی علیھا فی نار جھنّم فتکوٰی بھا جنبہ وجبینہ وظھرہ کلّما بردت اُعیدت لہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ حتّٰی یقضٰی بین العباد فیریٰ سبیلہ امّا الی الجنّۃ وامّا الی النار۔"

یعنی :- حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ نے حضور پرنور صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کی، کہ آپ ؐ نے فرمایا جو شخص سونا اور چاندی کا مالک ہو جائے اور اس کا سونا چاندی زکوٰۃ کے شرعی مقدار تک پہنچ جائے پھر اس کی زکوٰۃ نہ دے تو قیامت کے دن اس کے سونے اور چاندی کے تختے بنائے جائیں گے اور پھر وہ تختے دوزخ کی آگ میں تپائے جائیں گے، جب وہ سخت گرم

ہوں گے تو اُن سے اس شخص کا پہلو، پیشانی اور اس کی پیٹھ داغ دیئے جائیں گے

مُصنّف (حضرت امیرِ کبیر میر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: — دوسرے فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مذکور ہے کہ اس "داغ" کا اثر اس کی گدّی سے دوسری طرف نکل آئے گا، اسی طرح وہ داغ پُشت سے سینہ کی طرف، اور ایک پہلو سے دوسرے پہلو کی طرف نمودار ہوگا۔ اور جب تختے سرد ہوں گے تو پھر اُن کو تپا کر شخص مذکور کو داغا جائے گا۔ یہ سلسلۂ عذاب اس کو ایسے دن تک رہے گا جس کی مقدار دُنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی، یہاں تک کہ لوگ حساب سے خلاصی پائیں گے — اور پھر زکوٰۃ نہ دینے والوں کا حساب ہوگا تو وہ الٰہی مشیت میں ہوگی کہ اگر اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم پر آئے گا تو ان کو اپنے فضل وکرم سے عفو و درگذر فرمائے گا اور اگر وہ نہ چاہے تو اپنے عدل و قانونِ مکافات اعمال کے مطابق اُن کو دوزخ میں بھیج دے گا۔

وضاحت :- اسلام میں نماز کے بعد زکوٰۃ کا درجہ ہے۔ زکوٰۃ کا مطلب شریعت میں یہ ہے کہ ساڑھے باؤن (½52) تولہ چاندی، ساڑھے سات (½7) تولہ سونا اور مقدارِ نصاب مالِ تجارت اور مکانوں کے تجارتی کاروبار پر ایک سال گذرنے پر اس سے چالیسواں (½2٪) حصّہ نکال کر مستحق لوگوں میں تقسیم کرنا۔

خدا تعالےٰ کی جانب سے مسلمانوں پر یہ ٹیکس بہت اہم فریضہ ہے اور ارکانِ اسلام میں سے اہم رُکن ہے چنانچہ قرآن عزیز میں اداءِ زکوٰۃ اور فریضۂ زکوٰۃ کے احکام کو بار بار دہرایا گیا ہے کہیں ایمان کے ساتھ اس کا ذکر ہے، کہیں آخرت کے ساتھ اور کہیں مستقل اسی کو قانونی دفعہ بنا یا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو سورۂ اعراف کی آیت مبارکہ :-

"وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ" اور میری رحمت ہر شئے پر حاوی ہے میں اس کو ان لوگوں کے لئے ضرور لکھوں گا جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں"۔ اور فرمایا:۔

"وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ" (سورۃ البقرہ)

"اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو"۔

"وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔" (حٰم السجدہ)

"اور خرابی ہے مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں"۔ اور ملاحظہ ہو:۔

"وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۔" (الروم)

"اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتے ہو تو ایسے لوگ اپنے مال کو آخرت میں دوگنا پانے والے ہیں"۔

مزید وضاحت | اگر چوپایوں کے ریوڑ اکثر سال چراگاہوں میں چرتے رہتے ہوں تو ان چوپایوں پر بھی شریعت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور اسلامی شریعت نے اُن کا نصاب الگ الگ اور جدا مقرر کیا ہے جس کی تفصیل صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ کے اس مکتوب گرامی میں درج ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عامل بحرین حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام تحریر فرمایا ہے۔

اونٹوں کے ریوڑ میں پانچ سے کم پر زکوٰۃ نہیں اور گائے بھینس کے ریوڑ میں تیس سے کم پر اور بھیڑ بکریوں کے گلہ میں چالیس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

زکوٰۃ کی اہمیت

اسلامی حکومت میں زکوٰۃ کو انفرادی طور پر صرف نہیں کیا جا سکتا بلکہ بیت المال میں اس کا داخل کرنا ضروری ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ اس بارے میں ناطق ہے۔

("اسلام کا اقتصادی نظام" از مولانا محمد حفظ الرحمٰن)

زکوٰۃ کا لغوی اور اصل معنیٰ:۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی طہارت اور پاکیزگی کے ہیں۔ چونکہ یہ دولت کو نجس اور ناپاک سرمایہ داری سے بچاتی ہے۔ انسان کے دل و دماغ کو غرور و تکبر اور خالی ذہنیت سے پاک کرتی اور اپنی محنت کی کمائی میں جماعتی حقوق کا پاک جذبہ پیدا کرتی ہے اس مناسبت سے اس کا نام زکوٰۃ ہے۔ حقیقت زکوٰۃ دو اصول پر مبنی ہے

۱۔ مذموم سرمایہ داری سے روکتی اور مسکینوں کی حاجتوں کو پورا کرتی ہے۔

۲۔ اقتصادی فلاح و بہبود کی جدوجہد کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔

یہی وہ دو اصول ہیں جن کی بدولت ملک سے افلاس و غربت اور بے کاری دور کی جا سکتی ہے۔

۲۔ "وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَجُلٍ یَکُوْنُ لَہٗ اِبِلٌ اَوْ بَقَرٌ اَوْ غَنَمٌ لَا یُؤَدِّیْ حَقَّھَا اِلَّا اُوْتِیَ بِھَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْظَمَ مَا یَکُوْنُ

وَاَسْمَنَہٗ تَطَأُہٗ بِاَخْفَافِھَا وَتَنْطَحُہٗ بِقُرُوْنِھَا كُلَّمَا جَاوَزَتْ عَلَیْہِ اُخْرٰیھَا رُدَّتْ عَلَیْہِ اُوْلَاھَا حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ" (متفق علیہ بخاری و مسلم)

حضرت ابو ذرّ غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جس کے پاس اونٹ یا گائیں، یا بکریاں ہوں اور پھر وہ شخص ان کا حق شرعی یعنے زکوٰۃ ادا نہ کرے مگر یہ کہ قیامت کے دن یہ اونٹ، گائیں اور بکریاں دنیوی حالت کے مقابلہ میں زیادہ بڑے، موٹے اور چاک ہوں گے اور اپنے مالک (زکوٰۃ نہ دینے والے کو) اپنے کھروں سے روندھیں گے اور اپنے سینگوں سے اس کو رگڑتے رہیں گے جب ان جانوروں کے قطار کا آخری جانور اس پر گذر جائے گا تو پھر اس قطار کا آخری جانور سر نو اس پر اپنا عمل شروع کرے گا۔ یہ سلسلۂ عذاب اس شخص پر اس وقت تک برابر جاری رہے گا جب تک لوگ حساب و کتاب سے خلاصی پائیں گے۔"

وضاحت

عربی زبان میں حرف "ب" عوض اور بدلہ کے لئے بھی آتا ہے، پس زیر بحث حدیث مبارک میں (اُوْتِیَ بِھَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْظَمُ مَا یَکُوْنُ) کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت میں مذکورہ اونٹ، گائیں اور بکریوں کے عوض میں دوسرے اونٹ، گائیں اور بکریاں پیدا کی جائیں گی، جو زکوٰۃ نہ دینے والے کو اپنے کھروں سے روندتے رہیں گے اور اپنے سینگوں سے اس کو رگڑتے رہیں گے۔ اس معنی اور مفہوم کو ملحوظ رکھ کر اب یہ اعتراض پیدا نہیں ہوگا کہ وہ جانور تو دنیا ہی میں ہلاک اور

فنا ہو چکے تھے۔ اب وہ دوبارہ کیونکر موٹے تازے ہو کر زکوٰۃ نہ دینے والے کو سزا دیں گے۔

ہو سکتا ہے حدیثِ مبارک میں بعینہا وہی اونٹ گائیں اور بکریاں مراد ہوں جو دنیا میں اس کی ملکیت اور اس کے مقبوضہ تھے، ہو بہو ان کو دوبارہ آخرت میں پیدا کرنا اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ "وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡئٍ قَدِیۡرٌ۔"

مزید وضاحت

بہرحال اس حدیثِ مبارک سے اچھی طرح زکوٰۃ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ روزہ، نماز ہی نجات اور رضاءِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں بلکہ روزہ و نماز کے ساتھ ساتھ اسلامی دستور کے مطابق زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

واضح رہنا چاہیئے کہ زکوٰۃ کا تعلق حقوق العباد سے ہے اس کی فرضیت سے اسلام کی جامعیت اور کاملیت آشکارا ہوتی ہے، یعنی دینِ اسلام میں صرف عبادت ہی مقصود نہیں بلکہ اس میں حقوق العباد، بندگانِ خدا کے ساتھ شفقت، ہمدردی اور امداد و اعانت بھی ملحوظ اور معتبر ہے ـــ اگر آج مسلمان اتفاق سے اسلامی قانون کے مطابق زکوٰۃ دیں گے تو ان میں غربت و افلاس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

مگر افسوس ہے کہ اہلِ زمانہ کمیونزم اور نیشنلزم کے اصول پر اعتماد اور بھروسہ تو کرتے ہیں لیکن اسلام نے جو بہترین اقتصادی نظام بنایا اس سے غافل اور بے خبر ہیں۔

۳۔ "عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَنۡ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَلَمۡ یُؤَدِّ زَکٰوتَہٗ مُثِّلَ مَالُہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ

شُجَاعًا اَقْرَعَ لَہٗ زَبِیْبَتَانِ (اَیْ حِلْدَتَ عَظَمَتُہٗ)
ذَھَبَ شَعْرُ رَأْسِھَا مِنْ غَایَۃِ سَمِّھَا فَوْقَ
عَیْنَیْھَا نُقْطَتَانِ اَسْوَدَانِ یُطَوَّقُہٗ ثُمَّ یَأْخُذُ
مِنْہُ بِلِھْزِمَتَیْہِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا مَالُکَ اَنَا کَنْزُکَ"

(یہ حدیث مبارک صحیح بخاری کی ہے۔ البتہ حضرت مُصنّف قدس سرّہٗ نے اس میں کچھ تفسیری کلمات اضافہ فرمائے ہیں، جو آپ نے دوسری روایتوں سے لئے ہیں۔ اسی طرح یہ حدیث مختصراً جامع ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی مذکور ہے۔) (بخاری)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ روایت فرماتے ہیں کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کا مال بڑے زہریلے سانپ کی صورت میں قیامت کے دن نمودار ہوگا اور اس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے (اس قسم کا سانپ نہایت خطرناک اور بہت زہریلا ہوتا ہے) پھر یہ سانپ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کی گردن میں طوق بنا دیا جائے گا۔ اور اس کے دونوں طرف جبڑوں کو ڈسے گا اور کہے گا میں تیرا وہی مال اور خزانہ ہوں جس کے خرچ کرنے میں تو ہچکچاتا اور کنجوسی کرتا تھا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے استشہاد کے طور پر قرآنِ مجید کی یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:۔

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔" اے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان لوگوں کے بارے میں یہ گمان نہ فرمائیے جو اس

مال میں بخل کرتے ہیں جو ہم نے اپنے فضل سے ان کو عطا کیا کہ ان کا یہ مال ان کے لیئے فائدہ مند ثابت ہوگا، ایسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ ان کا بخل ان کے عذاب اور گرفتاری کا سبب ہوگا کہ وہ مال ان کی گردنوں میں زہریلے سانپ کی صورت میں طوق بن کر رہے گا تاکہ محشر کے لوگ اچھی طرح سمجھیں گے کہ ہم نے دنیا میں مال و دولت کو زادِ راہِ آخرت حاصل کرنے کے لئے دیا تھا۔ فخر اور مباہات اور شرف و بزرگی کے اظہار کے لئے نہیں۔

وضاحت اس حدیثِ مبارک سے جہاں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کا برا انجام واضح ہوتا ہے وہاں اِحتکار و اِکتناز کی حرمت بھی ثابت ہو جاتی ہے، یعنے جس مال سے زکوٰۃ اور دوسرے مالی فرائض ادا نہ کئے گئے ہوں تو وہ مال اِحتکار و اِکتناز کی فہرست میں شامل اور کنز سے متعلق وعید کا مصداق ہے اور اسی قسم کی دولت کا نام سرمایہ داری ہے یہ حرام، باطل اور تباہ کر دینے کے قابل ہے — یہ جمہور کا مسلک ہے اور اپنی ضروریات اور اہل و عیال کی حاجات اصلیہ اور مالی فرائض و واجبات کے ادا کرنے کے بعد بھی جو دولت باقی بچے اس کا پس انداز کرنا اگرچہ جائز ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے کیونکہ اس مال پر اب اجتماعی حقوق عائد ہو چکے ہیں اور اب اس کو اجتماعی حاجات میں صرف کرنا چاہیئے۔

جمہور کے خلاف حضرت ابو ذرؓ غفاری رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ اور بعض علماءِ اسلام اس کو بھی جمع کر کے رکھنا حرام بتلاتے ہیں

"کَانَ مِنْ مَذْهَبِ اَبِی ذَرٍّ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ تَحْرِیْمُ مَا زَادَ عَلٰی نَفَقَةِ الْعِیَالِ وَکَانَ یُفْتِیْ بِذٰلِکَ وَیَحُثُّهُمْ عَلَیْهِ وَیَأْمُرُهُمْ بِهٖ"۔ یعنی:- کہ

ابو ذرؓ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ اہل و عیال کے نفقہ سے زیادہ روپیہ جمع رکھنا قطعاً حرام ہے۔ وہ اس کا فتویٰ دیتے تھے، اسی کی تبلیغ کرتے اور اسی کا حکم فرماتے تھے۔"

مزید مطالعہ کے لئے دیکھو "اسلام کا اقتصادی نظام"
از: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔

۴۔ " وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰی اَنْ یَّسْفِكُوْا دِمَائَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ

یعنی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بخل سے بچو، کیونکہ بخل ہی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اسی بخل کے سبب انہوں نے باہم خون ریزی کی اور اسی وجہ سے انہوں نے حرام چیزوں کو حلال جانا اور اسی بنا پر وہ واصل جہنم ہوئے ہیں۔"

وضاحت

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بخل کیونکر کیونکہ خون ریزی اور حرام چیزوں کو حلال بنانے کی موجب بن جاتی ہے ـــــ اس کا صاف جواب یہ ہے کہ (واللہ اعلم) جب بخیل مالدار اپنے زائد مال و دولت سے اپنے غریب مسکین اور نادار بھائیوں کا خیال نہ رکھیں اور ان کو اپنے زائد مال و دولت سے اعانت و ہمدردی نہ کرے تو لازمی طور پر

مسکینوں اور محتاجوں کے دلوں میں ایسے امیروں اور مالداروں کے خلاف منافرت کی ایک بڑی لہر اور ضد و عداوت کا جذبہ ابھر جائے گا جس کو آج کل کی اصطلاح میں طبقاتی کشمکش سے تعبیر کیا جاتا ہے اور طبقاتی کشمکش کا لازمی نتیجہ باہمی جنگ و جدال ہے جس سے خون ریزی ضروری طور پیدا ہوتی ہے۔ چناں چہ اشتراکیت و اشتمالیت یعنی کمیونزم و سوشلزم کے وجود میں آنے کا سبب سرمایہ داروں کا وہی بخل و کنجوسی ہے، جس کا ذکر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ حدیث مبارک میں اپنے جامع کلمات سے فرمایا ہے۔ بلاشبہ سرمایہ داروں کی سنگ دلی اور بے رحمی ہی نے غریب اور مزدور طبقہ کو کمیونزم کے دروازے پر لا کھڑا کیا ــــ اور اسی حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اسلام میں بنی نوع انسان کے تمام طبقات کے لئے ایسے قوانین و ہدایات موجود ہیں کہ اگر سچائی اور ایمانداری سے ان کے مطابق عمل کیا جائے تو ہم کو اشتراکیت اور اشتمالیت کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے اور قرآنی احکام و ہدایات پر عمل کرنے سے نہ تو طبقاتی کشمکش پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے اور نہ کوئی بھوکا اور پیاسا رہے گا۔ سچ پوچھئے تو اغیار بھی اسی قرآن و سنت سے ریزہ چین اور دست نگر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں نقالی کے سوا کیا دھرا ہے حقیقت جامعیت اور کاملیت صرف دینِ اسلام میں بتمامہ پائی جاتی ہے۔

اب رہا یہ امر کہ بخیلی و کنجوسی کیونکہ اس بات کی موجب بن جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی حرام چیزوں کو حلال سمجھنے لگتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جب صاحبِ دولت و ثروت بخیل اور کنجوس ہے تو اس کے پاس مال اور سرمایہ بڑھتا جائے گا جس کا لازمی نتیجہ تنعم، جاہ پسندی، عیش و عشرت، فسق و فجور،

عیاری و بدکاری، شراب نوشی کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے جیسا کہ آئے دن اخبارات میں اس قسم کے سرمایہ داروں کے واقعات آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں ملک کے شہزادے نے لاکھوں روپیہ کا جوا کھیلا اور فرانس کے ہوٹل میں جاکر بیسیوں بیگمات لیکر خدا کی دی ہوئی دولت و ثروت کو بے تحاشا برباد کر رہا ہے۔ پس یہی وجہ ہے کہ شریعت مقدسہ اور تعلیمات محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسی سرمایہ داری کو حرام قرار دی ہے کیونکہ اس کے ساتھ قوم کے اجتماعی حقوق شامل ہوگئے ہیں کہ اب شخصی واجارہ کو اس کے برباد کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ورنہ قوم کی اقتصادی حالت بد سے بدتر ہو جائے گی۔

خلاصۂ گذارش یہ ہے کہ قوموں کی باہمی رسہ کشی اور کشمکش کا اصلی سبب مال و دولت کی طمع اور لالچ ہی ہے لہٰذا شریعت نے اس تقسیم کے صحیح اصول اور فطری قوانین اس طرح وضع کئے کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو نہ تو مسلمانوں میں کوئی غریب اور مفلوک الحال رہے گا اور نا ہی کنبوں اور خاندانوں میں منافست اور منافرت رہے گی اور نہ جرائم، خون ریزی اور فتنوں اور فسادات کا زیادہ امکان رہے گا بلکہ اللہ کے تمام بندے باہمی مہر و محبت اور مساوات و برابری سے گذر اوقات کر سکیں گے۔

یہ ہے اس حدیث مبارک کی مختصر تشریح، جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ اسلام جس طرح عبادات و ریاضات پر زور دیتا ہے اسی طرح وہ لوگوں کی مالی اور اقتصادی حالت بہتر بنانے کی طرف بھی اپنے بے نظیر احکام و تعلیمات سے بندگانِ خدا کو سیراب کر رہا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم دانستہ یا نادانستہ اس کے پاک اور مقدس احکام کی قدر نہیں کرتے۔ ۰:۰

۵۔ "وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال
قال رجل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم ای الصدقۃ اعظم اجرا قال ان
تصدق وانت صحیح شحیح تخشی الفقر
وتامل الغنی ولا تمہل حتی اذا بلغت
الحلقوم قلت لفلان کذا وقد کان لفلان"
(متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا: یارسول اللہ! صدقات میں سے کس صدقہ کا اجر و ثواب زیادہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس صدقہ کا اجر و ثواب زیادہ ہے، جو صحت و تندرستی کی حالت میں دیا جائے اور ایسے وقت دیا جائے جب کہ نفس اس کی طرف راغب ہو اور ایک گونہ اس سے بخل کر رہا ہو کہ ضروریات سے ہراساں ہو اور تونگری کی امید کر رہا ہو ___ اور فرمایا صدقہ دینے میں اتنی تاخیر نہ کرنا یہاں تک کہ روح حلق تک پہنچ جائے یعنی موت کے آثار نمودار ہو جائیں پھر اس وقت مضطر اور عاجز ہو کر یوں کہو گے کہ میرے مال سے فلاں شخص کو اتنا دیا جائے، اور فلاں کو اتنا دیا جائے حالانکہ اب تو وہ مال وراثت کی بنا پر فلاں شخص کا ہی ہو چکا ہے۔

وضاحت

صدقہ کی اصلیت زکوٰۃ کے علاوہ مالدار پر کچھ اجتماعی حقوق عاید ہوتے ہیں، جن کے ادا کرنے کی ترغیب اسلام دیتا ہے بعض حالات میں ان کا درجہ وجوب

تک اور بعض حالات میں اُن کو مستحسن اور مستحب بناتا ہے۔ اس قسم کی مالی امداد کا نام صدقہ ہے۔ قرآن کریم میں جا بجا جگہ جگہ اور اکثر مقامات میں صدقات دینے کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ اسلام کی نمایاں علامات میں سے ہیں۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا:

"وَاَنفِقُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ وَلَا تُلقُوا بِاَیدِیکُم اِلَی التَّھلُکَۃِ" ترجمہ:- اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو، اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

یعنی بخل اختیار کر کے انفاق فی سبیل اللہ سے اپنے ہاتھ کھینچے نہ رکھو اور مال و دولت کی محبت میں جہاد فی سبیل اللہ ترک نہ کرو۔

سورۂ ذاریات میں فرمایا گیا:

"وفی اموالھم حقٌّ للسّائل والمحروم"۔

یعنی "ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور تنگ دستوں کا حق ہے۔"

اور سورۂ روم میں ارشاد ہوتا ہے:

"فَاٰتِ ذَا القُربٰی حَقَّہٗ وَالمِسکِینَ وَابنَ السَّبِیلِ"

یعنی "پس رشتہ دار کو اس کا حق دے، اسی طرح مسکین و مسافر کو بھی اُن کا حق پورا کر دے۔"

واضح رہے کہ صدقات ادا کرنے کے دو طریقے ہیں۔

۱۔ انفرادی، ۲۔ اجتماعی

۱۔ انفرادی کی صورت یہ ہے کہ خیرات کرنے والا خود اپنے ہاتھ سے صدقہ کرے۔

۲۔ یعنی اجتماعی صورت یہ ہے کہ اموالِ صدقات کو خلیفہ یا نائب خلیفہ کے سپرد کیا جائے اور وہ بیت المال میں داخل کر کے اور مستحقین پر صرف کرے۔ اور نفلی صدقات کی ادائے تو انفرادی بھی درست ہے

مگر صدقات واجبہ بیت المال کا حق ہے اس وضاحت کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیر بحث حدیث مبارک میں فرمایا کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو طمع کی حالت یا ایسے وقت میں دیا جائے جبکہ صدقہ دینے والے کو خود اس کی ضرورت لاحق ہو اور فرمایا وہ صدقہ اور خیرات ہی کیا ہے کہ جب آدمی موت کے کنارے لگ جائے اور سکرات الموت کی تلخی میں ہو اور تمام مالکانہ حقوق اس سے زبردستی خود سلب اور ختم ہونے کے قریب ہو جائیں اور بے بسی اور عاجزی میں آکر وصیت کر بیٹھے کہ فلانی شخص کو میرے مال سے اتنا دیا جائے اور فلانی کو اتنی مقدار میں دیا جائے تو اس وقت کا اعتبار ہی کیا، اور ثواب ہی کیا؟ کیونکہ اس اضطراری کی حالت میں وہ جن لوگوں پر بادل ناخواستہ صدقہ کر رہا ہے وارثت تو اُن کی طرف خود بخود قدرتی طور پر منتقل ہو رہا ہے۔ اب وہ وصیت کرے یا نہ کرے مال تو ان کا ہو ہی رہا ہے لہٰذا بہترین صدقہ وہ ہے جو تندرستی اور فقر و فاقہ کی حالت میں دیا جائے۔ ۔۔۔

۶۔ " وعن ابی ذرّ الغفّاریّ رضی اللہ تعالیٰ عنہُ

قال انتھیتُ الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلّم وھُوَ جالسٌ فی ظلّ الکعبۃ فلمّا

رآنی قال ھُمُ الاخسرون وربِّ الکعبۃ

فقلتُ فداک ابی وامّی من ھُم

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ؟)

قَالَ هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالاً اِلَّا مَنْ قَالَ
هٰكَذَا وَهٰكَذَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ
خَلْفِهٖ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِيْلٌ
مَّا هُمْ۔" (متفق علیہ و مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا ارادہ کیا چنانچہ میں نے آپؐ کو کعبہ کے سایہ میں تشریف رکھے ہوئے دیکھا، جب آپؐ نے میری طرف نظرِ رحمت کی تو فرمایا: "کعبہ کے خدا کی قسم وہ لوگ بہت نقصان اٹھانے والے ہیں۔" میں نے عرض کیا "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، وہ کون سے لوگ ہیں؟" جن کے متعلق آپؐ یہ کلمات فرما رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: "میں ان بڑے بڑے دولت مندوں کے متعلق کہہ رہا ہوں کہ جو دولت کے خرچ کرنے میں کنجوسی کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ اس خسران اور اس وعید سے مستثنیٰ ہیں، جو اس طرح کریں! اس طرح کریں!! اور اس طرح کریں!!! یعنی مال و دولت کے ذخائر، فکر و اندیشہ اور پس و پیش کے بغیر راہِ خدا میں خاک کی طرح بہاتے اور بے دریغ خرچ کرتے ہیں، اور آگے پیچھے، دائیں بائیں رضاءِ الٰہی میں مال کے صرف کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے ایسے سعادتمند آخرت میں ضرور خلاصی اور نجات پائیں گے۔ گو ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

حضرت مصنفؒ: [illegible]
فرماتے ہیں کہ ہر زمانے میں اکثر مالدار مال و دولت کے ساتھ حد سے زیادہ محبت و رغبت کی وجہ سے اپنا متاعِ ایمان کھو بیٹھے ہیں۔

حبیت وضاحت	اس حدیث مبارک میں حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سرمایہ داروں کی بخیلی و کنجوسی

کا انجام و عاقبت بیان کرتے ہیں کہ روزِ قیامت ان کی کیسی حالت زار ہوگی جنہوں نے دُنیا میں خدا تعالےٰ کے دیئے مال و دولت پر بخل کیا ہے اور اس کے مستحق بندوں پر اس کو خرچ نہیں کیا۔ ساتھ ہی ان لوگوں کو بھی اس خسارہ و نقصانات سے مستثنیٰ فرما رہے ہیں جنہوں نے پورے ایمان و ایقان سے خدا تعالےٰ کے ان مسکین بندوں کے حقوق کا پورا خیال رکھا جو دُنیا میں ان کی دائیں بائیں یا ان کے آگے پیچھے بستے تھے۔ اور ان پر مال و دولت نثار کرتے تھے۔ پس ان اصحابِ دولت و ثروت کی عظمت و سعادت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ جو دُنیا میں اللہ تعالےٰ کے دیئے ہوئے مال سے کچھ مسکینوں، محتاجوں اور دین و ملّت کی ضرورتوں پر صرف کر کے آخرت کے خسارہ و نقصان سے محفوظ اور مصؤن رہے ہیں اور ان مالداروں کی بدقسمتی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی جو دُنیا میں بخیل بن کر آخرت کا نقصان اور خسارہ اُٹھانے کے لئے تیار رہیں۔

غرض یہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترغیب و ترتیب کے ذریعے مال و دولت میں توازن رکھنا چاہتے ہیں کہ غریب و افلاس بھی دُنیا میں نہ رہنے پائے۔ اور سرمایہ داروں سے بھی زبردستی دولت و ثروت نہ چھینی جائے البتہ ان کے ذمہ ہے کہ وہ مفادِ عامہ اور بندگانِ الٰہی کے حقوق کا بھی بھرپور خیال رکھیں۔

اے عزیز! آخرت کی بہتری و نیک بختی کے چاہنے والوں کے لئے یہ چیز نہایت ضروری ہے کہ وہ پہلے زکوٰۃ و صدقہ کے فرض ہونے کی باریکیوں اور اس کے باطنی آداب کی حفاظت ورعایت رکھنے میں آٹھ شرطوں کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ وہ آٹھ شرطیں ترتیب وار ذیل میں لکھی جاتی ہیں:۔

۱ ۔ زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سبب اور معنی سمجھنا۔

۲ ۔ زکوٰۃ کے واجب ہونے کے وقت سے پہلے ہی اس کی ادائیگی کی طرف سبقت کرنا، تاکہ الٰہی احکام بجا لانے میں کسی قسم کی تاخیر اور دیر نہ ہونے پائے۔

۳ ۔ رِیا اور دِکھاوے سے بچنے کے لئے مخفی اور پوشیدہ طریقہ سے زکوٰۃ ادا کرنا۔

۴ ۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ بندگانِ خدا کو خدائی حکم کی طرف رغبت دِلانے کی غرض سے علی رؤس الاشہاد اور کھلے بندوں زکوٰۃ دینا۔

۵ ۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ جس شخص کو زکوٰۃ دی جائے پھر اس کو کسی طرح ایذا نہ پہنچانا اور نہ ہی اُسے ممنونِ احسان بنانا۔ اس قسم کی روحانی تکلیف پہنچانے سے بالکل اجتناب اور پرہیز کرنا چاہیئے۔

۶ ۔ زکوٰۃ دینے والے کو چاہیئے کہ وہ اپنی زکوٰۃ و خیرات کو نہایت معمولی سمجھے خواہ اُس کی مقدار کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

۷ ۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ وہ مال زکوٰۃ کے لئے نکالنا چاہیئے جو دینے والے کو زیادہ محبوب اور اس کے نزدیک زیادہ پسندیدہ اور پاکیزہ ہو۔

۸ ۔ آٹھواں اور آخری شرط یہ ہے کہ مستحقینِ زکوٰۃ کی اچھی طرح معرفت حاصل کر لینی چاہیئے کہ کیا وہ واقعی طور پر زکوٰۃ کے حقدار ہیں کہ نہیں کیونکہ مستحقینِ زکوٰۃ باوصف مفلسی

پرہیزگار اور نیکوکار ہونا ضروری ہے۔

وضاحت | فقہائے اسلام کی اصطلاح میں شروط، شرط کی جمع ہے اس شئے کو کہتے ہیں جس پر دوسری شئے کا وجود حِسّاً یا شرعاً موقوف ہو مثلاً چھت کا وجود دیواروں کے وجود پر موقوف ہے کہ بغیر دیواروں کے چھت کا قیام ناممکن ہے یا جیسا کہ نماز کا صحیح اور جائزہ ہونا وضوء، کپڑوں، جگہ اور بدن کی پاکی پر موقوف ہے کہ نماز ان چیزوں کے بغیر شرعاً درست اور جائزہ نہیں ہے۔

اس مختصر وضاحت کے بعد معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت مصنّف (حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ) نے زکوٰۃ و صدقہ کی معرفت میں جو آٹھ شرطیں تحریر فرمائی ہیں وہ شرطیں فقہی معنی کے اصطلاح میں نہیں ہیں کیونکہ مذکورہ آٹھ چیزیں جانے بغیر بھی اگر کوئی شخص زکوٰۃ ادا کرے گا، شرعاً اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی ہے۔ بلکہ مذکورہ آٹھ شرطیں زکوٰۃ کی قبولیت کے لئے ضروری ہیں یعنی ربانی دربار میں اس شخص کی زکوٰۃ قبول ہوگی جو مذکورہ آٹھ شرطوں کی رعایت رکھے گا۔ یعنی شرط جواز اور شرط قبول میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس پر یہی قرینہ ہے کہ حضرت مصنّف قدس سرہٗ نے مذکورہ آٹھ شرطیں اسرار و دقائق کے عنوان میں بیان فرمائی ہیں۔ اس تحقیق و تفتیش کے بعد اب یہ اعتراض پیدا نہ ہوگا کہ حضرت مصنّف رحمۃ اللہ علیہ نے زکوٰۃ کی صحت کے لئے یہ شرطیں کس دلیل و برہان سے مستنبط کی ہیں، جواب واضح ہے کہ یہ شروطِ جواز نہیں بلکہ شروطِ قبول ہیں جو کتاب و سنّت کی عبارۃ النص اور دلالۃ النص سے ثابت، مؤید اور مبرہن ہیں۔

اس مقام پر اس امر کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ راقم السطور نے حضرت مصنّف رزقنا اللہ شفاعتہٗ کی مذکورہ شرطوں اور ان کی آنے والی تفصیلات پر کافی غور کیا ہے کہ آنجناب اس تحقیق میں

موجد اور منفرد ہیں یا یہ ہے کہ آپؒ سے پہلے بھی محققین نے زکواۃ کی
قبولیت کی یہ شرطیں قرار دی ہیں۔
بعد تحقیق معلوم ہوا کہ حضرت مصنفؒ اس تحقیق وتفریح میں
منفرد نہیں ہیں بلکہ پورے ناقل اور متبع ہیں۔ چنانچہ امام محمد غزالیؒ
المتوفی ۵۰۵ھ نے احیاء علوم الدین کی جلد اوّل اسرار زکواۃ
کے عنوان کے اندر اسی طرح یہ آٹھ شرطیں قلمبند کی ہیں جس طرح حضرت
مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے عبارت مسطورہ میں ان شرطوں کا ذکر اجمالاً
وتفصیلاً کیا ہے۔

ملاحظہ ہو احیاء علوم الدین، جلد اوّل۔

١- اِعلَمْ اَنَّ عَلٰی مُرِید طریقِ الاٰخرۃ بزکاتہٖ وظائف (الوظیفۃ الاُولٰی)

٢- فَہمُ وجوبِ الزکاۃِ ومعناھا... الخ (الوظیفۃُ الثانیۃ)

٣- فی وقتِ الاداءِ ومن آدابِ ذوی الدّین التعجیلُ عَن وقتِ الاداءِ... الخ (الوظیفۃُ الثالثۃ)

۴- اَلاسرارُ فَاِنَّ ذٰلِکَ اَبعَدُ عنِ الرِّیاءِ والسُّمعۃِ ... الخ (الوظیفۃُ الرّابعۃ)

۵- اَن یُظہِرَ حَیثُ یعلمُ اَنَّ فی اظہارِہٖ ترغیباً لِلنّاس فی الاقتداء... الخ (الوظیفۃ الخامسۃ)

٦- اَنْ لا یُفسِدَ صدقتَہٗ بالمَنِّ والاَذیٰ ..... الخ (الوظیفۃ السادسۃ)

٧- اَنْ یَستَصغِرَ العطیّۃَ فَاِنَّہٗ اِنْ اِستَعظَمَھا اُعجِبَ بھا والعُجبُ مِنَ المُھلِکاتِ ... الخ (الوظیفۃ السابعۃ)

٨- اَنْ ینتقی مِنْ مالہٖ اَجودَہٗ واَحبَّہٗ الیہِ... الخ (الوظیفۃ الثامنۃ)

اَنْ یَطلُبَ لِصَدقتِہٖ مَن تزکو بِہٖ الصدقۃُ... الخ

ترجمہ!

"جو شخص اپنی زکواۃ سے آخرت کے ثواب کا طالب گار ہو اس پر

آٹھ قسم کی ذمہ داریاں ہیں :-

۱۔ زکوٰۃ کے وجوب ہونے کا معنی اور مقصد اچھی طرح سمجھے۔

۲۔ زکوٰۃ دینے کا وقت معلوم کرے۔ دیندار ہمیشہ زکوٰۃ دینے میں جلدی کرتے ہیں۔

۳۔ زکوٰۃ پوشیدہ طور پر دینا چاہیئے، تاکہ تشہیر اور ریا سے محفوظ رہے۔

۴۔ جہاں یہ خیال ہو کہ کھلے طور پر زکوٰۃ دینے سے اور لوگوں میں بھی رغبت بڑھ جائیگی وہاں زکوٰۃ کھلے طور پر دینا ہی محبوب اور پسندیدہ ہے۔

۵۔ زکوٰۃ دے کر اپنا احسان نہ جتائے کیونکہ اگر زکوٰۃ دینے کے بعد اپنا احسان زکوٰۃ دیئے ہوئے شخص پر جتائے تو اس کا صدقہ باطل ہو جائے گا۔

۶۔ زکوٰۃ دینے والا اپنی بخشش اور اپنے جود و سخا کو معمولی اور حقیر گمان کرے ورنہ اندیشہ ہے کہ اگر اس کو (اللہ بچائے) پندار ہو جائے تو اس کا ثواب بالکل جاتا رہے گا۔

۷۔ زکوٰۃ دینے والا وہ مال راہِ خدا میں دیدے جو اس کو تمام مالوں سے زیادہ پسند اور فی نفسہٖ وہ زیادہ بہتر ہونا چاہیئے۔

۸۔ مستحقین زکوٰۃ کو خوب تلاش کرے یعنی زکوٰۃ پرہیزگاروں اور نیک لوگوں کو ہی دیا کرے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت میر سید علی الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ مصنف ذخیرۃ الملوک نے مذکورہ آٹھ شرائط جو بیان کی ہیں وہ از خود نہیں بلکہ انہوں نے اس بارے میں مصنف احیاء علوم الدین سے استفادہ کیا ہے اور جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب و سنت سے ان کا استنباط کیا ہے۔

ایثار اور جود و سخا میں اہلِ اسلام کی تین قسمیں ہیں

پہلی قسم: یہ گروہ وہ ہے جو خطۂ توفیق اور میدانِ تحقیق کا پیشرو اور سچا طلب گار اور وفا شعار ہے۔

یہ وہ جماعت ہے کہ جس نے توحید کے عہد و پیمان اور حقوق و ذمہ داریوں کو اچھی طرح نبھایا اور اس گروہ نے اپنی مقدس اور بلند ہمتوں کو وجوبِ زکوٰۃ کے نصاب تک پہنچنے ہی نہ دیا بلکہ انہوں نے غلات کے عشر کے حساب اور سونا چاندی کے چالیسویں حصہ کے نصاب سے بھی اپنے آپ کو بچایا اور محفوظ رکھا اور دارالفنا (دُنیا) میں جو کچھ بھی مال و دولت ان کے ہمت بھرے ہاتھوں میں پہنچ جاتی ہے تو وہ اس کو فوراً محبوبِ حقیقی کے راستہ میں نثار اور قربان کر کے تسکین اور آرام پاتے ہیں۔

چنانچہ منقول ہے کہ جب کچھ لوگوں نے شیخ ابوالقاسم جُنیدؒ اور ابو الحسن نوریؒ کو کسی معاملے میں متہم کیا اور انہوں نے چاہا کہ پہلے ان پر اتمام حجت کر دیا تو انہوں نے ابوالحسن نوری اور جنید رحمہما اللہ سے دریافت کیا زکوٰۃ کے بارے اپنی رائے ظاہر کیجئے۔ آپ حضرات نے جواب دیا کہ شرع شریف کے حکم کے مطابق دو سو (۲۰۰) درہم میں پانچ (۵) درہم واجب ہوتے ہیں۔ اور ہمارے (صوفیہ) مسلک کے مطابق اگر کسی درویش کی ملکیت میں ساری دُنیا ہو اور پھر ساری دُنیا کو اللہ تعالیٰ کے لحظہ بھر معرفت و محبت کے حاصل ہونے کے شکرانہ میں صرف کرے تو پھر بھی وہ مقصر اور کوتاہی کرنے والا متصور ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کی آیت:

"مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔" جب نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تمام مال دربارِ نبوت میں پیش کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کل مال کا آدھا حصّہ حاضر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں صاحبوں سے ترتیب وار سوال کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے پوچھا: "مَا اَبْقَیْتَ لِعِیَالِکَ؟" کہ تم نے اپنے عیال کے لئے کیا رکھا؟ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے عرض کیا: کہ "میں نے اپنے اہل و عیال کے لئے اللہ اور اس کے رسول ؐ کو چھوڑ دیا" اور جب آپؐ نے یہی سوال حضرت عمر فاروق رضؓ سے کیا تو انہوں نے جواب دیا "جتنا مال حاضرِ خدمتِ اقدس کیا اتنا ہی مال اپنے اہل و عیال کے لئے رکھ چھوڑا ہوں" اس پر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم دونوں کے مرتبہ میں اتنا ہی فرق ہے جتنا فرق تم دونوں کے کلام میں ہے۔" یعنی حضرت عمر فاروق رضؓ کا مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے مرتبہ کے مقابلہ میں نصف ہے، کیونکہ سچی اور کمال اصلیت اور بنیاد یہی ہے کہ محبِ صادق محبوبِ حقیقی کے سوا اپنے دل میں کسی چیز کو ذخیرہ نہ بنائے مگر مال و دولت کے اتنے مقدار کا ذخیرہ کرنا درست ہے جو محبوبِ حقیقی کے قریب اور نزدیک ہونے کا وسیلہ اور ذریعہ بن جائے۔

وضاحت

خلاصۂ بیان یہ ہے کہ اہل اللہ کی شان استغنا کے کیا کہنے کہ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کی محبت سے اس قدر معمور اور سرشار ہیں کہ وہ مال و دولت سے نہ صرف مستغنی اور بے نیاز رہتے ہیں بلکہ وہ اس کی ذخیرہ اندوزی سے اس قدر اجتناب اور پرہیز کرتے ہیں جتنا کہ ہم اور آپ سانپ بچھو جیسی مُضر چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق

اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس صنف کے پہلے جانباز ہیں جنہوں نے اپنے عمل سے اثابت کیا ہے کہ مومن کامل کی سب سے بڑی دولت اللہ اور اس کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی حاصل کرنا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کا دل محبت الٰہی سے معمور ہو اس کو فانی دولت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کے خلاف بہت سے لوگ اسلام کے نام پر درویشی، زہد و عبادت اور تقویٰ و طہارت کے نام پر مختلف حیلوں اور بہانوں سے مال و دولت جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں، کیا ایسے لوگوں کو بزرگانِ دین سے کوئی نسبت ہے ؟ ہرگز نہیں، — والی اللہ المشتکیٰ !

دوسری قسم

مال و دولت کو محبوب حقیقی کے راستہ میں نثار کرنے والوں کی دوسری جماعت اُن لوگوں کی ہے جو پہلے درجہ کے لوگوں کے مقابلہ میں بہت کم مقام رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ دعوائے محبت کے ساتھ پورا جوڑ نہیں رکھتے ہیں بلکہ وہ طاعت و عبادت میں اطمینان اور بے فکری حاصل کرنے کے لئے مالِ حلال کا ذخیرہ کرنا جائز جانتے ہیں۔ وہ لوگ مالِ حلال کی حفاظت میں اپنا ہاتھ امانت و صیانت کا ہاتھ قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ اچھے اچھے اوقات اور بہترین موقعوں کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور حاجت مندوں اور غریبوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب مستحقین کو پاتے ہیں تو فاضل مال کا خرچ کرنا غنیمت جانتے ہیں اور یہ لوگ اس قدر زیادہ مال راہِ مولا میں خرچ کرتے ہیں کہ زکوٰۃ کی مقدار پر ہی کفایت نہیں کرتے بلکہ اس سے بھی زیادہ مال دیتے ہیں۔ بایں ہمہ یہ گروہ پہلے گروہ کے مقابلے میں مال و دولت کی طرف

رغبت رکھتا ہے گو کہ اُن کا منشا اور مقصد نہایت صاف اور بے دغل ہے۔ اس لئے متوسط اور درمیانی درجہ کے مالک اور حامل ہیں۔

وضاحت | یہ لوگ اس لیے متوسط اور درمیانی درجہ کے قرار پائے کہ اگرچہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ مال و دولت کو جمع کر رکھا مگر ذخیرہ اندوزی اور اپنا غلبہ اور اپنی عظمت جتانے کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے محتاج اور مفلوک الحال بندوں پر خرچ کرنے اور انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا ہے جس سے ان کا مقصود رضاءِ الٰہی کے حصول کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ پس ان لوگوں نے مال و دولت کو ایک بہترین وسیلہ اور ذریعہ سمجھا ہے اس لئے ان کا مرتبہ درجِ اولیٰ ہے مگر پہلے طبقہ کے لوگوں کے مقابلہ میں ان کا درجہ اور مقام فروتر اور پست ہے، کیونکہ اُن کے ہاں غیر اللہ کا تصوّر کرنا اور وسائل و ذرائع میں پڑنا بھی گناہ اور جرم ہے۔

تیسری قسم | مال و دولت کے خرچ کرنے میں تیسرا درجہ عام مسلمانوں کا ہے کہ وہ مال و دولت کے خرچ کرنے میں بقدرِ واجب پر اکتفا کرتے ہیں اور اس سے زیادہ ان کی ہمتیں آگے نہیں بڑھتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قدرِ واجب سے کم صَرف کرنے کو بھی وہ روا نہیں رکھتے۔ یہ مرتبہ سب مرتبوں سے گھٹیا اور کم قسم کا ہے۔

حکیم مطلق پروردگار کی ازلی حکمت نے ان لوگوں سے اسی تھوڑے سے مقدار ایمان پر کفایت فرمائی اور ان لوگوں

کا ایمان اپنے فضل سے قبول فرمایا اگرچہ ان لوگوں پر بخل کا غلبہ، مال و دولت کی طرف سخت رغبت اور ان کی محبت حقیقی نہایت کمزور اور دارِ آخرت کی طرف ان کی توجہ بہت کم ہونے کے باوجود ربّانی عنایت و مہربانی ان کے حال پر شامل ہے کہ ان کو تھوڑے اور ادنیٰ درجہ کے احکام کا پابند بنایا۔

تینوں جماعتوں کے مرتبہ میں بہت بڑا فرق ہے کہ مقام قرب واصطفا تک پہنچنے والے عنقا صفت کے شیدائی کہاں کہ اپنی عالی ہمتی کے تقاضا اور اپنی معرفت کی محبّت کی قوت کے مطابق احکامِ الٰہی کے مامور اور پابند بنائے گئے اور "اِنَّ اللہَ اشتَرٰی مِنَ المومنین..... الخ" کے فرمان و عزت سے مشرف و بہرہ ور بنائے گئے اور ان کے مقابل شامت و نحوست کے اُلو کہاں اور کہاں وہ جو سطحی خیالات اور ہوس و توہمات میں گرفتار ہیں، جن کے متعلق یہ ربّانی ارشاد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا مال طلب کرے اور بے انتہا تم سے طلب کرتا ہے تو تم یعنی تمہاری اکثریت بخل کرنے لگے گی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہزار سے کوئی چیز اچھی نہیں مگر مومن۔

وضاحت

شریعت میں تکلیف مالا یُطاق نہیں ہے بلکہ ربُّ العالمین نے اپنے عام بندوں کو وہی احکام فرمائے جن کے کرنے اور انجام دینے کی طاقت اس کے بندوں کو حاصل ہے اور قرآن مجید میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ارشاد ہے: کہ اے میرے بندو تم یہ دُعا کر لیا کرو:- "رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ" اے ہمارے پروردگار! ہمیں اُن احکام کا پابند نہ بنائیے جن کے سہنے اور برداشت کرنے کی ہمیں قوت اور

طاقت نہیں ہے۔"

اسی مرکزی اصول کو زکوٰۃ میں بھی ملحوظ رکھا گیا۔ یہ نہیں فرمایا، کہ تم اپنا تمام مال راہِ خدا میں صرف کرو، کیونکہ عام آدمیوں کو اس کی بجا آوری کی قوت اور طاقت نہیں تھی۔ بلکہ عوام الناس کی خاطر آسان حکم دیا کہ دو سو درہم میں سے صرف پانچ درہم راہِ خدا میں دیا کرو، اور خواص اور مقربین بارگاہِ الٰہی نے اللہ تعالیٰ کے احسانات و عنایت پر جب غور اور فکر و تامل کیا تو انہوں نے عرض کیا پانچ درم کی بات ہی کیا، ہم تو اپنا تمام مال ہی نہیں بلکہ اپنی جانوں کو بھی اس جانِ جہاں پر خوشی سے نثار کریں گے جس نے ہمیں جان بھی دی اور مال بھی دیا۔

جان بھی دی ہوئی اسی کی ہے
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی دوسری حکمت

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی دوسری حکمت یہ ہے کہ اس سے دل کا آئینہ بخل کی خباثت و گندگی سے پاک کرنا مقصود ہے کیونکہ بخل مہلک اور خطرناک نفسیاتی بیماریوں میں سے ایک ہے۔ چنانچہ بے نیاز پروردگار قرآن مجید میں فرماتا ہے: "وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔" جو لوگ بخل و کنجوسی سے بچائے جائیں گے کامیاب وہی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، تین چیزیں آدمی کو ہلاک کرنے والی ہیں آپ نے ان میں میں اس بخل کو بھی شمار فرمایا ہے جو نفس پر غالب آکر جود و سخا اور بذلِ مال سے آڑے آتا ہے۔ چونکہ بخل کی بیماری باطنی اور غیر مرئی ہے کہ اس ہلاکت کی تاثیر [illegible]

ہی نمودار ہوگی اور بخیل کو دائمی ہلاکت کی طرف پہنچائے گی۔ اس لئے اس بیماری کا دافع اور علاج کرنا ناگزیر ہے اور اس غیر مرئی بیماری کا علاج راہ مولٰے میں مال و دولت خرچ کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ پس مال کے اتنے مقدار کے خرچ کرنا اور مستحقین پر تقسیم کرنے سے جو آدمی کی ملکیت میں ہو فرحت و سرور پیدا ہوتا ہے اور اسی وسیلہ سے اس مہلک بیماری سے بخیل نجات پاتا ہے۔ یہ ہے زکوٰۃ کے فرض ہونے کی دوسری حکمت اور وجہ

وضاحت خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آدمی سعادت ابدی حاصل کرنے میں نفسانی بیماریوں کی وجہ سے پیچھے رہتا ہے بلکہ یہی نفسانی بیماریاں اس کی تباہی و شقاوت کی سبب بن جاتی ہیں۔ نفسانی بیماریوں میں سے ایک بیماری بخل اور انفاق فی سبیل اللہ سے اپنے ہاتھوں کو بند رکھنا ہے۔ شریعت نے ان کا علاج زکوٰۃ اور جود و سخا سے کیا ہے کیونکہ زکوٰۃ ہی دل کی یہ خباثت و قساوت دور کرسکتی ہے۔ ⁂

(بصیرۃ السلوک شرح ذخیرۃ الملوک)
از مولانا بخاری

زکوٰۃ کے مسائل

اب آپ زکوٰۃ کے مدات قرآنِ کریم کی روشنی میں ملاحظہ فرمادیں، یعنی کن لوگوں کو زکوٰۃ دینی چاہئے۔

اس سلسلہ میں آپ سورۃ التوبہ کی یہ آیت ملاحظہ فرمائیے:۔
ربانی ارشاد ہے:

"اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

ترجمہ:۔ صدقات (زکوٰۃ و عشر) غریبوں اور محتاجوں کا، اور زکوٰۃ و عشر وصول کرنے والوں کا، اور جن کی دلجوئی (لقاء و تخفیف دین) کے لئے مقصود ہو۔ ان کا حق ہے، اور گردنیں چھڑانے اور قرضداروں کا بار ہلکا کرنے میں اور خدا کے راستے میں اور مسافروں کے اوپر صرف ہونا چاہیئے۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے فرض ہوا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
زکوٰۃ و عشر کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے کسی نبی پر نہیں چھوڑی

بلکہ خود ہی اس کے مصارف مقرر کیے ہیں۔" گویا قرآن و حدیث کی رو سے زکوٰۃ کے مستحق آٹھ (۸) قسم کے لوگ قرار دیئے گئے ہیں۔

۱۔ فُقَراءُ : فقیر کی جمع ہے اس سے وہ شخص مراد ہے جو بالکل اتنا خالی ہاتھ نہ ہو جس سے اس کے بال بچوں کی ضروریات پوری ہو سکیں اور نہ اس کے پاس اتنا روپیہ ہو کہ وہ شخص با زکوٰۃ دے اور علماء نے فرمایا: فقراء میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو محنت و مزدوری کر کے اپنی روزی تو پیدا کر سکتے ہیں لیکن کسی دینی خدمت میں لگے رہنے کی وجہ سے ان کو اس کام کا موقع نہیں ملتا ہے اور وہ خود اور ان کے بال بچے تکلیف اٹھاتے ہوں جیسے دین حق کے سچے داعی، مبلغین اسلام، دینی مدارس کے معلمین اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے بالغ طلبہ، بلکہ قرآن کریم نے آیت "لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ....الخ" میں خود تصریح کی ہے کہ ان کے حالات کا اندازہ کر کے خود سے ان کی مدد کرنی چاہیے جیسا کہ علماء اسلام میں سے حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ کے اعمال سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

اسی طرح زیر بحث آیت میں "وفی سبیل اللہ" آیا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرو، اس سے مجاہدین اسلام مراد ہیں جو اللہ کے دشمنوں کو اپنی تلواروں یا اپنے قلموں اور تبلیغ و تعلیم سے اسلام اور کلمۃ اللہ کی طرف دعوت دینے اور رب کائنات کا دین بلند کرنے میں کوشاں ہوں۔

پس ان دو لفظوں یعنی مساکین اور راہ خدا میں کام کرنے والے لوگ زکوٰۃ کے نہ صرف مستحق ہیں بلکہ ان کے کام اور دینی مشن کی آبیاری کرنے کی بنا پر وہ باقی چھ قسموں پر مقدم ہیں۔ خاص کر عربی مدارس اور ان کے دینی مقاصد مد نظر رکھ کر اس زمانہ الحاد و دہریت میں ان آٹھ قسموں میں بطریق اولیٰ داخل ہیں اور جو لوگ موجودہ

ملحدانہ اور کافرانہ نشو گاہوں سے عربی مدارس اور دینی انجمنوں کی مخالفت کرتے ہیں وہ خود انصاف سے اور جنت و دوزخ کا منظر سامنے رکھ کر فتوی سازی اور فتوی بازی کر لیا کریں اور خود اپنے نفسوں سے محاسبہ کریں کہ وہ اپنے فتوی سے اسلام کی روشنی بجھانے پر تلے ہوئے ہیں، یا وہ اپنے دیرینہ آقاؤں کو خوش کرتے ہیں — "لو کانوا یؤمنون" اور اس آیت کی جامع تفسیر ان شاء اللہ اپنی تفسیر "اسرار القرآن" میں آئیگی — اور اس سلسلہ میں مصر کے مشہور علامہ اور مجاہد جلیل سید قطب کا بھی حوالہ انجمن تبلیغ الاسلام کے دینی، علمی و ادبی ماہنامہ "الاعتقاد" میں دیا ہے — اور ناظرین کرام سے پھر عرض کرونگا کہ وہ غور کریں لفظ "فی سبیل اللہ" میں اللہ تعالی نے کتنی وسعت و گنجائش رکھدی ہے۔ اس لئے علامہ سید سلیمان ندوی اور مصر کے علامہ رشید رضا نے بھی اس میں دینی کاموں میں مدد کرنے والوں کو شامل کیا ہے۔

اور دوسرا مسئلہ اس جگہ عشر کا ہے۔ یعنی زمین سے خواہ وہ زراعت ہو یا باغات کے میوے یا سبزیاں اور ترکاریاں جو بھی پیدا ہوتی اُن کا دسواں (1/10) حصہ راہ خدا میں دینے کا نام عشر ہے، پر اس صورت میں ہے جبکہ زمین و باغات میں آبپاشی کے ذرائع اور وسائل قدرتی ہوں یعنی نہروں، کنوؤں اور دریاؤں کے پانی یا بارش سے زمین (رقبہ) خودبخود معمور ہو تو صاحب زمین یا کاشت کار کو اس پر محنت و مشقت نہ کرنی پڑتی ہو اور اگر زمین یا باغات وغیرہ کی پیداوار مشقت و محنت سے ہو تب نصف عشر یعنی کل پیداوار کا بیسواں حصہ دینا پڑتا ہے۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے ؟ کہ:
کشمیر کے مسلمانوں پر زمین و باغات کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر واجب ہے یا نہ؟
افسوس ہے کہ بیشتر علمائے کشمیر کو بچند وجوہ اس پر اظہار خیال کرنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ اس ملک میں ایسی حکومت کبھی وجود میں نہیں آئی جس کا خاکہ نظام ربانی پر مبنی رہا ہو۔
بہرحال ہم اپنے ماہنامہ (الاعتقاد) میں اس کا تفصیلی جواب مہیا کر سکیں گے۔ البتہ ہم قرآن مجید کی درج ذیل دو آیتیں آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔
سورہ آل عمران میں ارشاد ہے:
" یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ ..... الخ "
ترجمہ:
اے ایمان والو! اللہ کے راستہ میں اُن پاک چیزوں میں سے خرچ کرو جن کو تم نے کمایا ہے، اور ان چیزوں میں سے راہِ خدا میں صرف کرو جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں۔
اس آیت مبارکہ میں واضح طور پر دو حکم ہیں ___ پہلا یہ ہے کہ جو تم نے کار وبار اور تجارت کے ذریعہ کمایا ہے، اس سے زکوٰۃ نکالو ___ دوسرا حکم یہ ہے کہ جو اصل میں ہم نے تمہارے لئے زمین میں سے نکالا اور پیدا کیا اس سے بھی راہ خدا میں خرچ کرو۔ اسی دوسرے حکم کا نام عشر ہے اس سے زکوٰۃ مراد نہیں کیونکہ عربی زبان کے تحت القواعد معطوف علیہ اور معطوف میں مغایرت ہوتی ہے اور لوگ بھی کچھ تاجر پیشہ اور کچھ زراعت پیشہ ہیں، آیت مذکورہ میں دونوں قسم کے لوگوں کو سمیٹا اور احاطہ کیا گیا ہے۔ فالحمد للّٰہ ربّ العالمین"
لہٰذا زمین کاشت کرنے والے اور مالکین اراضی و باغات اللہ تعالیٰ

کا یہ ناطق حکم بغیر قیل وقال کے مدنظر رکھیں، عشر دینے سے کمی نہیں ہوگی۔ بلکہ پیداوار میں برکت، حفاظت ـــ بڑھے گی زرعی زمین کی زکوٰۃ جو مسلمان بھول گئے اور زمین سے برکت و حفاظت بھی ختم ہوگئی ہے۔

اور یاد رکھنا چاہیئے کہ مذکور الصدر حکم مطلق ہے اور علم اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے " المطلق یطلق علی اطلاقہ " حکم مطلق کسی قید کے ساتھ مقید اور محدود نہیں بنایا جائے گا۔ بلکہ اس کو اپنے اطلاق پر رہنے دیا جائے گا

۲. وجوب عشر پر دوسری آیت :

" وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝

(سورۃ الانعام)

ترجمہ :-

وہی اللہ ہے جس نے باغات اُگائے، اس چیز کے باغ بھی جس کی بیلیں ٹٹیوں وغیرہ پر چڑھائی جاتی ہیں (مثلاً انگور) اور وہ بھی جن کی بیلیں نہیں ہوتیں (آم اور امرود) اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور زیتون اور انار اور یہ سب آپس میں ملتے جلتے ہوتے ہیں اور ملتے جلتے نہیں بھی ہوتے تو ان میں جب پھل آجائیں تو خود بھی کھاؤ، کاٹنے اور توڑنے کے وقت ان میں جو شرعی حق عشر ہے اُس کو دیدو اور اسراف نہ کرو، نہ کھانے میں نہ دینے میں۔ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ "

اور خود سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جو کچھ زمین سے اُگے اس میں صدقہ ہے یعنی عشر۔ لہٰذا احکام خدا و رسول ﷺ پر عمل کر کے سعادتِ دارین حاصل کریں اور مولوی صاحبان کے حیلوں اور بہانوں سے دور رہیئے۔

اور یہ جو ہم نے اوپر عرض کیا ہے کہ عشر کا حکم مطلق عام ہے وہ کسی قید سے ساقط، مقید اور محدود نہیں ہے۔ یہ میرا خیال ہی نہیں ہے بلکہ علامہ شامی بھی شرح درمختار میں ایسا ہی فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم جلد ششم ص ۱۸۷۔

"وَقَالَ الشَّامِي ثُمَّ صَرَّحُوْا بِأَنَّ فَرْضِيَّةَ الْعُشْرِ ثَابِتَةٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ وَالْمَعْقُوْلِ وَبِأَنَّهُ زَكٰوةُ الثِّمَارِ وَالزُّرُوْعِ إِلَى أَنْ قَالَ لِعُمُوْمِ قَوْلِهِ تَعَالٰى أَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَقَوْلِهِ تَعَالٰى وَآتُوْا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَقَوْلِهِ —— صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَا سَقَتِ السَّمَاءُ فَفِيْهِ الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ فَفِيْهِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔"

ترجمہ:- "علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
علماءِ اسلام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ عشر کی فرضیت قرآن کریم، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اجماعِ امت اور قیاسِ صحیح شرعی سے ثابت ہے۔ اس لئے کہ یہ پھلوں اور کھیتی کی زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں: کہ اپنی پاک کمائی اور ان چیزوں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکال دی ہیں خدا کی راہ میں خرچ کیا کرو۔ اور دوسری آیت فرمایا کھیت اور فصل کاٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔ اور حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو کھیت
بارش، دریاؤں کے پانی اور دیگر قدرتی
وسائل سے پیداوار دے اس کا دسواں حصہ
راہِ خدا میں صرف کرو، اور جو زمین ڈولوں
اور دوسرے وسائل و مشقت کرنے کے
بعد پیداوار دیا کرے اس کا بیسواں حصہ
راہِ خدا میں دینا ہے۔"

لہٰذا، یہ حکمِ ناطق ہے تو اسی جیسا نصِ قاطع
عشر کے حکم کو منسوخ کر سکتا ہے اور باقی ہندوستان میں
عدمِ تعامل کی بات کرنا، تو یہ کوئی شرعی دلیل نہیں بن
سکتا۔ اور پھر دارالحرب اور دارالاسلام کی بحث میں پڑنا
تو دیندار تقویٰ شعار علماء جانتے ہیں کہ اس سے کتنے
نقصان دہ مسائل پیدا ہوں گے ـــــ پس علامہ شامیؒ نے
جو دوسری جگہ لکھا ہے کہ ہندوستان کی زمین میں عشر نہیں تو
یہ ارشاد محلِ تامل ہے، نہ معلوم اس وقت ہندوستان کے
کیا حالات تھے۔

بہرحال فقہائے کرام کو اگرچہ یہاں کے کھیتوں اور باغوں میں عشر
واجب ہونے میں اختلاف ہے مگر تمام علماءِ حق اس بات پر متفق ہیں
کہ عشر دینے میں احتیاط ہے تو آج یہی کہا جاتا ہے کہ کامل مسلمان وہی ہے جو
عشر یا نصف عشر احتیاطاً ہی سمجھ کر، علی حسب الحالات ادا کرتا ہے
بحث و جدال اور باہمی رسہ کشی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور راہِ احتیاط پر عمل کرنا
مسلمان کی شان ہے اور پھر کشمیر کے حالات ہندوستان کے حالات ہر بات میں
ایک جیسے نہیں ہیں تو ہندوستان کی آڑ لینا اچھا نہیں ہے۔ پھر دفعہ ۳۷۰
نے ہم کو نمایاں عزت بخشی ہے۔ لہٰذا دارالحرب والضرب ذالقتال
والاسلام ذالصلح والامان کی بحث میں وہی لوگ پڑ سکتے ہیں

جو مذکورہ دفعہ ختم کرانا چاہتے ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔"

یہ مسئلہ طولانی ہے اس پر مزید بحث اس وقت ہوگی جب کہ باب الفتویٰ انشاء اللہ مرتب ہوگا۔

ہاں اس سلسلہ میں متقی اور پرہیزگار مسلمان ایک بات یاد رکھیں کہ زکوٰۃ اور عشر میں فرق ہے کہ زکوٰۃ کے لئے نصاب کا پایا جانا اور حولانِ حول یعنی پورے سال کا گذر جانا شرط ہے اور زکوٰۃ سال بھر میں ایک دفعہ واجب ہوتی ہے لیکن زمین سے جو پیدا ہو جائے وہ کم ہو یا زیادہ اس پر عشر یا نصف عشر واجب ہے اور اگر زمین سال بھر میں دو فصلیں دو پیداوار یا اس سے زیادہ دے تو ہر پیداوار پر عشر یا نصف عشر مطابق صورت واقعیہ دینا ضروری ہے۔

نوٹ: جو فقہاء کرام ہندوستان میں عشر واجب نہ ہونے کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں زمینداروں یا کاشتکاروں کو مالیہ دینا پڑتا ہے تو اس لئے ان سے عشر ساقط ہے تو ان سے گذارش ہے کہ اگر تاجر لوگ بھی یہ کہیں گے کہ چونکہ ہمیں حکومت کی طرف انکم ٹیکس کی بھاری رقم دینی پڑتی ہے اس لئے ہم سے زکوٰۃ ساقط ہونی چاہئے تو فرمائیے کہ کیا ان کی یہ دلیل قابل قبول ہے؟ اور یہ بھی وہ بتائیں کہ کیا کوئی اسلامی حکومت ایسی ہے یا ایسی تھی جس نے انکم ٹیکس دینے کی وجہ سے تجارتی زکوٰۃ ساقط کی ہو؟ ۔۔

والعافیۃ للمتقین

فریضۂ حج

بسلسلہ فضیلتِ حج و عُمرہ، دُعاءِ طواف کعبہ، دعاءِ یوم عرفہ درمیدانِ عرفات درود و سلام بر روضۂ مقدس حضرت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

واضح رہے کہ حج یعنے زیارت بیت اللہ، وقوف عرفہ نویں ذی الحج، طوافِ زیارت، دیگر توابع و لوازم حج اسلام کے بنیادی فریضوں میں سے وہ آخری فریضہ ہے جسے دینی اہتمام، مذہبی کمال و جلال، روحانی سوز و گداز، محبوب حقیقی اور مطلوب اصلی ربّ الارباب احکم الحاکمین سے قرب و نزدیکی حاصل ہونے کے علاوہ حج کرنے والے کو صبر و ضبط، سفر کی صعوبت و مشقت کی برداشت، اسلام کی اجتماعیت اور اقتصادی فوائد اور عملاً تحقیق اخوت و برابری کا درس مل جاتا ہے پھر خصوصیت کے ساتھ حضرت محبوب ربّ المشرقین، سیّد الکونین اور خلاصۂ عالمین کے روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دیدار نصیب ہو کر آخری سعادت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم کو اور تمام قارئین کرام کو یہ سعادت اور دیار حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت و عظمت اور بھی زیادہ نصیب فرمائے اور اس کی زیارت کی سعادت سے ہمارے ظاہر و باطن کو پاک اور منور کرے۔

حج کی عظمت و شان کا اندازہ اس حدیث مبارک سے ہوگا کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "مَن حَجَّ ...

وَلَمْ یَحُجَّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَاءَ یَہُوْدِیًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِیًّا"

ترجمہ: جس شخص پر حج فرض ہو جائے پھر اس نے یہ فرض پورا نہیں کیا، یہاں تک کہ وہ بغیر حج کرنے کے مر گیا ایسا شخص چاہے تو یہودی مرے اور چاہے تو نصرانی مرے۔

امام غزالیؒ اس حدیثِ مبارک کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فاعظم بعبادۃٍ یعدم الدّین بفقدھا الکمال ویساوی تارکھا الیھود والنصاریٰ فی الضلال" کہ، ذرا غور کرو کہ حج کیسی شاندار عبادت و فریضۂ الٰہی ہے کہ اس کے انجام دینے سے دینی کمال فنا ہوتا ہے۔ اور تارکِ حج ضلالت و گمراہی میں یہود و نصاریٰ کے برابر ہوتا ہے ـــــ مگر افسوس ہے کہ حجِ بیت اللہ کی اس عظمت کے باوجود بہت سے کور باطن طاقت و دولت کے باوجود محراب و منبر پر چیختے چیختے تھک جاتے ہیں مگر انہیں فرضِ حجِ بیت اللہ اور زیارتِ کعبۂ مکرمہ نصیب نہیں ہوتی یہ اُن کی انتہائی شقاوت و بد باطنی کی علامت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِہٖ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ" کہ جس نے کعبہ کا قصد و ارادہ کر کے اس دوران فحش کلامی بدکلامی اور فسق و فجور نہیں کیا تو وہ فراغتِ حج کے وقت گناہوں سے ایسا صاف و پاک ہو گیا کہ گویا وہ اسی دن دُنیا میں پیدا ہوا۔

اور آپ صلعم کا ارشاد ہے:

"اَعْظَمُ النَّاسِ ذَنْبًا مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَۃَ فَظَنَّ اَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَغْفِرْ لَہٗ" (احیاء علوم الدین ص ۱۷۲)

کہ رب سے گنا ہگار وہ شخص ہے کہ جس نے نویں ذی الحجہ میدانِ عرفات میں وقوف کیا اور کچھ دیر ٹھہرا پھر اس نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مغفرت نہیں فرمائی۔ یعنے گناہوں کی مغفرت و بخشش کے لئے عرفہ کے دن عرفات میں پہنچنا کافی ہے۔ اس لئے دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اَلْحَجُّ اَلْعَرَفَۃُ" حج تو نویں ذی الحجہ عرفات میں پہنچنے کا نام ہے" یعنے آپ نے اس حدیث مبارک میں حج کا رُکنِ اعظم بیان فرمایا۔ لہذا نویں ذی الحجہ عرفات پہنچنا ضروری ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: " یَنْزِلُ عَلٰی ھٰذَا الْبَیْتِ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ مِائَۃٌ وَعِشْرُوْنَ رَحْمَۃً سِتُّوْنَ لِلطَّائِفِیْنَ وَاَرْبَعُوْنَ لِلْمُصَلِّیْنَ وَعِشْرُوْنَ لِلنَّاظِرِیْنَ" کہ ہر روز کعبہ شریف بیت اللہ پر ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں کے لئے چالیس رحمتیں ان لوگوں کے لئے جو اس میں نماز پڑھیں گے اور بیس رحمتیں ان لوگوں کے لئے نازل ہوتی ہیں جو اس کی طرف عجز و نیاز اور عزت و احترام سے دیکھیں گے۔

مختصر گذارش یہ ہے کہ حج کرنے سے دین کی تکمیل ہوتی ہے اور اس کے انجام نہ دینے سے آدمی کا دین نامکمل اور ادھورا رہتا ہے۔ چونکہ کعبہ شریف کے خصوصی طور پر طواف قدوم، طواف زیارہ اور طوافِ وداع ہوتے ہیں اور ہر طواف سات سات گردشوں کے کرنے سے مکمل ہوتا ہے اور ہر گردش کی دُعا کے کلمات مقرر ہیں۔ اسی طرح عرفہ کے دن کی دُعا کے کلمات معین ہیں اور

روضۂ مقدسہ میں پہنچنے کے وقت آداب و سلام کے الفاظ مخصوص ہیں۔ اس لئے درج ذیل سطروں میں یہ دعائیں بشکریہ مصنف مناسک حج لکھے جاتے ہیں تاکہ حجاج کرام کو فائدہ ہو اور وہ ہمیں اس وقت نیک دعاؤں سے یاد فرمائیں گے۔ (بخاری)

۱۔ طواف کی پہلی گردش کی دعاء :

"سُبحانَ اللّٰہِ والحمدُ للّٰہ وَ لا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اکبر ولاحَولَ ولاقوۃَ اِلّا باللّٰہِ العَلِیِّ العظیم ۔ والصّلوٰۃ والسّلامُ علیٰ رسولِ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ علیہِ وَآلِہٖ وسلم اَللّٰھُمَّ ایمانًا بکَ وتصدیقًا بکتابکَ ووفاءً بعھدِکَ واتباعًا لسُنّۃِ نبیِّکَ وحبیبکَ محمّدٍ صلّی اللّٰہ علیہِ وَآلِہٖ وَسلّم اَللّٰھُمَّ اِنّی اَسألُکَ العفوَ والعافیۃَ والمعافاۃَ الدّائمۃَ فی الدّینِ والدُّنیا والآخرۃِ والفوزَ بالجنّۃِ والنّجاۃَ مِنَ النّار۔"

ہر گردش میں دو رکنوں کے بیچ میں یہ دعا پڑھے :

"رَبّنا آتنا فِی الدُّنیا حَسَنَۃً وفی الآخرۃِ حسنۃً وقِنا عذابَ النّار وأدخِلنا الجنّۃَ مع الابرارِ یاعزیزُ یاغفّارُ یا ربَّ العالمینَ ۔"

۲۔ دوسری گردش کی دعاء :

"اللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذا البیتَ بیتُکَ والحرمَ حرمُکَ والأمنَ أمنُکَ والعبدَ عبدُکَ وَأنا عبدُکَ وَابنُ عَبدِکَ وھٰذا مقامُ العائذِ بکَ مِنَ النّارِ اللّٰھُمَّ

حَبِّبْ إِلَيْنَا الْإِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِيْ قُلُوْبِنَا وَكَرِّهْ إِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِيْنَ، اللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ، اللّٰهُمَّ أَدْخِلْنِيْ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ"

۳۔ تیسری گردش کی دُعاء:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّكِّ وَالشِّرْكِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْأَخْلَاقِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ وَالْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ وَالْوَلَدِ، اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ رِضَاكَ وَجَنَّتَكَ وَأَعُوْذُ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ، اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ"

۴۔ چوتھی گردش کی دُعاء:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَسَعْيًا مَشْكُوْرًا وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا وَعَمَلًا صَالِحًا مَقْبُوْلًا وَتِجَارَةً لَنْ تَبُوْرَ يَا عَالِمَ مَا فِي الصُّدُوْرِ أَخْرِجْنِيْ يَا اَللّٰهُ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ، اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ، رَبِّ قَنِّعْنِيْ بِمَا رَزَقْتَنِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَنِيْ وَاخْلُفْ عَلَى كُلِّ غَائِبَةٍ لِّيْ مِنْكَ بِخَيْرٍ"

۵۔ پانچویں گردش کی دعاء :

"اَللّٰهُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ یَوْمَ لَا ظِلَّ
اِلَّا ظِلُّكَ وَلَا بَاقِیَ اِلَّا وَجْهُكَ وَاسْقِنِیْ مِنْ حَوْضِ
نَبِیِّكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَرْبَةً
هَنِیْئَةً مَرِیْئَةً لَا نَظْمَأُ بَعْدَهَا اَبَدًا ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ
اَسْأَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ سَیِّدُنَا
مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَاَعُوْذُ بِكَ
مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ سَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ
الْجَنَّةَ وَنَعِیْمَهَا وَمَا یُقَرِّبُنِیْ اِلَیْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ
فِعْلٍ اَوْ عَمَلٍ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا یُقَرِّبُنِیْ
اِلَیْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ فِعْلٍ اَوْ عَمَلٍ"

٦۔ چھٹی گردش کی دعاء :

"اَللّٰهُمَّ اِنَّ لَكَ عَلَیَّ حُقُوْقًا كَثِیْرَةً فِیْمَا بَیْنِیْ وَ
بَیْنَكَ وَحُقُوْقًا كَثِیْرَةً فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَلْقِكَ ۔
اَللّٰهُمَّ مَا كَانَ لَكَ مِنْهَا فَاغْفِرْهُ لِیْ وَمَا كَانَ
لِخَلْقِكَ فَتَحَمَّلْهُ عَنِّیْ وَاَغْنِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ
وَبِطَاعَتِكَ عَنْ مَعْصِیَتِكَ وَبِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ
یَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّ بَیْتَكَ عَظِیْمٌ وَوَجْهَكَ
كَرِیْمٌ وَاَنْتَ یَا اَللّٰهُ حَلِیْمٌ كَرِیْمٌ عَظِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ
فَاعْفُ عَنِّیْ ۔

۷۔ ساتویں گردش کی دُعاء :

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اِیْمَانًا کَامِلًا وَّیَقِیْنًا صَادِقًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّقَلْبًا خَاشِعًا وَّلِسَانًا ذَاکِرًا وَّحَلَالًا طَیِّبًا وَّتَوْبَۃً نَّصُوْحًا وَّتَوْبَۃً قَبْلَ الْمَوْتِ وَمَغْفِرَۃً وَّرَحْمَۃً بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَفْوَ عِنْدَ الْحِسَابِ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّۃِ وَالنَّجَاۃَ مِنَ النَّارِ بِرَحْمَتِکَ یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّارُ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ"

میدانِ عرفہ کی دُعاء :

جو میدانِ عرفات میں حجاجِ کرام پڑھتے ہیں :۔

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ وَفَّقْتَنِیْ وَحَمَلْتَنِیْ عَلٰی مَا سَخَّرْتَ لِیْ حَتّٰی بَلَّغْتَنِیْ بِاِحْسَانِکَ اِلٰی زِیَارَۃِ بَیْتِکَ وَالْوُقُوْفَ عِنْدَ ھٰذَا الْمَشْعَرِ الْعَظِیْمِ اِقْتِدَاءً بِسُنَّۃِ خَلِیْلِکَ وَاقْتِفَاءً بِاٰثَارِ خِیَرَتِکَ مِنْ خَلْقِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَاِنَّ لِکُلِّ ضَیْفٍ قِرًی وَّلِکُلِّ وَفْدٍ جَائِزَۃً وَّلِکُلِّ زَائِرٍ کَرَامَۃً وَّلِکُلِّ سَائِلٍ عَطِیَّۃً وَّلِکُلِّ رَاجٍ ثَوَابًا وَّلِکُلِّ مُلْتَمِسٍ لِّمَا عِنْدَکَ جَزَاءً وَّلِکُلِّ رَاغِبٍ اِلَیْکَ زُلْفَۃً وَّلِکُلِّ مُتَوَجِّہٍ اِلَیْکَ اِحْسَانًا وَّقَدْ وَقَفْنَا بِھٰذَا الْمَشْعَرِ

الْعَظِيمِ رَجَاءً لِمَا عِنْدَكَ فَلَا تُخَيِّبِ الْيَوْمَ رَجَاءَنَا
فِيكَ يَا سَيِّدَنَا يَا مَوْلَانَا يَا مَنْ خَضَعَتْ كُلُّ
الْأَشْيَاءِ لِعِزَّتِهِ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِعَظَمَتِهِ. اللّٰهُمَّ إِلَيْكَ
خَرَجْنَا وَبِفِنَائِكَ أَنَخْنَا وَإِيَّاكَ أَمَّلْنَا وَمَا عِنْدَكَ
طَلَبْنَا وَلِإِحْسَانِكَ تَعَرَّضْنَا وَلِرَحْمَتِكَ رَجَوْنَا وَمِنْ
عَذَابِكَ أَشْفَقْنَا وَلِبَيْتِكَ الْحَرَامِ حَجَجْنَا يَا مَنْ
يَمْلِكُ حَوَائِجَ السَّائِلِينَ وَيَعْلَمُ ضَمَائِرَ الصَّامِتِينَ
يَا مَنْ لَيْسَ مَعَهُ رَبٌّ يُدْعَى وَلَا إِلٰهٌ يُرْجَى وَلَا
فَوْقَهُ خَالِقٌ يُخْشَى، وَلَا وَزِيرٌ يُؤْتَى وَلَا حَاجِبٌ
يُرْشَى، يَا مَنْ لَا يَزْدَادُ عَلَى السُّؤَالِ إِلَّا كَرَمًا وَجُودًا
وَعَلَى كَثْرَةِ الْحَوَائِجِ إِلَّا تَفَضُّلًا وَإِحْسَانًا يَا مَنْ
ضَجَّتْ بَيْنَ يَدَيْهِ الْأَصْوَاتُ بِلُغَاتٍ مُخْتَلِفَاتٍ
يَسْأَلُونَكَ الْحَاجَاتِ وَسَكَبَتِ الدُّمُوعُ بِالْعَبَرَاتِ
وَالزَّفَرَاتِ مُلِحِّينَ بِالدَّعَوَاتِ، فَحَاجَتِي إِلَيْكَ
يَا رَبِّ مَغْفِرَتُكَ وَرِضَاءٌ مِنْكَ عَلَيَّ لَا سُخْطَ
بَعْدَهُ وَهُدًى لَا ضَلَالَ بَعْدَهُ وَعِلْمٌ لَا جَهْلَ
بَعْدَهُ وَحُسْنُ الْخَاتِمَةِ وَالْعِتْقُ مِنَ النَّارِ وَالْفَوْزُ
بِالْجَنَّةِ، وَأَنْ تَذْكُرَنِي عِنْدَ الْبَلَاءِ إِذَا نَسِيَنِي
أَهْلُ الدُّنْيَا وَوَارَانِي التُّرَابُ وَانْقَطَعَ عَنِّي الْأَحِبَّاءُ
وَتَقَطَّعَتْ بِيَ الْأَسْبَابُ يَا عَزِيزُ يَا وَهَّابُ يَا أَرْحَمَ
الرَّاحِمِينَ اللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَرَى مَكَانِي وَتَسْمَعُ كَلَامِي
وَتَعْلَمُ سِرِّي وَعَلَانِيَتِي وَلَا يَخْفَى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ

أَمْرِي أَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيرُ الْمُسْتَغِيثُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ
الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهِ أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمِسْكِينِ
وَأَبْتَهِلُ إِلَيْكَ ابْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيلِ وَأَدْعُوكَ
دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيرِ دُعَاءَ مَنْ خَضَعَ لَكَ عُنُقُهُ
وَذَلَّ لَكَ جَسَدُهُ وَفَاضَتْ لَكَ عَيْنَاهُ وَرَغِمَ
لَكَ أَنْفُهُ لَا تَجْعَلْنِي بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا
وَكُنْ لِي رَؤُفًا رَحِيمًا يَا خَيْرَ الْمَسْؤُولِينَ وَيَا خَيْرَ
الْمُعْطِينَ رَبِّ اهْدِنَا بِالْهُدَى وَزَيِّنَّا بِالتَّقْوَى
وَاغْفِرْ لَنَا فِي الْآخِرَةِ وَالْأُولَى ۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ
فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَفِي بَصَرِي
نُورًا وَفِي لِسَانِي نُورًا وَعَنْ يَمِينِي نُورًا وَعَنْ
يَسَارِي نُورًا وَمِنْ فَوْقِي نُورًا وَمِنْ تَحْتِي نُورًا
وَمِنْ أَمَامِي نُورًا وَمِنْ خَلْفِي نُورًا وَاجْعَلْ لِي
فِي نَفْسِي نُورًا وَأَعْظِمْ لِي نُورًا رَبِّ اشْرَحْ
لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۔ اللّٰهُمَّ إِنِّي
أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتُّقَى وَالْعَفَافَ وَالْغِنَى اللّٰهُمَّ
لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِي تَقُولُ وَخَيْرًا مِمَّا تَقُولُ اللّٰهُمَّ
إِنِّي أَسْأَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ
سَخَطِكَ وَالنَّارِ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ
أَوْ عَمَلٍ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُورًا وَذَنْبًا مَغْفُورًا
وَعَمَلًا صَالِحًا مَقْبُولًا رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً
وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ إِلَى

لا قوة لي على سخطك ولا صبر لي على عذابك
ولا غنى لي عن رحمتك ولا قوة لي على البلاء
ولا طاقة لي على الجهد أعوذ برضاك من سخطك
ومن فجاءة نقمتك يا أملي ويا رجائي يا خير
مستغاث يا أجود المعطين يا من سبقت
رحمته غضبه يا سيدي ومولاي يا ثقتي ورجائي
ومعتمدي اللهم يا من لا يشغله سمع عن سمع
ولا تشتبه عليه الأصوات يا من لا تغلطه
المسائل ولا تختلف عليه اللغات يا من لا يبرمه
إلحاح الملحين ولا تعجزه مسألة السائلين
أذقنا برد عفوك وحلاوة مغفرتك
يا أرحم الراحمين، اللهم إني قد وفدت
إليك ووقفت بين يديك في هذا الموضع
الشريف رجاء لما عندك فلا تجعلني
اليوم أخيب وفدك فأكرمني بالجنة
ومن علي بالمغفرة والعافية وأجرني
من النار وادرأ عني شر خلقك، انقطع
الرجاء إلا منك أغلقت الأبواب إلا
بابك فلا تكلني إلى أحد سواك في أمور
ديني ودنياي طرفة عين ولا أقل من
ذلك وانقلني من ذل المعصية إلى عز
الطاعة ونور قلبي وقبري وأعذني من

الشر كله واجمع لي الخير كله يا من سئل واجود من اعطى. اللهم بنورك اهتدينا وبفضلك استغنينا وفي كنفك وانعامك وعطائك واحسانك اصبحنا وامسينا أنت الاول فلا شيء قبلك والآخر فلا شيء بعدك والظاهر فلا شيء فوقك والباطن فلا شيء دونك نعوذ بك من الفلس والكسل وعذاب القبر وفتنة الغنى اسألك موجبات رحمتك وعزائم مغفرتك والغنيمة من كل بر والسلامة من كل اثم والفوز بالجنة والنجاة من النار. اللهم يا عالم الخفيات ويا سامع الاصوات يا باعث الاموات يا مجيب الدعوات يا قاضي الحاجات خالق الارض والسموات أنت الله الذي لا اله الا أنت الواحد الاحد الفرد الصمد الوهاب الذي لا يبخل والحليم الذي لا يعجل لا راد لامرك ولا معقب لحكمك رب كل شيء ومليك كل شيء ومقدر كل شيء اسألك ان ترزقني علما نافعا ورزقا واسعا وقلبا خاشعا ولسانا ذاكرا وعملا زكيا وايمانا خالصا وهب لنا انابة المخلصين وخشوع المخبتين واعمال الصالحين ويقين

الصادقين وسعادة المتقين ودرجات الفائزين
يا افضل من قصد واكرم من سئل واحلم
من اغضب ما احلمك على من عصاك واقربك
الى من دعاك واعطفك على من سئلك
لامهدى الا من هديت ولاضال الا من اضللت
ولاغنى الا من اغنيت ولافقير الا من افقرت
ولامعصوم الا من عصمت ولامستور الا من
سترت. اسألك ان تهب لنا جزيل عطائك
والسعادة بلقائك والمزيد من نعمك و
آلائك وان تجعل لنا نورا فى حياتنا و
نورا فى مماتنا ونورا فى قبورنا ونورا فى
حشرنا ونورا نتوسل به اليك ونورا نفوز به
لديك فانا ببابك سائلون وبنوالك
معترفون وللقائك راجون. اللهم اجعل
خير عمرى آخره وخير عملى خواتمه و
خير ايامى يوم لقائك. اللهم ثبتنى
بامرك وايدنى بنصرك وارزقنى من
فضلك ونجنى من عذابك يوم تبعث عبادك
فقد اتيتك لرحمتك راجيا وعن وطنى
نائيا ولنسكى مؤديا ولفرائضك قاضيا
ولكتابك تاليا ولك داعيا ولقسوة قلبى
شاكيا ومن ذنبى خاشيا ولنفسى ظالما و

بجرمي عالمًا دعاء من جمّت عيوبه وكثرت
ذنوبه وتصرّمت آماله وبقيت آثامه وانسكبت
دمعته وانقطعت مدّته دعاء من لا يجد
لذنبه غافرا غيرك ولا لما مؤمّله من الخيرات
معطيا سواك ولا لكسره جابرا إلّا أنت
يا أرحم الراحمين ولا حول ولا قوّة إلّا
بالله العلي العظيم . اللّهمّ لا تقدّمني
لعذابك ولا تؤخّرني لشيء من الفتن
مولاي فها أنا أدعوك راغبا وانصب
إليك وجهي طالبا واضع لك خدّي مهينا واهنا
فتقبّل دعائي واصلح الفاسد من أمري واقطع
من الدنيا همّي وحاجتي واجعل فيما عندك
رغبتي واقلبني منقلب المذكورين عندك
المقبول دعاؤهم القائمة حجّتهم المغفور
ذنبهم المبرور حجّهم المحطوط خطاياهم
الممحوّة سيّئاتهم الراشد أمرهم منقلب
من لا يعصي لك أمرا ولا يأتي بعده
مأثما ولا يحمل بعده وزرا منقلب
من عمرت بذكرك لسانه وطهّرت من
الأدناس بدنه واستودعت الهدى قلبه
وشرحت بالإسلام صدره وأقررت برضاك
وعفوك قبل الممات عينه وغضضت عن

الْمَاثِمِ بَصَرَهٗ وَاسْتَعْمَلْتُ فِيْ سَبِيْلِكَ نَفْسَهٗ وَ
أَسْأَلُكَ اَنْ لَا تَجْعَلَنِيْ اَشْقٰى خَلْقِكَ الْمُذْنِبِيْنَ
عِنْدَكَ وَلَا اَخْيَبَ الرَّاجِيْنَ لَدَيْكَ وَلَا اَحْرَمَ
الْاٰمِلِيْنَ لِرَحْمَتِكَ وَلَا اَخْسَرَ الْمُنْقَلِبِيْنَ مِنْ هٰذَا
الْمَوْقِفِ الْعَظِيْمِ مَوْلَايَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ
وَقَدْ دَعَوْتُكَ بِالدُّعَاءِ الَّذِيْ عَلَّمْتَنِيْهِ فَلَا
تَحْرِمْنِي الرَّجَاءَ الَّذِيْ عَرَّفْتَنِيْهِ يَا مَنْ لَا تَنْفَعُهُ
الطَّاعَةُ وَلَا تَضُرُّهُ الْمَعْصِيَةُ وَمَا اَعْطَيْتَنِيْ
مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ لِيْ عَوْنًا فِيْمَا تُحِبُّ وَاجْعَلْهُ
لِيْ خَيْرًا وَحَبِّبْ طَاعَتَكَ لِيْ وَالْعَمَلَ بِهَا
كَمَا حَبَّبْتَهَا اِلٰى اَوْلِيَائِكَ حَتّٰى رَأَوْا ثَوَابَهَا
وَكَمَا هَدَيْتَنِيْ لِلْاِسْلَامِ فَلَا تَنْزِعْهُ مِنِّيْ حَتّٰى
تَقْبِضَنِيْ اِلَيْكَ وَاَنَا عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ
اِلَيَّ الْاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِيْ قَلْبِيْ وَكَرِّهْ اِلَيَّ
الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِيْنَ
اَللّٰهُمَّ اخْتِمْ بِالْخَيْرَاتِ اٰجَالَنَا وَحَقِّقْ بِفَضْلِكَ
اٰمَالَنَا وَسَهِّلْ لِبُلُوْغِ رِضَاكَ سُبُلَنَا وَحَسِّنْ
فِيْ جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ اَعْمَالَنَا يَا مُنْقِذَ الْغَرْقٰى يَا
مُنْجِيَ الْهَلْكٰى يَا شَاهِدَ كُلِّ نَجْوٰى يَا مُنْتَهٰى
كُلِّ شَكْوٰى يَا قَدِيْمَ الْاِحْسَانِ يَا دَائِمَ الْمَعْرُوْفِ
يَا مَنْ لَا غِنٰى لِشَيْءٍ عَنْهُ وَلَا بُدَّ لِكُلِّ شَيْءٍ
مِنْهُ يَا مَنْ رِزْقُ كُلِّ شَيْءٍ عَلَيْهِ وَمَصِيْرُ

كل شيء اليه اليك رفعت ايدي السائلين
وامتدت اعناق العابدين نسألك ان
تجعلنا في كنفك وجودك وحوزك و
عيازك وسترك واما نك اللهم انا
نعوذ بك من جهد البلاء و درك
الشقاء و شماتة الاعداء وسوء المنظر
والمنقلب في الاهل والمال والولد
اللهم لا تدع في مقامنا هذا ذنبا
الا غفرته ولا هما الا فرجته ولا غائبا
الا رددته ولا كربا الا كشفته ولا
دينا الا قضيته ولا عدوا الا كبته ولا
فسادا الا اصلحته ولا مريضا الا
عافيته ولا خلة الا سددتها ولا
حاجة من حوائج الدنيا والاخرة لك
فيها رضا ولنا فيها صلاح الا قضيتها
فانك تهدي السبيل وتجبر الكسير وتغني
الفقير اللهم انه لا بد لنا من لقائك
فاجعل عندك عذرنا مقبولا وذنبنا
مغفورا وعملنا موفورا وسعينا مشكورا
اصبح وجهي الفاني مستجيرا بوجهك الباقي
القيوم ذي العزة والجبروت اللهم لا يمنعني
منك احد اذا اردتني ولا يعطيني احد

إِذَا حَرَمْتَنِي فَلَا تَحْرِمْنِي بِقِلَّةِ شُكْرِي وَ
لَا تَخْذُلْنِي بِقِلَّةِ صَبْرِي اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ
الْمَوْتَ خَيْرَ غَائِبٍ نَنْتَظِرُهُ وَالْقَبْرَ خَيْرَ
بَيْتٍ نَعْمُرُهُ وَاجْعَلْ مَا بَعْدَهُ خَيْرًا لَنَا مِنْهُ
رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِأَبْنَائِي وَلِإِخْوَانِي وَ
لِأَهْلِ بَيْتِي وَذُرِّيَّتِي وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْأَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْأَمْوَاتِ
اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيمَانًا يُبَاشِرُ قَلْبِي وَيَقِينًا
صَادِقًا حَتّٰى أَعْلَمَ أَنَّهُ لَا يُصِيبُنِي إِلَّا مَا كَتَبْتَ
لِي وَرَضِّنِي بِقَضَائِكَ وَأَعِنِّي عَلَى الدُّنْيَا بِالْعِفَّةِ
وَالْقَنَاعَةِ وَعَلَى الدِّينِ بِالطَّاعَةِ وَطَهِّرْ لِسَانِي
مِنَ الْكَذِبِ وَقَلْبِي مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِي مِنَ الرِّيَاءِ
وَبَصَرِي مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ
الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ
غُرْبَتِي فِي الدُّنْيَا وَمَصْرَعِي عِنْدَ الْمَوْتِ
وَوَحْشَتِي فِي قَبْرِي وَمَقَامِي بَيْنَ يَدَيْكَ
اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ
وَتَعَالَيْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ
الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ
نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي
فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ وَاهْدِنِي
لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ فَلَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ

واصرف عني سيئها فانه لا يصرف سيئها الا انت لبيك
وسعديك والخير كله بيديك واتوب اليك اللهم
احيني ما علمت الحياة خيرا لي وتوفني اذا علمت
الوفاة خيرا لي واهدني لارشد امري واجرني من
شر نفسي اللهم احسن عاقبتنا في الامور كلها و
اجرني من خزي الدنيا وعذاب الاخرة وارحم
غربتي في الدنيا ومصرعي عند الموت ووحدتي
في القبر ومقامي بين يديك اللهم اني اسألك
باسمك الطيب الطاهر المبارك الاحب اليك
الذي اذا دعيت به اجبت واذا استرحمت
به رحمت واذا استفرجت به فرجت ان
تعيذني من الكفر والفقر والقلة والذلة والعلة
وكافة الامراض والاعراض وسائر الاسقام
والالام واسألك فواتح الخير وخواتمه و
جوامعه واوله واخره وظاهره وباطنه
والدرجات العلى اللهم اني اسألك فرجا قريبا
ونصرا عزيزا وصبرا جميلا وفتحا مبينا و
علما كثيرا نافعا ورزقا واسعا مباركة في
عافية بلا بلاء واسألك العافية من كل
بلية واسألك تمام العافية والشكر على
العافية اللهم اقسم لي من خشيتك ما تحول
به بيني وبين معاصيك ومن طاعتك

مَا تُبَلِّغُنِي بِهِ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِينِ مَا تُهَوِّنُ عَلَيَّ
مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنِي اللّٰهُمَّ بِسَمْعِي وَبَصَرِي
وَدِينِي وَاجْعَلْهَا الْوَارِثَ مِنِّي وَاجْعَلْ ثَأْرِي
عَلَى مَنْ ظَلَمَنِي وَانْصُرْنِي عَلَى مَنْ عَادَانِي وَلَا
تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّي وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِي وَلَا
إِلَى النَّاسِ مَصِيرِي۔ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِنُورِ
وَجْهِكَ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِكَ الْعَظِيمِ تَوْبَةً
صَادِقَةً وَأَوْبَةً خَالِصَةً وَإِنَابَةً كَامِلَةً وَ
مَحَبَّةً غَالِيَةً وَشَوْقًا إِلَيْكَ وَرَغْبَةً فِيمَا لَدَيْكَ
وَفَرَجًا عَاجِلًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَلِسَانًا رَطْبًا
بِذِكْرِكَ وَقَلْبًا مُنَعَّمًا بِشُكْرِكَ وَبَدَنًا هَيِّنًا
لَيِّنًا بِطَاعَتِكَ وَأَعْطِنَا مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا
أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ اللّٰهُمَّ
إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ إِلَّا إِلَيْكَ وَمِنَ الذُّلِّ
إِلَّا لَكَ وَمِنَ الْخَوْفِ إِلَّا مِنْكَ وَأَعُوذُ بِكَ
مِنْ أَنْ أَقُولَ زُورًا أَوْ أَغْشَى فُجُورًا أَوْ أَكُونَ
بِكَ مَغْرُورًا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ
وَعُضَالِ الدَّاءِ وَخَيْبَةِ الرَّجَاءِ وَزَوَالِ النِّعَمِ
وَفُجَاءَةِ النِّقَمِ يَا مَنْ فَتَحَ بَابَهُ لِلطَّالِبِينَ
وَأَظْهَرَ غِنَاهُ لِلرَّاغِبِينَ وَأَطْلَقَ أَلْسِنَةَ
الْقَاصِدِينَ أَلْهِمْنَا مَا أَلْهَمْتَ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ
وَأَيْقِظْنَا مِنْ رَقْدَةِ الْغَافِلِينَ إِنَّكَ أَكْرَمُ

متمم واعز معين اللهم ان عيوبنا لا تسترها
الا محاسن عطفك وذنوبنا لا يغفرها الا
واسع احسانك وعفوك واجعلنا من المتقين
الابرار واسلك بنا سبيل عبادك الاخيار
والهمنا رشدنا واجزل من رضوانك ..
حظنا ولا تخزنا بذنوبنا ولا تطردنا
بعيوبنا ولا تقطعنا من برك ولا تنسنا ذكرك
ولا تهتك عنا سترك واغفر لنا ما اقترفناه
من ذنوبنا واعف عن تقصيرنا في طاعتك
وشكرك وادم لنا لزوم الطريق اليك وهب
لنا نورا نهتدي به اليك وارزقنا حلاوة
مناجاتك واسلك بنا سبيل مرضاتك
واقطع عنا كل ما يبعدنا عن خدمتك و
طاعتك وانقذنا من دركاتنا وغفلاتنا
والهمنا رشدنا وحقق فيك قصدنا ..
واسترنا في دنيانا واخرتنا واحشرنا
في زمرة المتقين والحقنا بعبادك .
الصالحين اللهم اجعلنا من الائمة الابرار
واسكنا معهم في دار القرار ولا تجعلنا من
المخالفين الفجار ووفقنا لحسن الاقبال عليك
والاصغاء اليك والمبادرة الى خدمتك و
حسن الادب في معاملتك والتسليم لامرك

والرّضا بقضائك والصّبر على بلائك والشكر
على نعمائك وأعذنا من أحوال الشّقاء ووفقنا
لاعمال أهل التّقى وارزقنا الاستعداد ليوم
اللّقاء يا من عليه الاعتماد والمتكل اللّهمّ
انهج بنا مناهج المفلحين والبسنا خلع الايمان
واليقين وخصّنا منك بالتّوفيق المبين
ووفقنا لقول الحق واتّباعه وخلّصنا من
الباطل وابتداعه وكن لنا مؤيّدا ولا
تجعل لفاجر علينا يدا واجعل لنا عيشا
رغدا ولا تشمت بنا عدوّا ولا حاسدا وارزقنا
علما نافعا وعملا متقبّلا وفهما ذكيّا وطبعا
صفيّا وشفاء من كلّ داء . اللّهمّ عاملنا
بغفرانك وامنن علينا بفضلك واحسانك
ونجّنا من النّار وعافنا من دار الخزي والبوار
وادخلنا بفضلك الجنّة دار القرار واجعلنا
مع الّذين أنعمت عليهم في دار رضوانك
يا من ظهرت معرفته للقلوب فلا يخفى
وجوده وعمّ جميع خلقه كرمه وجوده
اللّهمّ لا تجعل هذا آخر عهدي من هذا
الموقف العظيم وارزقني الرّجوع اليه مرّات
كثيرة بلطفك العميم واجعلني فيه مفلحا
مرحوما مستجاب الدّعاء فائزا بالقبول والرّضوان

وَالتَّجَاوُزَ وَالْغُفْرَانَ وَالرِّزْقَ الْحَلَالَ الْوَاسِعَ
وَبَارِكْ لِي فِي جَمِيْعِ أُمُوْرِي وَمَا أَرْجِعُ إِلَيْهِ مِنْ
أَهْلِي وَمَالِي وَأَوْلَادِي رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا
حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ
وَاغْفِرْ لَنَا وَلِوَالِدَيْنَا وَذُرِّيَّاتِنَا
وَإِخْوَانِنَا وَأَهَالِيْنَا وَالْحَاضِرِيْنَ وَالْغَائِبِيْنَ مِنَ
الْمُسْلِمِيْنَ أَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ
وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَ
أَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ ۔

• زیارت مدینۂ منوّرہ ۔

مدینۂ منوّرہ پہنچ کر غسل کرلیں ، نئے کپڑے پہن لیں اور
نہایت عاجزی اور ادب کے ساتھ یہ دعاء پڑھیں :-

" بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ رَبِّ
أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ
صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا
نَصِيْرًا ۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ الَّذِي حَرَّمْتَهُ
عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَاكَ أَنْ تَجْعَلَ فِيْهِ مِنَ
الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ مِثْلَيْ مَا هُوَ بِحَرَمِ بَيْتِكَ
الْحَرَامِ فَحَرِّمْنِي عَلَى النَّارِ وَآمِنِّي مِنْ
عَذَابِكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ وَارْزُقْنِي

مَا رَزَقْتَہٗ اَوْلِیَاءَکَ وَاَھْلَ طَاعَتِکَ وَوَفِّقْنِیْ فِیْہِ لِحُسْنِ الْاَدَبِ وَفِعْلِ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکِ الْمُنْکَرَاتِ اٰمِیْن!

● مسجدِ نبویؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے:-

"بِسْمِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ۔

آدابِ سلام:-

● پھر حاجی قبر شریف کے پاس آکر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روئے نازنین کے آگے کم از کم چار گز دور نہ کر نہایت ادب اور انکساری سے یہ سلام پڑھے:-

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَیْرَ خَلْقِ اللّٰہِ، اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مَنْ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَاِمَامَ الْمُتَّقِیْنَ وَقَائِدَ الْغُرِّ

الْمُصْلِحِيْنَ ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنْ وَصَفَهُ
اللّٰهُ بِقَوْلِهٖ "وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ"
وَ"بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ" اَلسَّلَامُ
عَلَيْكَ وَعَلٰى سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَزْوَاجِكَ
الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَلسَّلَامُ
عَلَيْكَ وَعَلٰى اَصْحَابِكَ اَجْمَعِيْنَ وَعِبَادِ اللّٰهِ
الصّٰلِحِيْنَ ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا
شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ
الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَدَعَوْتَ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ
بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَعَبَدْتَ رَبَّكَ حَتّٰى
اَتَاكَ الْيَقِيْنُ ، فَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ كَثِيْرًا اَفْضَلَ وَاَكْمَلَ
وَاَطْيَبَ مَا صَلّٰى عَلٰى اَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ ۔
اَللّٰهُمَّ اجْزِ عَنَّا نَبِيَّنَا اَفْضَلَ مَا جَزَيْتَ اَحَدًا مِّنَ النَّبِيِّيْنَ
وَالْمُرْسَلِيْنَ ، اَللّٰهُمَّ اٰتِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا
مَّحْمُوْدَ ِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ ۔
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔ رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا
الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(اکتوبر ۷۹ء)

بسلسلۂ

فضائل حج، آدابِ حج اور مسائلِ حج

"عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال سئل النبی صلی الله علیه وآله وسلم ای الاعمال افضل قال ایمان بالله ورسوله قیل ثم ماذا قال جهاد فی سبیل الله قیل ثم ماذا قال حج مبرور۔"

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ "نیک کاموں سے کونسا عمل خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے" آپ نے فرمایا: "سب عملوں میں سے بہترین عمل اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان لانا" اور...... حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت و پیغمبری کی تصدیق کرنا ہے۔ پھر آپ سے عرض کیا گیا، کہ: "اس کے بعد کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہے۔" آپ نے فرمایا: "راہِ حق میں جہاد کرنا۔" آپ سے عرض کیا گیا کہ "اس کے بعد کونسا عمل زیادہ بہتر... اور محبوب ہے۔ آپ نے فرمایا: "وہ حج جس میں فسق وفجور اور گناہ نہ ہوں۔" (صحیح بخاری)

تشریح!

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایمان اور جہاد کے بعد حج تمام عبادتوں میں سے زیادہ بہتر ہے۔ لہٰذا حج فرض اور ضروری ہونے کے بعد اس کے ادا کرنے میں کسی قسم کی سستی اور غفلت نہیں برتنی چاہیئے ورنہ خاتمہ (معاذاللہ) کا خطرہ اور اندیشہ ہے۔ حتیٰ کہ کوئی شخص سخت کمزوری و ناتوانی یا کسی بیماری اور اچانک کسی حادثے کے پیش آنے کی وجہ سے حج نہ کر سکا۔ حج کئے بغیر اس کا انتقال ہوا تو پھر بھی اس سے حج ساقط نہیں ہوا۔ اس لئے اس کے وارثوں کو چاہیئے کہ اس کی وفات کے بعد اس کی طرف سے استحباباً حج ادا کریں۔ چنانچہ صحیح بخاری کی یہ حدیث اس مطلب پر دلالت کرتی ہے کہ بنی خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ص ان فریضۃ اللہ علیٰ عبادہٖ فی الحج ادرکت ابی شیخاً کبیراً لایثبت علی الراحلۃ افاحج عنہ قال نعم وذلک فی حجۃ الوداع۔"

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فرض یعنی حج نے میرے باپ کو بڑھاپے کی حالت میں گھیر لیا۔ اس کی ناتوانی اس درجہ کی ہے کہ وہ سواری پر ٹھہر نہیں سکتا تو ایسی حالت میں کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟۔ آپ ص نے فرمایا: "ہاں تم اس کی (اپنے باپ کی) طرف سے حج کر سکتی ہو"۔

حدیث مبارک کا مطلب یہ ہے کہ میرے باپ بڑھاپے میں اسلام لایا اور اس حال میں وہ مال دار ہوا جس کی وجہ سے اس پر حج فرض ہو گیا مگر ناتوانی کی وجہ سے وہ حج کرنے سے عاجز ہے۔ اس حدیث پاک سے حج کی اہمیت اور زیادہ واضح ہو گئی کہ عجز و ناتوانی کے باوجود یہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ کسی دوسرے کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجے اور جو اس کی طرف سے حج کرے اس کو "حج بدل" کہتے ہیں۔ اس میں ضروری نہیں کہ جو کسی کی طرف سے حج کرے اس نے پہلے خود اپنا حج ادا کیا ہو کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے یہ نہیں فرمایا کہ تو نے اپنا حج کیا ہے۔؟ — یہی مسلک ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے اور یہی مسلک امام مالک رح اور امام احمد رح کا ہے۔ لہذا ہر ایک صاحب استطاعت مسلمان کو چاہیئے کہ جب اس پر اخراجات سفر حج مہیا ہو جائیں اور واپسی تک بال بچوں کو کھانے پینے کا انتظام بھی ہو تو فریضہ حج ادا کرنے میں آج کل اور لیت و لعل نہ کرے اور اس بات کا یقین رکھے کہ حج سے ہی مسلمان کا ایمان پایۂ تکمیل ہو جاتا ہے۔

حج کی مزید اہمیت و مقبولیت کا اندازہ۔

آپ حضرت علی ابن موفق رح کے اس واقعہ سے اچھی طرح لگا سکتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"قال حججت سنۃً فلما کان لیلۃ عرفۃ نمت بمنیٰ فی المسجد الحنیف فرایت فی المنام

كان ملكين قد نزلا من السّماء عليهم ثياب
خضر فنادى احدهما صاحبه يا عبد اللّٰه فقال
الآخر لبيك يا عبد اللّٰه قال هل تدرى كم حج
بيت ربنا عز وجل فى هذه السنة قال لا ادرى
قال حج بيت ربنا ستمائة الف افتدرى كم
قبل منهم قال لا قال ستة انفس قال ثم ارتفعا
فى الهوا فغابا عنى فانتبهت فزعًا واغتممت
غمًّا شديدًا و اهمّنى امرى فقلت اذا قبل
حج ستة انفس فاين اكون : انا فى ستة انفس"۔
کہ میں نے ایک سال حج کیا اور عرفہ کی رات منیٰ کی مسجد
خیف میں سویا تو میں نے خواب دیکھا کہ گویا کہ دو فرشتے
سبز لباس پہن کر آسمان سے اترے۔ ایک نے اپنے دوسرے
سے "اے اللہ کے بندے! کہہ کر آواز دی" دوسرے نے
اسے عبد اللہ کہہ کر جواب دیا۔ "کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ کہ
میں پوری توجہ سے تمہاری بات سنوں گا۔" تو اس نے کہا کہ
تمہیں اس بات کا کچھ علم ہے کہ اس سال ہمارے پروردگار
عالم کے گھر کا حج و طواف کتنے لوگوں نے کیا۔ اس نے کہا:
نہیں، مجھے ان کی تعداد کی کوئی خبر نہیں۔ اس نے کہا چھ لاکھ
فرزندانِ توحید نے طوافِ کعبۂ مکرمہ کیا۔ اچھا یہ بھی خبر ہے
کہ ان چھ لاکھ میں سے کتنے لوگوں کا حج قبول کیا گیا اس نے
کہا کہ مجھے اس کی بھی علمیت نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ تو سن لو اور
اچھی طرح سن لو کہ، "چھ لاکھ حاجیوں میں سے صرف چھ

حاجیوں کا حج قبول کیا گیا — یہ کہہ کر وہ ہوا میں بلند ہوئے اور میری آنکھوں سے غائب ہو گئے ۔"

حضرت علی بن موفق رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ میں گھبرائے ہوئے بیدار ہوا اور بہت غمگین ہو گیا اور اس بات نے مجھے اور بھی زیادہ فکر مند بنا یا کہ جب چھ لاکھ میں سے صرف چھ نفروں کا حج قبول ہوا تو میری گنجائش ہی کہاں رہی ۔

حضرت علی بن موفق" مزید فرماتے ہیں :

" جب میں عرفات سے اترا اور مشعر حرام کے نزدیک قیام کیا تو پھر میں نے حجاج کی کثرت پر اور ان میں تھوڑے سے لوگوں کے قبول حج پر غور کیا تو اس حال میں مجھے نیند کا غلبہ ہوا ، تو وہی دو فرشتے اپنی سابق صورت میں پھر اترے اور سابق کلام کا اعادہ کیا ۔ آخر میں کہدیا جانتے ہو کہ " آج رات پروردگار عالم نے کیا حکم دیا ۔ کہا نہیں ! " فرمایا : کہ " ان چھ نفروں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمام حاجیوں یعنی پورے چھ لاکھ حاجیوں کا حج قبول فرمایا ۔" علی ابن موفق فرماتے : میں خوش ہو کر بیدار ہوا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (ماخوذ من احیاء علوم الدین للغزالی)

دوستانِ خدا اور اہل اللہ کے اس واقعہ کے دہرانے سے اس بات کی توجہ دلانا مقصود ہے کہ حجاج کرام کو چاہیئے کہ اس راہ میں جو اخراجات اور مصارف اپنے ساتھ لے جائیں وہ پاک ہوں ۔ وہ حرام ، سود خواری ، چرس و شراب کے کاروبار و تجارت سے نہ ہوں ۔

گندہ اور حرام چیزوں کی آمدنی بھی گندی اور ناپاک ہوتی ہے۔
اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں فرماتا:
"ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب"۔ اللہ تعالیٰ خود بھی پاک اور بے عیب ہے اور وہ صرف پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے۔

دوسرا واقعہ!

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ رض نے طواف کعبہ کیا اور حجر اسود کو بوسہ دیکر فرمایا:
"اے پتھر، میں جانتا ہوں کہ تیرے ہاتھ میں نہ نفع ہے نہ نقصان، اور نا ہی تو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نا ہی کسی قسم کا ضرر۔ اگر میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے بوسہ کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تمہیں بوسہ نہ کرتا۔" یہ کہہ کر آپ رض خوب روے اور رونے کی آواز بلند ہوئی۔ ہوش میں آئے تو اپنے پیچھے کی طرف دیکھا تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پہ نظر پڑی۔ اور فرمایا:
اے ابوالحسن! (یہ کنیت حضرت علی المرتضیٰ رض کی ہے) یہ جگہ خوب رونے کی ہے اور یہی جگہ دعا قبول ہونے کی ہے۔
آپ رض (حضرت علی رض) نے جواب میں فرمایا: "اے امیرالمومنین رض آپ کا فرمانا درست ہے۔ مگر حجر اسود ضرر اور نفع دیتا ہے۔
آپ نے فرمایا: "وہ کیسے"؟ حضرت علی رض نے کہا:

"ان اللّٰہ تعالیٰ اخذ المیثاق علی الذرکتب علیہم میثاقاً ثم القمہ ھذا الحجر۔ وھو لیشھد للمومن بالوفاء ولیشھد علی الکافر بالجحود"

اللّٰہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی ذرّیت سے روزِ ازل میں عہد و پیمان لیا تو اس کا ایک نوشتہ لکھ دیا گیا جو اس پتھر کو کھلایا گیا تھا۔ پس یہ ایماندار کے لئے عہد کے پورا کرنے اور کافر پر عہد شکنی کی گواہی دے گا۔

کہتے ہیں کہ حاجی لوگ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے: "اللّٰھم ایماناً بک و تصدیقاً بکتابک و وفاءً بعھدک"۔ اس سے مراد ہے جو حضرت علی کرم اللّٰہ وجہہ نے ارشاد فرمایا۔ اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ:

"حجر اسود جنّت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے یہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس کی دو آنکھیں اور بولنے والی زبان ہوگی اور گواہی دیگا ہر اس مسلمان کے لئے جس نے اسکو سچائی اور حق و صداقت کے ساتھ بوسہ دیا ہو۔ اور خود آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم بکثرت حجر اسود کو بوسہ دیا کرتے تھے۔

چونکہ حجر اسود جنّت کا پتھر ہے اور جنّت مسلمانوں کا آخری وطن ہے تو وطنِ اصلی کی چیز کا احترام کرنا انسانی فطرت میں داخل ہے۔ اس بنا پر حجر اسود کو بوسہ دینے کا حکم ہے۔ لہٰذا اس مختصر جواب سے وہ تمام شبہات دور ہو گئے جو حجر اسود کے بوسہ دینے کے سلسلے میں وارد کئے جاتے ہیں۔ (زنبیل شاہ)

معاملات

جنّت میں لے جانیوالے اعمال

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

اِضْمِنُوْا لِیْ سِتًّا مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَضْمِنْ لَکُمُ

الْجَنَّۃَ اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا

وَعَدْتُمْ وَاَدُّوْا اِذَا ائْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا

فُرُوْجَکُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ وَکُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ"۔

ترجمہ :- حضرت نبی کریم صلی اللہ واٰلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کو فرمایا مجھے اپنی طرف سے چھ باتوں کی ضمانت دو تو میں تمہارے لئے جنت کی ضمانت دونگا۔ وہ چھ (۶) باتیں جو قابلِ عمل اور جنت تک پہنچانے والی ہیں وہ ترتیب وار یہ ہیں :-

۱- جب بات کروگے تو سچی بات کہو (یعنے واقعہ کے مطابق کرلیا کرو اور خلافِ واقعہ کوئی بات تمہاری زبان سے نہ نکلنے پائے)۔

۲- جب تم کسی سے وعدہ کروگے تو وہ پورا کرلیا کرو، یعنی اپنے وعدہ اور کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرلیا کرو۔

۳- اپنی امانتوں کو ادا کرنے میں کسی قسم کی کمی روا نہ رکھو کیونکہ امانت میں خیانت کرنے سے دین نامکمل اور لوگوں کے نزدیک آدمی ناقابلِ اعتبار ہو جاتا ہے اس لئے امانت کا پاس رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا انسانی فرائض میں ایک اہم اور ضروری فرض ہے۔

۴- اپنی شرمگاہوں کو ان جگہوں میں استعمال نہ کرو جن کے استعمال کرنے سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا۔

۵- اپنی آنکھوں کو پست اور جھکائے رکھو۔ محارم کی طرف اپنی نظریں نہ جمایا کرو۔ غض البصر اور اپنی آنکھوں کو پاک رکھنے کا اندازہ اس سے ہوگا کہ دوسری حدیث شریف میں (سابقہ) امتیوں میں ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک عورت اس کے آگے سے چلی، تو اس نے نماز ہی میں اس کی طرف بار بار دیکھا تو اس جرم میں اس کی بینائی جاتی رہی۔ تاویلات نجمیہ میں غض البصر (آنکھوں کے جھکائے رکھنے) کے یہ معنے بتلائے ہیں:

(ترجمہ) یعنی، حضرت شیخ نجم الدین رحمۃ اللہ تاویلات نجمیہ میں فرماتے ہیں کہ آنکھوں کے جھکائے رکھنے سے یہ مطلب ہے کہ ظاہری آنکھوں کو اُن عورتوں کی طرف نہیں پھیرنا چاہیئے جو اس پر حرام ہوں۔ نفوس کی آنکھوں کو دنیوی خواہشات، طبعی مرغوبات اور پسندیدہ خواہشات، دل کی آنکھوں کو اعمال

آخرت کی نعمتوں، اسرار کی آنکھوں کو درجات کی طرف نظر ڈالنے، ارواح کی آنکھوں کو ماسوی اللہ، ہمتوں کو اسباب و علل و وسائل سے دور رکھے جس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو حق کے مشاہدوں میں سے نہ سمجھے بلکہ غیرت حق اور عظمت الٰہی مدنظر رکھنے کے لئے، نیز غض البصار، چشم پوشی ظاہری اور باطنی .. شرمگاہوں کو محرکات سے محفوظ رکھے اور دنیوی اور آخروی تصرفات سے اُن کو پاک و صاف رکھے ــــ غرضیکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آنکھوں کو پاک و صاف رکھنے کا ظاہری طور پر حکم دیا لیکن اُس کا مقصد اسی پر بس اور منحصر نہیں بلکہ دِل، روح، نفس، سر، ظاہر و باطن کو بھی ناپسندیدہ خیالات و اطوار سے صاف و پاک رکھنے کی تلقین فرمائی اور ہر وقت عظمتِ حق پیش نظر رکھے۔ تب انشاء اللہ تعالیٰ اعمال نیک میں برکت ہوگی۔ (اپریل ۱۹۶۸ء)

دل کی پاکی ہی اصل ہے:

جیسا کہ حضرت اویسیؒ فرماتے ہیں ؎

من غلام دلم اگر دانی دل چہ باشد خزانۂ اسرار
دل مومن چہ عرش رحمان است دل مرنجان بگفتمت زنہار

— ۵ —

نوکروں اور ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک

"عَنْ اَبِی ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اِخْوَانُکُمْ جَعَلَھُمُ اللّٰہُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ کَانَ اَخُوْہُ تَحْتَ یَدِہٖ ـــــ فَلْیُطْعِمْہُ مِنْ طَعَامِہٖ وَلْیُلْبِسْہُ مِنْ لِبَاسِہٖ وَلَا یُکَلِّفُہٗ مَا یَغْلِبُہٗ، فَاِنْ کَلَّفَہٗ مَا یَغْلِبُہٗ فَلْیُعِنْہُ ـــــ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ): حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ علیہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے نوکر چاکر بھی حقیقت میں تمہارے ہی بھائی ہیں پس جس کسی کے ماتحت اس کا بھائی ہو تو وہ اسے اپنے کھانے میں سے کھلائے اور اپنے کپڑے میں سے اس کو پہنائے اور اس کو ایسے کام کی تکلیف نہ دی جائے جس سے وہ تھک جائے اگر دیا تو اس کی خود مدد کرے۔

اس حدیث مبارک سے حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رحمت عالم ہونا اچھی طرح عیاں ہے کہ جب دنیا کے متکبر اور سرکش انسان اپنے ماتحتوں اور نوکروں ضعیفوں

اور کمزوروں کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اور ان سے سخت کام لیتے مگر ان کی واجبی حقوق اور ان کی انسانیت کا کوئی خیال نہیں رکھتے تھے تو ایسے وقت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذکورہ بالا فرمان واجب الاذعان کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ اور اس سے اس بات کا خوب اندازہ ہوتا ہے کہ دین اسلام کو کمزوروں اور غریبوں کا کتنا خیال ہے اور اُن کے ضروری حقوق کی حفاظت اُس نے سب سے پہلے اپنے ذمہ لی ہے۔

اسی طرح ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے غلام کو مار رہا تھا اتنے میں میرے پیچھے سے ایک آواز آئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ الفاظ فرما رہے ہیں، کہ:

" اے ابو مسعود! اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ تم پر قابو حاصل ہے جتنا کہ تم کو اس نوکر پر قابو حاصل ہے"۔

ابو مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ پھر میں نے کبھی اپنے کسی نوکر کو نہیں مارا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، کہ " یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں اپنے خادم کا قصور کتنی بار معاف کروں۔" حضور اقدس صلعم یہ سُن کر خاموش رہے، کچھ جواب نہ دیا ــــ اُس نے دوبارہ پھر پوچھا کہ خادم کا قصور کتنی مرتبہ معاف کروں؟ ــــ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا۔ اُس نے تیسری بار بھی پوچھا۔ تو حضور اقدسؐ نے فرمایا: "ہر روز ستر بار اپنے نوکر (خادم) کی غلطیاں معاف کر لیا کرو۔"

آپ ان دونوں حدیث پاک سے اچھی طرح یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس تعلیم میں کتنی کشش اور جاذبیت ہے اور اس میں نوع انسانی کے تمام طبقات کے لئے کس خوبی کے ساتھ لحاظ رکھا گیا ہے خاصکر پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسکینوں، غریبوں، بے کسوں اور نوکروں اور ملازموں سے اتنی ہمدردی اور محبت ہے کہ تمام انسانی برادری میں اُن کے حقوق زندہ فرماتے ہیں اور ان کا مقام انسانی سوسائٹی میں بہت اونچا بنا رہے ہیں۔

بلاشبہ اگر آج سمجھدار انسان اس تعلیم پر عمل کر لیں گے، تو بہت جلد امیروں اور غریبوں کی جنگ، جاگیرداروں کسانوں کی رسہ کشی اور کارخانہ داروں اور مزدوروں کی طبقاتی کشمکش ختم ہو کر رہے گی، اور تمام انسانوں میں باہمی مہر و محبت کی لہر آپس میں دوڑ جائے گی۔

مگر افسوس ہے کہ اگر کسی کھاتے پیتے مسلمان گھرانے میں کوئی نوکر چاکر ہوتا ہے تو اُسے اُس گھر کے تمام افراد دن بھر سخت کام کاج لینے کے باوجود بھی کوستے رہتے اور برا بھلا کہتے رہتے ہیں ایسے مسلمان اپنی نجات صرف چند اعتقادات یا رفع یدین اور آمین ... تک محدود اور مخصوص جانتے ہیں گویا یہ فرمان نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہیں ہے مگر ان بے چاروں کی بھی کوئی خطا نہیں، کیونکہ ہم مولوی تو گنتی کے چند اعتقادوں زیادہ عملوں پر جنّت کی چابی ان کے حوالے کرتے ہیں اور عوام اور کاکردار ٹھیک کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بُرے اخلاق والا جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "جب تمہارا نوکر، خادم تمہارے لئے گرمی اور دھوئیں کی تکلیف برداشت کرے تو تمہیں بھی چاہیئے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ کھانا کھانے کے لئے بٹھاؤ، اور اگر اس سے انکار ہو تو ایک لقمہ لے کر اُسے کھلا دو تاکہ اس کی تسکین ہو جائے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ایک دن مکہ میں کہیں جا رہے ہیں، دیکھتے ہیں کہ ملازمین اپنے آقاؤں کے ساتھ کھانے میں شریک نہیں بلکہ کنارے کھڑے ہیں اُن کو غصّہ آجاتا ہے اور ناپسندیدگی کے لہجہ میں اُن کے آقاؤں سے فرماتے ہیں۔ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے خادموں کے ساتھ تیج کا برتاؤ کرتے ہیں؟۔ پھر آپؓ ان ملازمین کو بُلا کر آقاؤں کے ساتھ بٹھا دیتے ہیں تاکہ وہ بھی ان کے ہم پیالہ و ہم نوالہ بن سکیں۔ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ ہیں حضرت عمرؓ! اُن کے کیا کہنے۔ مگر کیا ہمارے نوابی مشائخ بھی مجلسوں میں اپنے خادموں کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں یا فرعونیت و شدادیت کا ثبوت بہم کرتے ہیں۔ ❖

(مارچ [illegible])

حسنِ خلق اور بد خُلقی

" ابو حنیفۃ عن حمّادٍ عن ابراهیم عن الاسود
عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا قالت قال
رسُولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہِ وآلہٖ وسلّم لو انّ
الرّفقَ وحُسنَ الخُلقِ یُرٰی لمَا رُئیَ مِنْ
خَلقِ اللّٰہِ خَلقٌ احسنُ منہُ ولو انّ الخُرق
خَلقٌ یُرٰی لما رُئیَ مِن خلقِ اللّٰہ تعالیٰ
اقبح منہ " (مسند امام اعظم)

ترجمہ :- ..... اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر نرمی و خوش خلقی جسمانی شکل و صورت میں دکھائی دیتی تو اللہ تعالیٰ کے سارے مخلوقات میں اس سے زیادہ خوبصورت اور حسین تر کوئی چیز دکھائی نہ دیتی اور اگر بد خُلقی، بد کلامی اور ناشائستہ اخلاص کا مظاہرہ ظاہری شکل و صورت میں دکھائی دیتا تو اس سے زیادہ بد شکل اور بد صورت کوئی چیز نظر نہ آتی۔"

علامہ قرطبی پاکیزہ اخلاق کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر حسنِ خلق ایک چلتے پھرتے انسان کی شکل میں نمودار ہوتا تو

نہایت نیک بخت انسان ہوتا اور اگر بد خلقی انسانی قالب میں دکھائی دیتی تو بہت بدتر صورت والے شخص میں نمودار ہوتی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نرمی برکت ہے اور تیزی و سخت کلامی نحوست اور ذلت ہے ـــــ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جناب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں مجھ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ حسنِ اخلاق رکھتا ہو ـــ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ لوگوں کو جنت میں زیادہ تر کونسی چیز داخل کریگی، آپؐ نے فرمایا "خوفِ خدا اور حسنِ خلق"۔

بزرگو : حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام ارشادات پر عمل کرنے سے ہی آپ جنت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ یہ شکایت نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ اس وقت نمازی اور روزہ داری کی کمی نہیں اور اگر واقعی کمی ہے تو ہم میں حسنِ خلق نہیں بلکہ ہم پر بد خلقی غالب آگئی ہے۔ حسنِ خلق کا بس اتنا مطلب نہیں کہ زبان سے شیریں کلامی اور اعمال و کردار سے شیطان کو بھی شرمائے بلکہ حسنِ خلق کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زبان، چہرہ، دل اور تمام بدن کو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر نثار اور قربان کرنیکی صلاحیت اپنے میں پیدا کی جائے اور اپنے افکار و اعمال سے کسی فردِ بشر کی دل آزاری نہ ہو جائے۔ یہ صفت بحیثیت مجموعی اپنے میں پیدا کیجیے تو ساری مخلوقات آپکی تابع فرمان ہوگی اور جنت بھی نصیب ہوگی ـــ اللّٰھُمَّ اجعل التوفیق رفیقنا والصراط المستقیم طریقنا۔ "...."

(فروری ۱۹۶۹ء)

—۵—

اتفاق!

خدا اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک قابل ستائش وتحسین صرف وہ مسلمان قائدین اور علماء ہیں کہ جن کی قیادت اور تبلیغ سے مسلمانوں میں باہمی رواداری اور باہمی مہر ومحبت اور میل جول قائم رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا وشفاعت کے حقدار صرف وہ ہیں کہ جو فتنوں اور فسادوں سے نفرت کریں اور وحدت اُمّت اور اسلامی مفاد سامنے رکھ کر کتاب وسُنت کی طرف اس طرح دعوت دیں گے کہ جس سے سلف وصالحین اور بزرگان دین کا جائز احترام مسلمانوں کے دلوں میں برقرار رہے اور جو لوگ قرآن و سُنّت کو اپنی ناپاک خواہشات اور تابع اور کھلونا بنائیں گے اور اپنے کو مسلمان اور موحّد قرار دے کر بیشتر مجتہدین علماء، مفسّرین اور دوستان خدا کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور عامۃ المسلمین میں اُن کے خلاف سازشیں کرائیں گے اور "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً" کے دائمی اور سرمدی حکم کو مٹانے پر تُلے ہوئے ہوں تو ایسے لوگوں سے خدائے برتر اور اُس کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیزار ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جن کا طریق کار مفسدانہ اور حاسدانہ ہو اور ائمہ متبوعین

کو مشرک، بدعتی اور خلافِ سنّت کہہ کر ارض اللہ میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائیں گے۔ ایسے قائدوں، واعظوں سے خدا تعالیٰ سخت ناراض ہے۔ سچا مسلمان وہ ہے جن کی تبلیغ و تحریر اور کردار و عمل سے مسلمانوں میں باہمی محبّت، اخوّت اور وحدت و اتفاق پیدا ہو جائے۔

آپ اس سلسلہ میں ان تمہیدی سطروں کے بعد صحیح بخاری کی اس حدیث مبارک سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔

" عن ابن عمرَ قالَ ذکرَ النّبیُّ صلّی اللّٰہ عَلیہِ وَاٰلہٖ وَسلّمَ اللّٰھُمَّ بارِکْ لَنَا فی شَامِنَا اللّٰھُمَّ بارِکْ لَنَا فی یمنِنَا قالوا وفی نجدِنا قالَ قالَ اللّٰھُمَّ بارِکْ لَنَا فی شامِنَا، اللّٰھُمَّ بارِکْ لَنَا فی یمنِنَا قالوا یَا رَسُولَ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وَاٰلہٖ وَسلّمَ وَفی نجدِنا فاظنُّہٗ قالَ فی الثّالثۃ ھُنالکَ الزّلازلُ وَالفِتَنُ وبھا یطلعُ قرنُ الشّیطٰن۔" (کتاب الفتن صحیح بخاری)

ترجمہ:۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

نے ایک دن اس طرح دُعا فرمائی کہ:-
"اے اللہ! ہمارے ملک شام میں برکت عطا کیجئے
اے اللہ! ہمارے ملک یمن کو اپنی برکتوں سے مالا مال کیجئے"
صحابۂ کرام رضؓ نے عرض کی: ہمارے نجد کے لئے بھی دُعا فرمائیے
آپ نے پھر یہی دُعا کی: کہ "اے اللہ! ہمارے شام اور
یمن میں برکت فرمائیے ___ صحابۂ کرامؓ نے پھر گذارش
کی، کہ ہمارے نجد کے لئے بھی دُعا فرمایئے"۔ ___ راوی
حدیث کہتا ہے کہ میرا گمان ہے کہ ہم نے تیسری دفعہ بھی
نجد کے لئے دُعائے خیر کرنے کی درخواست کی۔ تب
حضورؐ روحی فداہ نے فرمایا کہ وہاں سے زلزلے اور
فتنے اٹھیں گے اور وہاں سے شیطان کا سینگ نمودار ہوگا۔"
غور کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فتنوں اور
اور فسادوں سے کتنی سخت نفرت تھی کہ آپؐ نے نجد کو اپنی
مبارک دُعا میں شامل کرنے سے انکار فرمایا۔ سبحان اللہ! وہ
لوگ کتنے سعادتمند ہیں جن کے دل، قلم اور زبان مسلمانوں کے
باہمی میل ملاپ کے لئے ہوں۔ یہی وقت کی اہم پکار اور
آواز ہے کہ اگر مسلمانوں میں وحدت قائم رہے، اور معمولی
باتوں کی بنا پر مسلمانوں کے سوادِ اعظم سے کٹ کر ان کے
خلاف نفرت انگیز سازشیں اغیار کے اشاروں پر نہ کریں گے
بلکہ "انّ ھٰذہٖ امّتکم امّۃً واحدۃً وانا ربّکم
فاعبدون" پر عمل کرتے رہیں گے تو یہ اسلام کی عظیم خدمت
ہوگی۔:- (جنوری ۷۲ء)

حقیقی مسلمان کون؟

بابٌ : المسلمُ مَن سَلِمَ المسلمون مِن لِّسانِہٖ وَیَدِہٖ -

"عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بنِ عمروٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ۔ عن النّبی صَلّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَاٰلہٖ وَسلّمَ المسلمون لِّسانِہٖ وَیَدِہٖ والمُہاجِرُ مَن ھجرَ مانھی اللّٰہُ عَنْہُ ..... الخ"

باب : اس بیان میں کہ کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

اس سلسلہ میں حضرت عامر شعبی رضنے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے ضرر اور شر سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور اصل مہاجر وہ ہے جو اُن کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

تشریح! یعنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں سچا اور پکا مسلمان وہ کہلائیگا جو کسی دوسرے مسلمان بھائی کو اپنے ہاتھ یا اپنی زبان سے کوئی نقصان

نہ پہنچائیگا۔ اسی طرح اصلی ہجرت یہ ہے کہ آدمی اللہ کی منع کی ہوئی باتوں سے رُک جائے، یعنی سراسر اللہ ربّ العزت کا اطاعت گذار اور فرمانبردار بن جائے۔

اس حدیث میں مہاجرین کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا گیا تاکہ لوگ صرف ترکِ وطن پر کفایت کرکے دینِ حق کی دوسری باتوں میں سستی نہ کرنے لگیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارک کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام جس طرح خدا تعالےٰ کے ساتھ ایک خاص رابطہ اور معاملہ ہے اسی طرح وہ لوگوں کے ساتھ بھی ایک معاملہ اور رابطہ ہے اور یہ اس پاک دین کا خصوصی امتیاز ہے۔ گویا ایک مسلمان کی دل کی آواز دوسرے ملنے والے کے لئے ہوتی ہے کہ تم سے بے خوف و مطمئن رہو اور میں تم سے مطمئن ہوں۔

اسلام سے پہلے عہدِ جاہلیت میں لوگوں کا شب و روز مشغلہ خونریزی، ہتکِ عزت اور لوٹ مار تھی۔ اسلامی شریعت نے ان تمام مفاسد کو ممنوع و حرام قرار دیا اور لوگوں کو ایک دوسرے کی طرف سے مطمئن زندگی گذارنے کا موقعہ دیا اور ہر ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کہنے کو اسلامی شعار قرار دیا جس کا بہت بڑا ثواب بتلایا۔ یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ آپس میں کثرت کے ساتھ سلام مسنون کا رواج دو۔ ایک دوسرے کو کھانا کھلاؤ، جنت میں بسلامت و کرامت داخل ہو جاؤ گے۔ یہ بھی حدیث میں ہے کہ چھوٹے بڑے تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر ایک کو سلام کرنے میں پہل کرنی چاہئے اور جان پہچان پر بھی مدار نہیں اس لئے بہتر ہے کہ ہر مسلمان کو سلام کیا جائے خواہ اسے جانتے ہو یا نہیں۔

حضرت شاہ صاحب آگے فرماتے ہیں کہ "سلام کا جواب دینے والے کو مزید تاکید ہیں کہ جواب سلام اس پر کیا گیا اور جواب میں زیادہ بہتر اور زائد کہنے کی ترغیب دی گئی۔ مثلاً سلام کرنیوالا اگر سلام علیکم کہے تو جواب دینوالا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے اور اگر سلام کرنیوالا السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو جواب دینوالے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جواب ایسا کہے اس کو سلام زیادہ صاف اور بلند آواز سے دے تاکہ پہلا آدمی اچھی طرح سُن لے اور اس کا دل زیادہ خوش ہو جائے ــــ اسی طرح سلام کرنے اور جواب دینے میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ پورا مجمع اور جماعت ایک شخص کے حکم میں ہے۔ اسی لئے اگر بڑے مجمع میں سے ایک شخص آنیوالے کو سلام کرے تو وہ اس کے ساتھیوں سے بھی شمار کیا جائیگا اور جواب دینوالوں میں سے اگر صرف ایک ہی جواب دیگا تو وہ اس کے ساتھیوں میں سے مانا جائیگا یعنی سب سے وجوب ساقط ہو جائیگا۔ فرض کیجیئے کہ ایک مسلمان ریڈیو پر مسلمانوں کو خطاب کر کے سلام کہے تو ساری دُنیا کے مسلمانوں پر جو اس کی آواز سنیں گے جواب سلام واجب ہو جائیگا مگر کسی ایک کے جواب دینے سے سب کی طرف سے ادا ہو جائیگا۔ اور دور سے بھی ادا ہو جائیگا جسطرح خطوط میں ہوتا ہے اسی طرح اگر جنگ میں مسلمانوں میں سے ایک شخص کسی کافر کو امان دیگا تو وہ سب مسلمانوں کی طرف سے امان متصور ہوگا یعنی سارے مسلمانوں پر امان دیئے ہوئے کافر جان و مال کی حفاظت واجب ہوگی۔ اسی طرح امام کا سترہ سارے مقتدیوں کیلئے کافی ہوگا اس طرح امام کی قرأت مقتدیوں کی قرأت کیلئے کافی ہوگی۔

ان گذارشات سے اچھی طرح واضح ہو گیا ہے کہ کمالِ اسلام اس امر میں ہے کہ مسلمان نہ صرف اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بھی محبت و ہمدردی اختیار کرے ــــ ... اللہ تعالیٰ ہم کو صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔

(اپریل ۱۹۷۴ء)

مسلمان آپس میں کیسے رہیں؟

"حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ عن مالک بن شہاب عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا ولا یحل لمسلم ان یہجر اخاہ فوق ثلاث لیال" (ابوداؤد)

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ آپس میں ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو۔ سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو تین رات سے زیادہ چھوڑے۔"

اللہ کے وہ بندے جو اللہ کو حقیقی معنوں میں اپنا معبود بنا لیں، ان کا دل ہر قسم کے منفی جذبات سے خالی ہو جاتا ہے جن لوگوں کا دل خدا کی بلندیوں سے اٹکا ہوا ہو وہ دنیا

کی بستیوں میں لت پت ہو کر نہیں رہ سکتے، ایسے لوگ اپنے بھائیوں کے درمیان اس طرح رہنے لگتے ہیں جیسے ہوا لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہے مگر وہ کسی سے نہیں ٹکراتی ۔ جیسے پھول کی مہک ہر پھول سے ہر ایک کو پہنچتی ہے مگر وہ مہک ایک دوسرے میں کوئی امتیاز نہیں کرتی ۔ جیسے روشنی ہر ایک کے لئے، اور ہر ایک کے پاس آتی ہے مگر وہ کسی سے خوش اور کسی سے خفا نہیں ہوتی ۔ ایسے لوگ اس طرح ایک دوسرے کے مکمل ساتھی ہوتے ہیں، جیسے باغ کے درخت ایک دوسرے کے ساتھ بغیر کسی قسم کی باہمی رنجش کے ایک مقام پر کھڑے ہوں ۔

اسلام کے رزق سے آدمی کو حصہ ملا ہے یا نہیں، اس کی ایک واضح پہچان یہ ہے کہ وہ بھائیوں کے درمیان اس طرح رہنے لگے کہ اس کو نہ کسی سے بغض ہو اور نہ حسد۔ کسی قابل شکایت بات آنے پر وہ اپنے بھائی سے بگڑ نہ جائے۔ وہ سارے لوگوں کو اللہ کی مخلوق سمجھ کر اس طرح رہ رہا ہو جیسے ایک باپ کی اولاد مل جل کر رہتی ہے ۔ اس قسم کا ذہن جس شخص کے اندر پیدا ہو جائے وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے ایسا ہو جائے گا کہ کسی بھائی سے اگر اس کا بگاڑ ہو جائے اور وقتی تاثر سے مغلوب ہو کر وہ اس سے جدائی اختیار کرے تو تین دن گذرتے گذرتے اس کا سینہ پھٹنے لگے گا ۔

وقتی جذبہ نے اس کو حبس بجا لانے سے دور کیا تھا اس سے وہ اپنے ربّ کی خاطر دوبارہ اس طرح مل جائے گا جیسے اس کے ساتھ کچھ ہوا ہی نہیں۔

طبرانی میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اور حدیث مبارک نقل کیا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت سیّد المرسلین، رحمۃٌ للعالمین، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس تھے آپؐ نے وضو کے لئے پانی منگوایا اس میں دستِ مقدس ڈالا، وضو فرمایا تو ہم نے بچے ہوئے پانی کو پی لیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

" اس فعل پر تمہیں کس چیز نے امادہ کیا؟"

— ہم نے عرض کیا:

" اللہ اور اس کے رسولِ برحق (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی محبت نے"

— اللہ کے رسول صلی اللہ علیہٖ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

" اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے محبوب بنو، تو تم یہ کرو، کہ:

" جب تم کو امانت سونپی جائے تو اس کو ادا کرو، جب بات کرو تو سچ بولو، اور جو تمہارے پڑوس میں ہیں ان کے لئے اچھے پڑوسی ثابت ہو۔"

فان اجبتم ان یحبکم اللّٰہ ورسولہٗ فادوا اذا ائتمنتم واصدقوا اذا احدثتم واحسنوا جوار من جاورکم۔"

(رتبہ ۶۸۲)

—٥—

علماءِ امّت کی ذمہ داری

"حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ' جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوئے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا مگر وہ لوگ باز نہ آئے، باوجود اس کے علماء ان کے ساتھ مجلسوں میں بیٹھتے رہے نشست و برخواست کرتے رہے، اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے اور اس سے کنارہ کش اور علیحدہ نہیں ہوئے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے اُن کے دلوں کو رد بدل اور خلط ملط کرلیا یعنی جب اُن کے مولوی صاحبان نے گناہگاروں کے ساتھ غلا ملا رکھا، تو ان کے دل بھی سخت ہوگئے۔ اور اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانوں سے ان پر لعنت بھیجی اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے کھلے بندوں نافرمانیاں کی اور حدود اللہ سے تجاوز کرنے کے عادی بن گئے تھے۔"

راوی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: یہ ارشاد فرماتے وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سہارا لگائے ہوئے بیٹھے تھے کہ یکایک

اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ـــــ "اُس ذات کی قسم جس
کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم لوگ اس وقت
تک اپنے فرائض سے سبکدوش اور عہدہ برآں نہیں ہو
سکتے جب تک بدکاروں، نافرمانوں اور حدود اللہ
توڑنے والے لوگوں کو راہِ راست پر نہ لاؤ گے۔ یعنی
تمہارا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ تم بدکاروں کو زبان
سے وعظ و نصیحت کرو۔ بلکہ اس سے بھی آگے تمہارا
فرض ہے، وہ یہ ہے کہ اپنی پوری اصلاحی کوششوں
کو پوری قوت کے ساتھ عمل میں لاؤ یہاں تک کہ
وہ لوگ اصلاح پذیر اور نیکوکاروں کی فہرست میں
داخل ہوں گے۔"

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک
از روئے سند غریب ہے۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ اس حدیث کا غریب ہونا اس
امر کے لئے مانع نہیں ہے کہ اس سے استدلال کیا جائے
کیونکہ سینکڑوں آیاتِ الٰہیہ اور احادیث صحیحہ سے حدیث
غریب کی تائید ہوتی ہے۔ اور اگر یوں کہا جائے کہ یہ حدیث
از روئے معنی مہماتِ دین اور اصولِ ایمانیات سے ہے
تو بیجا نہ ہوگا ـــــ خاص کر صحیح مسلم شریف کی اس حدیث
مبارک سے بھی حدیث مذکورہ کی تائید ہوتی ہے۔ الفاظِ حدیث
یہ ہیں۔

" مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ

لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان"۔

اگر تم میں سے کوئی کسی شخص کو خلافِ دین وشریعت کرتے ہوئے دیکھے تو اس کو بحیثیت مسلمان اپنے ہاتھ سے اس گناہ سے روکے اور اگر اس کو ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو اس کو اپنی زبان سے منع کرے اور اگر زبان سے بھی روکنے اور منع کرنے کی طاقت نہ ہو تو دل سے ہی اس شخص کو برا مانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ کمزور اور ضعیف درجہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کو اللہ تعالےٰ نے دنیا میں آمر اور حاکم ہونے کی حیثیت سے بھیجا تھا، اس کو چاپلوسی اور خوشامدی کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ چونکہ اس نے اپنی طاقتِ ایمانی خود تباہ کی ہے، کہ اب اس کو ہاتھ اور زبان استعمال کرنے کی قوت نہیں رہی اس لئے یہ ضعیف الایمان ہے۔

ان دونوں احادیث مبارکہ کو سورہ لقمان کی اس آیت سے بھی تائید و تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ لقمان میں حضرت لقمانؑ کا وہ واقعہ یاد دلاتا ہے جس میں موصوف نے ان کے صاحبزادے کے سوال پر چند باتوں کی وصیت فرمائی۔ من جملہ ان ایک آیت یہ ہے:

"یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" یعنی اے لختِ جگر: نماز کی پابندی

کرتے رہو اور نیک کاموں کا حکم دیا کرو اور بُرے کاموں سے روکا کرو اور تبلیغ دین اور اظہارِ حق کی بنا پر جو تکلیفیں تم کو پہنچ جائیں گی۔ ان پر صبر کرتے رہو بے شک یہ کام عالی ہمتی کے ہیں۔

نوٹ : ان احادیث و آیاتِ مبارکہ سے اچھی طرح اہلِ علم اور مومنین کاملین کی دینی اور شرعی ذمہ داری اچھی طرح عیاں ہوتی ہے اور ان حدیثوں سے اچھی طرح ثابت ہوا کہ خلافِ شریعت کرنے والوں کی کبھی طرف داری نہیں کرنی چاہیئے، خواہ وہ عوام ہوں یا خواص۔ بلکہ کلمۂ حق صاف صاف کہنا چاہیئے۔

اور اس حدیث مبارک سے یہ بات بھی اچھی طرح ثابت ہوتی ہے کہ دینی معاملات میں کسی قوم اور کسی جماعت کی پردہ داری یا طرف داری کرنا حق و صداقت، انصاف ایمان اور دیانت سے کوسوں دور ہے۔ مجھے اس مقام پر پہنچ کر ذہن میں ایک اشکال پیدا ہوا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی المنکر کون کرے اور کس کو کرے، اور یہ کہ پردرپردہ خواص اور سرکردہ علمائے دین سے روگرداں ہیں یا عوام بچارے سیدھے سادھے مسلمان ؟

امید ہے کہ علماء کرام، واعظین عظام، مشائخ ذوی الاحترام میرے اشکال کو دور کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔ میں ان کا شکرگزار رہوں گا۔

(ستمبر ۷۹ء)

—٥—

ذِکرُ اللہ و ذاکرین

یادِ خُدا

"عن انسؓ عن رسولِ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قالَ مامِن قومٍ اجتمعُوا یذکرونَ اللہ لا یریدون بذلک اِلّا وجہہٗ اِلّا فاذاھُم مُنادٍ مِنَ السّماءِ اَن قومُوا مغفُوراً لکُم قد بُدِّلت سیّاٰتِکُم حسنات"۔
رواہ احمد والبزاز وغیرھما۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہُ سے روایت ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بھی لوگ اللہ تعالیٰ کی ذکر و عبادت کے لئے جمع ہو جائیں اور ذکر و اجتماع سے اُن کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ اُتر کر آواز دیتا ہے کہ اٹھو تم لوگ، تمہارے خطائیں بخش دیئے گئے۔ اور تمہارے گناہ نیکیوں سے بدل دیئے گئے۔

دوسری حدیث شریف میں اس طرح آیا ہے: جو اجتماع ایسا ہو کہ اس میں اللہ پاک کا ذکر نہ ہو بلکہ اس میں ادھر ادھر کی بے ہودہ دنیوی باتیں ہوں تو یہ اجتماع قیامت کے دن حسرت و افسوس کا باعث اور سبب ہوگا۔

اس حدیث مبارک سے ذکر الٰہی اور یادِ خدا کرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللّٰہ فانّ کثرۃ الکلام بغیر ذکر اللّٰہ قسوۃٌ للقلب وانّ ابعد النّاس من اللّٰہ القلبُ القاسی"
(حجۃُ اللّٰہ البالغہ)

یعنی: بجز یادِ خدا کثرت سے کوئی کلام مت کرو کیونکہ کثرتِ کلام ماسوائے ذکرِ الٰہی کے دل میں قساوت اور سختی پیدا کر دیتا ہے اور سب سے زیادہ دور اللہ تعالیٰ سے قاسی القلب اور سخت دل ہے۔ اس لئے بزرگانِ دین اور دوستانِ خدا کی عادت تھی کہ وہ بیٹھتے چلتے اور ہر حال میں یادِ خدا کرتے تھے۔ یادِ خدا کرنے سے ایک طرف خدا تعالیٰ کی محبت اور دوسری طرف سے دل میں نرمی اور حلم پیدا ہوتا ہے دُنیا کی بے ثباتی زیرِ نظر رہتی ہے اور "لا الٰہ الّا اللّٰہ" اور "اللّٰہ اللّٰہ" کا ذکر اور وِرد ہر وقت کرتے رہتے ہیں۔

دوسری بات اس حدیثِ مبارک سے یہ معلوم ہوئی کہ ذکر وہ ہے جو خالص خدا کے لئے ہو اور اگر اس میں

کوئی دنیوی غرض ہو تو تب اس کا کوئی ثواب نہیں ہوتا۔ چنانچہ احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا اس سے کسی نے کہا، فلانی جگہ ایک درخت کی پوجا کی جاتی ہے۔ عابد کو غصہ آیا اور کلہاڑا لیکر اس درخت کو کاٹنے کیلئے گیا۔ راستہ میں ایک بوڑھے کی صورت میں ابلیس ملا پوچھا کہاں جاتے ہو؟ کہا، فلاں درخت کاٹنے کے لئے۔ بوڑھے نے کہا: افسوس ہے، عبادت چھوڑ کر درخت کاٹنے کے لئے جاتے ہو کیا اس کا کاٹنا ضروری ہے؟ کہا، ہاں! ایسے گندے درخت کا کاٹنا بھی عبادت اور ذکر خدا ہے۔ بوڑھے نے کہا: میں ایسا کرنے نہیں دونگا۔ دونوں میں جھگڑا ہوا۔ عابد، ابلیس کے سینہ پر چڑھا اور مار پٹائی شروع کی۔ آخر کار ابلیس مغلوب اور پریشان ہو کر کہا تو میرے سینے سے اتر جا تب تجھے اچھی بات کہوں گا۔ عابد اسکے سینہ سے اترا اور کہا بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟ ابلیس نے کہا کہ تم اپنی جگہ عبادت کرتے جاؤ اور تمہیں لوگوں سے کیا واسطہ انکو اپنے حال پر رہنے دو تو میں تمکو روزانہ اس کے عوض میں تین پونڈ تمہارے اخراجات کیلئے تمہارے سرہانے پر رکھونگا خود بھی کھاؤ اور رشتہ داروں کو بھی کھلاؤ اور خاموشی اختیار کر۔ عابد اس فضول لالچ میں آ گیا اور نرم پڑ گیا اور ابلیس کی بات تسلیم کی تین دن عابد کو اشرفیاں حسب وعدہ ملتی رہیں مگر چوتھے دن فورا اٹھ کر دیکھا اسے پانچویں دن سخت غصہ آیا اور کندھوں پر کلہاڑا لیکر درخت کاٹنے کیلئے نکلا راستہ میں پہلا ہی سا ابلیس سامنے آیا اور کہا اب کس وقت کیا کہاں جاتے ہو؟ عابد نے کہا وہی درخت کاٹنے کیلئے۔ ابلیس نے کہا میں ہرگز درخت کاٹنے نہ دونگا دونوں میں پھر جھگڑا ہوا آخر ابلیس غالب آ کر عابد کے سینے پر چڑھا اور مارنے لگا۔ عابد نے کہا: یہ بتاؤ، چار دن پہلے میں تم پر غالب آ گیا۔ آج یہ کیا ہو گیا؟ ابلیس نے کہا اس دن تو تیرے سامنے خدا کیلئے لڑ رہا تھا اور تجھ پر غالب آ گیا اور آج تو اشرفیوں کیلئے لڑ رہا اسلئے میں غالب ہو گیا۔

یہی مثال ہمارا ہے ہم اکثر ذکر خدا پر اشرفیوں کو ترجیح دیتے ہیں سب بھائیو! ایسا کرنے سے باز رہو۔ ایک خدا کے ہاں پیش ہونا ہے۔ ::

(فروری [illegible])

وہ - پاکباز جنکو قیامت کے دن کوئی خوف نہ ہوگا۔

"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ثلاثۃ لا یھولھم الفزع الاکبر ولا
ینالھم الحساب ھم علی کثیب من
مسک حتی یفرغ من حساب الخلائق
رجل قرأ القرآن ابتغاء وجہ اللہ
وأمّ بہ قوما وھم بہ راضون وداع
یدعو الی الصلوات ابتغاء وجہ اللہ
ورجل احسن فیما بینہ وبین ربہ
وفیما بینہ وبین موالیہ۔" (الطبرانی)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں کہ جن کو قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ

نہ ڈرائے گی، نہ اُن کو حساب کتاب دینا پڑے گا۔ وہ مشک کے ٹیلوں پر تفریح کریں گے، وہ یہ ہیں:

- ایک شخص وہ، جس نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے قرآن شریف پڑھا اور امامت کی، اس طرح کہ مقتدی اس سے راضی رہیں یعنی امامت اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کرے اور اس میں کمی بیشی نہ کرے۔
- دوسرا وہ شخص ہے، جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے نمازوں کی طرف دعوت دے۔
- تیسرا وہ شخص ہے، جو اپنے مالک سے اچھا معاملہ کرے اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کرے۔

آپ نے! اب آپ اس حدیث شریف کے تینوں اجزاء پر غور کیجئے کہ قرآن شریف کا پڑھنا اور پڑھانا کتنا ضروری اور اہم ہے۔ کہ قرآن مجید ہی سے عبدیت و الوہیت، ربُّ العزت کی عظمت اور بندہ کو اپنی صحیح حیثیت کا علم ہوتا ہے اور اس کے بغیر پیاسا اور حیران رہتا ہے۔

مگر افسوس ہے، کہ آج کے بہت سے مسلمان قرآنِ حکیم سے غافل ہیں۔ اور انہوں نے اپنے نونہالوں کو بھی اس سے بے گانہ اور دور رکھا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اب لوگوں کو گانا بجانا اور افسانہ گوئی میں مزہ آتا ہے۔ لیکن قرآنِ شریف میں اُن کو لطف نہیں آتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب قوم کو امام بھی نہیں ملتا اور جنازہ ٹھیک طور پر پڑھانے کے لئے وقت

پر بہم نہیں ہوتا، بلکہ اس کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں
ہائے، یہی مسلمان قیامت کے دن جب حضرت نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر ہوگا تو آپ فرمائیں گے یارب
"ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا" میرے مولا میری
امت نے اس قرآن کو پس پشت ڈالا۔

دوستو! معاف فرمائیے اگر میں ضمنی شکوہ کروں کہ:-
" انجمن تبلیغ الاسلام ملک میں قرآنی مکاتب و مدارس
مسلمان بچوں کے لئے قائم کرتی ہے اور ان کے ذریعہ
دین کی طرف دعوت دیتی ہے مگر اس راہ میں
حائل اور آڑے کون آتا ہے صرف وہ لوگ جو قرآن
حکیم کے نام پر کھاتے اور پیتے ہیں اور پھر وہ توقع
رکھتے ہیں کہ لوگ ان کی عزت کریں اور دیندار مسلمان
ہونے کے دعویٰ کے باوجود ماہنامہ "الاعتقاد"
ضائع کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کے مطالعہ کا موقعہ
نہیں دیتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم تجدید دین
کرتے ہیں۔

" ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ
یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا "

رجوع باصل حدیث:

دوسرا وہ شخص ہے جو لوگوں کو نماز کی طرف بلائے بلاشبہ
جس نے نماز کو قائم رکھا، اس نے دین کو قائم رکھا۔
ہائے! مسلمانوں اور خاص کر مدعیان اسلام کی مسجدوں

کو دیکھئے کہ ان مسجدوں کے دروازے بند ہوتے ہیں اور "تھے ملہ نذر رہزن کم" کے پورے مصداق ہیں ــــ
"اعاذنا اللّٰہ من شرورھم۔"

فرمایا: تیسرا شخص وہ ہے کہ جس کے تعلقات اپنے مالک اور ماتحتوں کے ساتھ یکساں طور پر ٹھیک ہوں گے اور اس میں کبر، نخوت، من ہستم، مکر، فریب اور تنگ نظری نہ ہو بلکہ اس کا خلوت وجلوت صرف اللّٰہ تعالیٰ کے لئے ہو۔

نتیجۂ کلام:

"اگر آپ قیامت کے دن کے خوف و پریشانی سے بچنا چاہتے ہیں، تو قرآنِ مجید خود پڑھئے، وہ بھی معنی سمجھ کر اور اپنے بچوں اور بچیوں کو بھی پڑھوا لیجئے ــــ اور اس کے لئے بہترین دینی درسگاہیں تبلیغ الاسلام کے تحت قائم کیجئے ــــ خصوصیّت کے ساتھ پابندِ نماز بن جایئے، اور یہ کہ تمام بنی نوعِ انسان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کیجئے۔ اور مکر و فریب ریا اور غرور و سرکشی سے دور رہئیے۔

خداوند کریم ہم سب مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے اور خلق ربّ کائنات کی بلا معاوضہ اور خلوصِ نیت سے خدمت کرنے کی توفیق دے۔ آمین، ثم آمین۔

(جنوری ۱۹۷۳ء)

صالحین اور عام لوگ ربِّ کائنات کی نظر میں

• عن مرداس الاسلمی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم یذھب الصالحون الاوّل فالاوّل ویبقی حفالۃ کحفالۃ الشعیر اوالتمر لا یبالیھم اللّٰہ بالۃ قال ابوعبداللّٰہ یقال حفالۃ وحثالۃ۔

(کتاب الرقاق ۔ صحیح البخاری)

ترجمہ : حضرت مرداس اسلمی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: قیامت کے قریب نیک لوگ اور باخدا انسان ایک ایک کرکے دُنیا سے اُٹھ جائیں گے اور رخصت ہو جائیں گے اور ایسے لوگ باقی رہیں گے جو اپنے عملوں اور کاموں کی وجہ سے خدا کے نزدیک بے قدر و قیمت ہوں گے۔ ان کی مثال جَو کے بھوسے یا کھجور کے کچرے کی طرح ہو گی۔ اللّٰہ تعالیٰ کو اُن کی ذرا بھی پروا نہ ہو گی ــــــ" حدیث شریف کا متن یہاں پر ختم ہوا اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں، عربی میں حُفالۃ اور حُثالۃ ہم معنی ہیں۔

تشریح :

اس حدیثِ مبارک سے سرسری طور پر تین باتیں سمجھ میں آگئی ہیں :

۱۔ صالحین اور نیکوکار انسانوں کا مرتبہ اللہ تعالےٰ کے ہاں بہت اونچا اور بلند ہے اور یہ کہ اللہ تعالےٰ کو اُن کا بہت پاس اور احترام ہے۔ جیسا کہ ایک اور حدیثِ مُبارک میں جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : "وَبِہِمْ تُرْزَقُوْنَ" کہ تم کو نیکوکار بندوں کے طفیل سے رزق دیا جاتا ہے ۔ پس مسلمان کا خود نیک اور صالح بننا اور صالحین کی عزت کرنا اور ان سے صحیح محبت کرنا موجبِ سعادت و برکت ہے ، جیسا کہ باخدا انسانوں سے ضد و نفرت کرنا اور اُن کی توہین و تذلیل کرنا شقاوت و گمراہی کا موجب ہے ۔

۲۔ دوسری بات اس حدیثِ مبارک سے یہ سمجھ میں آگئی ہے کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں کے دِلوں میں اسلام اور دینِ حق کی قدر و منزلت کم ہوتی جائے گی اور ان میں دینی سیرت بہت کمزور ہوگی۔ یوں تو وہ ظاہری کثرت کے لحاظ سے گو بہت زیادہ ہوں گے مگر ایمان اور اعمالِ صالحہ کے اعتبار سے پست اور فروتر ہونگے صدق رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسلَّم۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل صحیح

اور سچ ہے کہ اس زمانے میں دُنیا میں قریب قریب ایک ارّب فرزندانِ توحید ہیں سب کے سب خُدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زبان سے مانتے ہیں مگر قرآن و سُنّت پر ان کا عمل نہیں صحابہ کرام رضا اور نیکوکار مسلمانوں کی طرح ان کے قلب اور زبانیں یادِ الٰہی سے معمور اور منوّر نہیں، عملاً انہوں نے قرآن اور اسلام کو ٹکا سا جواب کر لیا ہے بے پردگی، بے حیائی، سود کا لین دین، تجارت میں غیر اسلامی طریقہ، حلال و حرام میں برائے نام امتیاز، ہزاروں وطنوں اور قوموں میں اعتقادی اور عملی طور منقسم اور بٹے ہوئے اور وحدت اور باہمی رواداری اور میل ملاپ سے دُور بلکہ ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنے میں اُن کا سارا زور استعمال ہوتا ہے۔ نماز اور حج سے بھاگنے والے اسی بنا پر اللہ کے ہاں اُن کی کوئی قدر منزلت نہیں یہی وجہ ہے کہ اُن کے غلام اور اُن سے شکست کھائے ہوئے دشمن نے ہر جگہ ان کا ناطقہ بند کر دیا ہے اور ان کو دبا رکھا ہے۔ "رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ" کی دُعا بھی اب کوئی اثر نہیں کرتی کیونکہ جب تک ہم پکّے مسلمان نہ ہو جائیں گے اور خلوت و جلوت میں ان پر دل و جان سے عمل نہ کریں گے تو ہم کبھی کامیاب نہیں

ہوں گے۔ جیسا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "لَنْ یُفْلِحَ آخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا بِمَا اَفْلَحَ اَوَّلُھَا۔" (اس امت کے پچھلے لوگ اپنے سے پیشتر مسلمان بھائیوں کی اتباع و پیروی سے ہی کامیاب ہو سکتے ہیں۔) مگر افسوس ہم تو اسے جہالت اور کفر و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں پھر کامیابی کیسی ہو گی۔

۳۔ اس حدیثِ مبارک سے تیسری بات یہ سمجھ میں آگئی کہ صرف مالدار ہونا اور دنیوی امور میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اور حرام کی دولت کمانا پھر اسے بری رسوم میں اور غیر شرعی امور میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک معیارِ فضیلت اور موجبِ نجات نہیں ہے جیسا کہ اس زمانے میں بہت سے مسلمان اس قسم کے ہیں کہ دنیا کے اعتبار سے بہت ترقی یافتہ ہیں مگر دینِ حق سے بیگانہ ہونے کی وجہ سے خدا کے ہاں جَو کے بھوسے اور ردّی کھجوروں سے بدتر اور کمتر ہیں۔ ہاں دنیا کے ساتھ دین بھی ہو تو پھر یہ سعادت۔ "رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔"

بازآ بازآ ہر آنچہ ہستی بازآ
گر کافر و گبر و بت پرستی بازآ
ایں درگہِ ما درگہِ نا امیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی بازآ

(جون ۷۲ء)

محبتِ خدا، محبتِ رسولِ خدا، محبتِ دوستانِ خدا

اللہ، رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاءِ عظام کی محبت

"عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَجُلاً مِّنْ
اَھْلِ الْبَادِیَۃِ اَتَی اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَتَی السَّاعَۃُ
قَالَ وَیْلَکَ وَمَا اَعْدَدْتَّ لَھَا قَالَ مَا
اَعْدَدْتُّ لَھَا اِلَّا اِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ
قَالَ اِنَّکَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ فَقُلْنَا وَنَحْنُ
کَذٰلِکَ قَالَ نَعَمْ فَفَرِحْنَا یَوْمَئِذٍ فَرَحًا
شَدِیْدًا فَمَرَّ غُلَامٌ لِّلْمُغِیْرَۃِ وَکَانَ مِنْ
اَقْرَانِیْ فَقَالَ اِنْ اُخِّرَ ھٰذَا فَلَنْ یُّدْرِکَہُ
الْھَرَمُ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ وَاخْتَصَرَہٗ

شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ سَمِعْتُ أَنَسًا عَنِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ (صحیح بخاری)

ترجمہ:- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "ایک گنوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا" یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ تو فرمائیے قیامت کب ہوگی؟" آپؐ نے فرمایا: "تجھ پر افسوس، تو نے قیامت کے لئے کیا سامان تیار کر لیا ہے۔" اس نے عرض کیا: "میں نے قیامت کے لئے کوئی سامان تیار نہیں کیا، صرف اتنی بات ہے کہ میں اللہ جل اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت رکھتا ہوں" آپؐ نے فرمایا: "بس تو انہی کے ساتھ قیامت کے دن ہوگا جن سے تو دُنیا میں محبت رکھتا ہے۔" یہ ارشادِ شافعِ محشر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سُن کر دوسرے صحابۂ کرام رضؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ہمارا بھی یہی حال ہوگا کہ .... آپؐ نے فرمایا: "بے شک، تمہارا بھی یہی حکم ہے" ـــــ صحابۂ کرام رضؓ فرماتے ہیں کہ اس دن آپؐ کا یہ فرمان سُن کر ہم کو بے حد خوشی ہوئی۔ راوی (حدیثِ مبارک مذکور کا) کہتے ہیں، اتنے میں حضرت مغیرہؓ کا ایک غلام نکلا، جو میرے ہم سن تھا یعنی کم عمر۔ آپؐ نے فرمایا: "اگر یہ بچہ زندہ رہا تو اس کو بڑھاپا آنے سے پہلے قیامت قائم ہو جائے گی۔" شعبہ رضؓ نے اس حدیث

کو مختصر طور پر قتادہؓ اور انہوں نے حضرت انسؓ سے آخری حدیث تک روایت کیا۔" (کتاب الادب صحیح بخاری کا پارہ ۲۵)

تشریح :

یہ حدیث مبارک صحیح بخاری شریف کی ہے اس لئے اس میں کلام اور بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اس کے علاوہ مشہور محدث حضرت امام ابو نعیمؒ نے کتاب المحبین مع المحبوبین میں اس حدیث مبارک کی تمام سندیں جمع کی ہیں تو بیس صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس کے روایت کرنے والے ہیں ــــ حضرات محدثین نے فرمایا یہ حدیث مبارک ان لوگوں کے لئے بڑی خوشخبری ہے جو حضرت اللہ، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرات اہل بیتؓ، صحابہ کرامؓ اور اولیاء اللہؒ سے محبت رکھتے ہیں۔ یعنی جس طرح اعمالِ صالحہ باعث نجات اور موجب سعادت ہیں، اسی طرح اللہ، رسولؐ اور دوستانِ خدا کی محبت بھی باعثِ نجات و سعادت دارین کی موجب ہے۔ مسلمان اس وقت تک ہرگز اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل نہیں کرسکتا جب تک اس کا دل خدا تعالیٰ کے پاکباز بندوں کی محبت سے معمور اور سرشار نہ ہو اور وہ لوگ جو بظاہر نیکوکار اور اچھے اعمال کے حامل ہوں گے مگر ان کے دلوں میں دوستانِ خدا کی عداوت اور بغض ہو تو ان کو ظاہری نیکوکاری سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ــــ دیکھو اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ خوارج کا تھا۔ یہ عام طور پر

دن میں روزہ دار اور رات کو شب بیدار اور بڑے عابد و زاہد تھے۔ آپ ؐ نے ان کو دوزخی فرمایا۔ اور بیچارے اس گنوار کو بہشتی قرار دیا، وجہ یہ ہے کہ خارجیوں کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت نہ تھی کیونکہ وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے جو خلیفہ برحق اور محبوب رسول ؐ خدا تھے، مقابلہ کرتے تھے، اور مسلمانوں کو معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ چسپاں کرکے اُن کو قتل کرتے تھے۔ پس خوارج کو دل کے اس کھوٹ اور بغض و عداوت نے دوزخ میں پہنچایا اور ان کی عبادت پرہیزگاری کچھ کام نہ آئی کچھ حضرات فرماتے ہیں۔ محبت سے کیا ہوگا، اپنا ایمان و عمل ٹھیک ہونا چاہئیے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے لوگ درحقیقت منکرین حدیث رسول ؐ ہیں اور واضح رہنا چاہئیے کہ جب تک مسلمان کے دل میں اللہ، رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابۂ کرام رضؓ، اولیاء اللہ رحؒ، علماءِ ابرار ؒ اور دوستانِ خدا کی محبت نہ ہو اس وقت تک نہ ایمان نصیب ہوگا اور نہ اعمالِ صالحہ کا اعتبار ہے ۔۔۔۔ پس سچا اور نجات پانے والا صرف وہ شخص ہے جس کا عمل اس حدیثِ مبارک کے مطابق ہو۔ ہاں یاد رکھنا چاہئیے کہ محبت کے ساتھ ساتھ اتباع اور پیروی ہونی چاہئیے، جیسا کہ " قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ " سے ظاہر ہے۔

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فرمایئے کہ اگر تم کو اللہ کی محبت ہے تو میری پیروی کرو تو خدا بھی تم سے محبت رکھے گا تو معلوم ہوگیا کہ

محبت کے ساتھ ساتھ اُسوۂ حسنہ کی پیروی بھی ہونی چاہیئے۔ علماء نے فر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کی علامت یہ ہے کہ دی اسلام کی مدد کرے۔ "ان تنصروا اللہ ینصرکم" کہ اگر تم اللہ کی دی کی مدد کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری مدد فرمائیں گے۔ اور محبت کی علامت یہ ہے کہ جو لوگ دینِ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اُن کو دندان شکن جواب دے۔ دینِ اسلام کی کتابیں پھیلائیں، دینی مدرسے جاری کر واعظوں اور مبلغوں کو مقرر کرکے دُنیا کے چپے چپے اور کونے کونے میں بندگانِ خدا کو دینِ حق کی طرف دعوت دیں۔ بچوں اور عورتوں کے دینی تعلیم کا بندوبست کر لیا جائے یہ سب چیزیں اللہ، رسول اللہ صل اللہ وآلہٖ وسلم اور دوستانِ خدا کی محبت کی علامتیں ہیں۔

افسوس ہے کہ موجودہ وقت کے مسلمانوں میں افراط و تفریط ہر طرف سے محیط ہے کچھ لوگ کہتے ہیں بس قرآن و سُنّت پر عمل کرو یہی کافی ہ اور سلفِ صالحین کی محبت کی کوئی ضرورت نہیں اور دوستانِ خدا سے اُن کو یک گونہ نفرت ہے۔ ایسے لوگ بھی حقیقت میں افراط میں بہک گئے ہیں۔ اللہ تع کے نیک بندوں کا نام سن کر چڑ اور نفرت نہیں ہونی چاہیئے بلکہ اُن کے نام او اُنکی اچھی سیرت پڑھ کر خوش ہونا چاہیئے اور ان حضرات کی محبت درحقیقت اللہ اور رسول ﷺ کی محبت ہے اور کچھ لوگ تفریط میں گرفتار ہیں یعنی محبت کا تو وہ دم بھ ہیں مگر افسوس ہے کہ ان کا عمل اور اُنکا کردار اسلامی تعلیم کے برخلاف ہے کس قدر ان پر خدا کا غضب ہے کہ وہ مسلمان ہونے کے باوجود وطنیت، قومیت، رنگ و نسل کے نام پر اپنا اقتدار اور عزت حاصل کر کے مسلمانوں کی وحدت اور اخوت کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے "وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون" عزت اور غلبہ تو بس اللہ، رسول ﷺ اور سچے مسلمانوں کیلئے ہے پر منافقین اور دشمنان دین کو یہ بات سمجھ میں آتی ہی نہیں۔ ٭

(فروری ۷۸ء)

حُبِّ نبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم

"عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہُ قال جاء رجلٌ الی النبیّ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم، فقال یا رسُول اللہ کیف تقولُ فی رجُلٍ احبَّ قوماً ولم یلحق بھم فقال المرءُ مع من احبَّ"
(متفقٌ علیہ)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہُ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: "مجھے اس شخص کا حال اور حکم فرمایئے کہ جو کسی شخص یا قوم سے دل سے محبّت رکھتا ہے مگر اپنے افعال و اعمال کے اعتبار سے ان سے بہت پیچھے ہے۔" آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔" وہ شخص اسی شخص اور اسی قوم کے ساتھ اُٹھے گا جن کی محبّت سے اس کا دل معمور اور سرشار ہو۔"

یہ حدیث مبارک صحیح بخاری شریف اور صحیح مُسلم شریف کی (یعنی متفقٌ علیہ) ہے۔ راوی حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہُ فرماتے ہیں کہ" صحابہ کرام رض اس ارشاد مبارک کو سُن کر اسلام لانے کے بعد کبھی اتنے خوش نہیں ہوئے تھے جتنا کہ وہ مذکورہ ارشاد مقدّس سے خوش ہوئے۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اتنی تاثیر ہے کہ وہ کسی طرح ضائع نہیں ہوتی۔ اور محبت کرنے والا کتنا ہی ضعیف الایمان اور قلیل الاعمال ہو مگر محبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں وہ ضرور مقبول ہوتا ہے۔ درحقیقت پاک ایمانوں کی روحیں ازل سے ہی ایک دوسرے کے ساتھ تعارف اور الفت محبت رکھتی ہیں۔ دنیا میں بھی مومنین کی روحیں باہمی مہر و محبت پر قائم ہیں اور مرنے اور دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی ایک دوسرے سے اپنا تعلق قائم رکھتی ہیں اور جو ارواح ازل سے ایک دوسرے سے مخالف ہوتی ہیں وہ دنیا میں، اور مرنے کے بعد بھی ایک دوسرے سے مخالف اور غیر مانوس رہتی ہیں۔

یہ مضمون صحیح بخاری شریف کی اس حدیث مبارک سے عیاں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ"۔۔۔ روحیں جسموں میں پہنچ جانے سے پہلے ایک جگہ اکٹھے لشکر تھیں پھر ان کو متفرق طور پر مختلف اجسام میں پہنچایا گیا۔۔۔" پس جن روحوں کو وہاں باہم جان پہچان اور الفت تھی وہ جسموں میں آنے کے بعد بھی آپس میں تعلق رکھتی ہیں اور محبت کرتی ہیں جو روحیں عالم ارواح میں ایک دوسرے سے متنافر تھیں وہ دنیا اور

آخرت میں بھی ایک دوسرے کی مخالف اور ایک دوسرے سے دور ہوں گی۔

پس بزرگو! یاد رکھو جس مسلمان کا دل حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبّت سے منوّر اور معمور ہو وہ ازلی سعادتمند ہے، یہ سب سے بڑی ربّانی عنایت ہے۔ میدانِ عشق و محبّت کے شہسوار نے کیا خوب فرمایا ہے:- ؏

اُستان را در دو عالم اوست دوست
دوستیٔ دیگراں برلوئے اوست

ترجمہ:- مخلوقات میں حقیقی محبوب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں اور دوسروں کی عارضی محبت آپؐ ہی کی بدولت ہے۔ ہاں محبّت ہو حضرت شافع روز محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، مگر نقلی اور بناوٹی نہ ہو بلکہ آپؐ کی محبت سے دل اتنا بے قرار و بے چین ہو کہ خلوت و جلوت، کاروبار و معاملات اور کرسی و اقتدار کی حالت میں بھی دل میں آپؐ ہی ہوں اور آپؐ ہی کی ہدایات و تعلیمات کارفرما ہوں۔ جیسا کہ ایک عاشقِ صادق کہتا ہے:- ؏

بے تو اے آرام جانم زندگانی مشکل است
بے تماشائے جمالت کامرانی مشکل است

اس مقام پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبّت بڑی عنایت الٰہی ہے کیونکہ حبیب

حق تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بناتا ہے تو اس کو سب سے پہلے ظاہری وسائل و اسباب کی طرف متوجہ کرتا ہے اور بقول " وابتغوا الیہ الوسیلۃ " اس کے دل میں شیخ اور پیر طریقت کی تلاش اور فکر پیدا کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور فضل و عنایت سے اس کو رہبر کامل میسر اور ممکن ہو جاتا ہے تو پھر اس کی تعلیم و تلقین و ہدایت و رہبری سے اس کے دل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرۃ العیون والقلوب، آپ ؐ کے اہل بیت رضؓ، صحابہ کرام رضؓ، علماء دین رحؒ اور اولیاء کاملین رحؒ کی محبت و الفت قائم کرتا ہے جب ان کی محبت کی تکمیل ہو جاتی ہے تو پھر یہی محبت اللہ رب العالمین کی طرف کشش اور جاذبیت پیدا کرتی ہے اور بمقتضائے " موتوا قبل ان تموتوا " (مرنے سے پہلے مرو) اس کو مقام فنا سے مقام بقا کی طرف لے جاتی ہے اور اسے بقا ہی بقا نظر آتا ہے اس وقت " الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب " موت و مرگ ایک قسم کا پل اور واسطہ ہے جو دوست کو دوست کے پاس پہنچاتا ہے اس پہ آشکارا اور ظاہر ہو جاتا ہے، اسی بنا پر موت کو حیات کہتے ہیں اور موت کے بغیر حیات اور بقا ممکن نہیں ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ظاہری موت کو سورۃ الرحمٰن میں بہت بڑا احسان اور نعمت قرار دیا اور فرمایا: " کُلُّ مَنْ علیہا فانٍ ویبقیٰ وجہُ ربّک ذو الجلال والاکرام فبایّ الاءِ ربّکما تکذّبان .. " اگر یاد کرنے

یہ مقام حصولِ بقاءِ دائمی مجاہدہُ نفس، ریاضیت و عبادت کے بغیر ممکن نہیں اور جہاد بالنفس شیخِ کامل اور رہبرِ طریقت کے بغیر بے نتیجہ اور بے فائدہ ہے جیسا کہ حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں: ع

ہیچ نہ کُشد نفس را جز ظلِّ پیر
دامنِ آں نفس کُش را سخت گیر

اس لئے جب تک " لاتحسبنّ الذّین قُتِلوا فی سبیل اللہ امواتًا بل احیاءٌ " (ہرگز ان لوگوں کے متعلق جو راہِ خدا میں مارے گئے یہ گمان نہ کرنا کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں ..... الخ) حاصل نہ کرے، اس وقت تک اپنا ایمان کامل نہیں ہو سکتا کیونکہ حق الیقین اور عین الیقین کے مدارج طے کرنے سے پہلے نہ تو توحید میں کمال حاصل ہوگا اور نہ دین و ایمان کی لطافت و حلاوت نصیب ہوگی پہلے شنید بعدہٗ دید پھر تو عین ہی عین ہے۔ جب مومن اس مقام پر پہنچتا ہے تو بمقتضائے " مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسانُہٗ " (جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے وہ اپنی زبان کو نامحرموں اور ناواقفوں سے بند کر دیتا ہے) میں محو ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مولینا نظامیؒ فرماتے ہیں :- ع

ستانی زبان از رقیبانِ راز
کہ تا رازِ سلطان نہ گویند باز

اور حصولِ مقام مجاہدۂ نفس سنتِ سنیہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و پیروی کے بغیر ممکن ہی نہیں اور سنّتِ محمدی ؐ کی پیروی بلا عشقِ احمدی ؐ صورت پذیر نہیں ہو سکتی۔ اور عشقِ محمدی ؐ بلا عشقِ شیخ اور رہبرِ کامل کے ممکن نہیں اور عشقِ شیخ کی تکمیل بلا عشقِ محمدی کے نہیں ہو سکتی، اور بدونِ عشق کے اللہ تعالیٰ کا تقرب و نزدیکی حاصل نہیں ہوگی۔ پس تمام عبادات و ریاضات اور مجاہدات کی اصل اور جڑ عشق اور کمال محبّت الٰہی ہے۔ اس لئے حضرت مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اَلَا لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا مُحَبَّۃَ لَہٗ" — کہ جس شخص کے دل و دماغ میں محبّتِ خدا و رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں اس میں ایمان بھی کامل نہیں۔ اور اس محبّت سے مراد عشقِ خدا، عشقِ نبی ؐ، اور عشقِ شیخ کامل ہے۔ اس لئے صحیح بخاری شریف کی حدیثِ مبارک میں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔"

یعنی:۔ تم میں سے کسی کا ایمان کامل نہیں جب تک کہ میں اُسے اپنے باپ، اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو تو سمجھنا چاہیئے — "جو محبت اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں پر غالب ہو تو یقیناً وہ محبت اس کو پورے ماسویٰ اللہ سے فراموش اور غافل بنا دے گی۔ اسی کا نام عشق ہے

اور یہ عشق بے درد اور بے پیرو رہبر کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اس مضمون کو حضرت عارف رومیؒ نے ان ابیات میں اس طرح ادا فرمایا ہے:

دردِ حاصل کن کہ درمان دردِ تُست — درد دو عالم داروے جان دردِ تُست
ذرۂ دردِ خدا حاصل ترا — بہتر از ہر دو سرا حاصل ترا
ذرۂ عشق از ہمہ آفاق بہ — ذرۂ درد از ہمہ آفاق بہ
درگذر از زاہدی و سادگی — درد باید درد کار افتادگی
ہر کرا جامہ ز عشقش چاک شد — او ز حرص و عیب کُلّی پاک شد
شاد باش اے عشق خوش سودائے ما — اے طبیب جملہ علت ہائے ما
جسم خاک از عشق بر افلاک شد — کوہ در رقص آمد و چالاک شد
ہر دلے کز عشق مردان زندہ شد — از حیاتِ معنوی پائیدہ شد

تمام کائنات میں حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دلِ مبارک ربانی عشق سے زیادہ معمور ہے اس لئے سب سے زیادہ حیاتِ جاودانی، قربِ ربانی آپؐ کو حاصل ہے اس لئے آپؐ نے اپنے ذاتِ مقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا:

کہ "اللہ کا پیغمبرؐ برزخ میں زندہ اور قربِ الٰہی پورا پورا حاصل کر رہا ہے ..... " پس عشقِ رسولؐ کو دل میں بساؤ۔

(مارچ ۶۵ء)

ـــــ

تواضع، نرمی نبی رحمت
(صلی اللہ علیہ وسلم)

"عن عمر بن الخطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہُ قال
قال رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم لا تُطرونی
کما اَطرت النّصاریٰ عیسیٰ بن مریم اِنّما
انا عبدُ اللہ فقولوا عبدُ اللہِ ورسُولُہٗ"
(شمائل ترمذی)

ترجمہ:- حضرت عمر بن الخطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہُ روایت کرتے ہیں کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مجھے حد سے زیادہ نہ بڑھاؤ، جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریمؑ کو حد سے بڑھایا۔ میں تو صرف اللہ، ربّ العالمین کا بندہ ہی ہوں، پس! تم بھی میرے متعلق یہی کہا کرو، کہ وہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کا بندہ اور اُس کا پیغمبرؐ ہے۔"

اس حدیثِ مبارک پر اچھی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پیغمبرِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سیّد الاوّلین و الآخرین ہونے کے باوجود خدائی دین میں بہت زیادہ احتیاط فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے متعلق یہ بھی پسند نہیں فرماتے

کہ اس طرح آپؐ کی تعریف کی جائے جو مُوہم شرک اور مبالغہ آمیز ہو، اس لئے آپؐ نے اپنے اُمّتیوں کو بھی حکم دیا ہے کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرطِ محبّت سے کام لیکر اُن کو خدا کا بیٹا بنا دیا ـــــ لہٰذا میرے اُمّتیو! تم ہرگز ایسا نہ کرنا، بلکہ میرے متعلق صرف یہ کہا کرو "ھُوَ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ" (وہ اللہ جل شانہٗ کا بندہ اور اس کا رسول زبرحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔)

اس حدیثِ مبارک سے جناب سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تواضع، نرمی اور فروتنی اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ ماشاء اللہ آنجنابؐ کا عمل بھی نرمی و تواضع پر مبنی تھا ـــــ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ آپؐ بیماروں کی عیادت کرتے، جنازوں میں شریک ہوتے، دراز گوش پر سوار ہوتے، غلاموں کی دعوت قبول فرمائے اور آپؐ جنگ بنی قریظہ کے دن ایسے دراز گوش پر سوار تھے کہ جس کی باگ کھجور کی مُونج کی تھی۔ آپؐ کی زِرہ ایک یہودی کے پاس گِرو تھی، آپؐ کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا کہ آپؐ اُسے چھڑاتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف لے گئے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

مسلمانو! آؤ اچھی طرح اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عقاید و اعمال، اخلاق و عادات، اندرونی حالات اور بیرونی معاملات پر غور فرمایئے۔ اور انصاف سے سچ سچ بتایئے کہ ہم کس چیز میں اپنے مقدّس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع و پیروی کرتے ہیں۔ ہائے! نبی رحمت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ جیسے نازک مرحلہ پر تواضع اور زہد کے طور پر پاپیدل یا دراز گوش پر سوار ہوتے ہیں، جہاں رعب دکھانے کی ضرورت اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کی حاجت ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں بھی مقام ہوتا ہے جہاں رعب دکھانے کی ضرورت اور دشمنوں کے آپ اتنی نرمی فرماتے ہیں کہ دراز گوش یا خچر پر سوار ہوئے۔ مگر ہم بدقسمت توبہ اور استغفار کے اوقات میں بھی عیدگاہ کی طرف خود نہیں چلتے بلکہ غریبوں اور سیدھے سادھے مسلمانوں کی گردنوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اہلِ ایمان کے کندھوں پر کرسیاں رکھ کر اُن پر خود جلوہ افروز ہو کر میدانِ استغفار کو مقام استخفاف اور تماشہ گاہ بنا دیتے ہیں۔ ع

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی میدان میں استغفار کے لئے تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ صحابہ کرام کے علاوہ حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی تھے مگر سب پورے خشوع وخضور سے عیدگاہ میں پیدل تشریف لے آئے۔ یا اللہ! یہ ہمارے بزرگوں کی سنت ہے اور یہ اُن کا طریقہ تھا ہم میں یہ رسم کہاں سے آئی اور ہم ان قبیح عادتوں، مہلک رسموں اور بدعتوں میں کیسے گرفتار ہوئے۔ ان بدعات کا موجد اور مخترع کون ہے؟ یہاں تو بڑے بڑے عالم تھے، واعظ تھے، ناصح تھے۔ کیا انہوں نے کبھی بھی قرآن وسنت فقہ حنفی اور بزرگانِ دین کی تعلیمات سے قوم کو بہرہ ور نہیں کیا، اس مقدس اور سنہری تعلیم کے ہوتے ہوئے اس بحث میں

بڑھا آگے کون جائے پیچھے کون جائے۔ کس قدر فرسودہ
ذہنیت اور دینی تعلیم سے بے خبری اور بے خردی ہے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

"کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سب سے زیادہ محبوب ترین شخصیت حضرت رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھیں مگر جب صحابہ کرامؓ آپؐ کو کسی مجلس میں تشریف لاتے ہوئے دیکھتے تھے تو آپؐ کے لئے کھڑے نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپؐ اسے پسند نہیں فرماتے ہیں۔"

یہ ہے ہمارے پیغمبر کریم شافع روز محشر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرمی، تواضع اور اخلاق و فروتنی اور طبیعت مقدسہ کی انکساری جو ہمارے لئے مشعل راہِ ہدایت اور موجب نجات ابدی ہے۔ کاش ہم لوگ اس حریت و مساوات کے سنہری اصول پر غور کریں اور بڑے چھوٹے امیر و غریب کی تفریق چھوڑ دیں اور غریبوں اور ناداروں اور بیکسوں کو برابر کا درجہ دیں اور اپنے ماتحتوں اور پیروؤں سے وہ تعظیم و تکریم نہ لیں جو خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے مخالف ہو۔

باقی رہا پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و رفعت وہ تو ہمارا ایمان ہے اور اس میں اگر فرق یا کچھ کمی ہو تو خسران ابدی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا اگر اصول شرعی کے تحت ہے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۔۔۔

—o—

شبہائے بابرکت

معراج مسعود رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"عن ابن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی قولہ تعالیٰ "وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ" - قال ھی رؤیا عین اُریھا النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم لیلۃ اُسری بہ الی بیت المقدّس قال والشّجرۃ الملعونۃ فی القرآن قال ھی شجرۃ الزّقوم، ھٰذا حدیث حسنٌ صحیحٌ"

(جامع ترمذی جلد دوم ص ۱۴۱)

ترجمہ: ہم نے واقعۂ معراج میں بیداری کی حالت میں، جو عجیب و غریب حالات آپ کو دکھائے۔ اور وہ درخت جس کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے ہم نے ان دونوں چیزوں کو لوگوں کے لئے امتحان و آزمائش بنایا کہ ہماری قدرت کا صحیح اندازہ کرکے ان دونوں چیزوں (واقعۂ معراج و شجرۂ ملعونہ یعنی تھوہر

کے درخت) کی کون تصدیق کرتا ہے، اور کون
اُن کی تکذیب کرتا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کریمہ کی
تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ آیت میں جس رویا کا ذکر ہے اس سے
مراد خواب نہیں بلکہ اس سے مراد "شبِ معراج" کے وہ عظیم الشان
واقعات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس
رات بیداری میں دکھائے جس میں آپؐ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصےٰ کی
طرف سیر کرائے گئے ــــــ اس سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا
مقصد ان لوگوں کا رد کرنا ہے، جو اس رویا کو خواب پر محمول
کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر کھینچ تان کرکے رویا کو خواب ہی پر محمول کرینگے
تو یہی کہیں گے کہ معاذ اللہ جو واقعات شبِ معراج میں آپؐ کو دکھلائے
گئے وہ خواب کی حالت میں تھے تو پھر فتنۃ للناس کہ اس میں
لوگوں کا امتحان و آزمائش کرنا تھا۔ تو یہ مقصد کسی طرح حاصل نہیں
ہوگا کیونکہ خواب میں آدمی تو بہت کچھ دیکھتا ہے کوئی کسی کا انکار
نہیں کرتا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ معراج والی رات میں جو اسرار
و عجائب آپؐ کو دکھائے گئے اور اُس رات عالمِ بالا کی طرف
آپؐ کی پرواز یہ سب بیداری اور بروح و جسد تھی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
اسی طرح جس زقوم کے درخت یعنی تھوہر کا ذکر قرآن مجید میں ہے کہ
اس میں بھی لوگوں کو امتحان اور آزمانا مقصود ہے کہ ان میں سے کون
رب العالمین کی قدرت کا صحیح اندازہ کرکے یوں کہے کہ جو آگ کی خاصیت

درخت جلانے کی ہے اور دوزخ میں اس درخت کا پایا جانا اور آگ کا اس پر اثر نہ کرنا یہ سب حضرت اللہ جل شانہٗ کی بے پایاں اور بے شمار قدرت و طاقت کے ساتھ وابستہ ہے اُسی پروردگار نے اشیاء میں ان کے خواص عطا فرمائے اور وہی پروردگار اشیاء سے ان کے خواص بھی سلب اور دور کر سکتا ہے اس میں کوئی امر محال نہیں کہ کامل کمہار وہی کہلایا جا سکتا ہے جو برتن کو توڑ کر پھر اُسے اصلی حالت میں بنائے اور اصلی صورت میں برتن کو پیش کرے۔

چنانچہ حضرت پیر رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ع

کوزہ گر گر کوزہ را بشکند
چوں بخواہد باز قائم میکند
آں کہ داند کوزہ کردن از نخست
چہ عجب گر ساز داو بشکستہ درست

یعنے ماہر کمہار تو وہ ہے جو برتن توڑ کر اُسے پھر جوڑ دے اور اصلی حالت میں پیش کرے، اور جو پہلے سے برتن بنانا جانتا ہو، تو اس میں کیا تعجب ہے کہ اگر وہ ٹوٹے ہوئے برتن کو دوبارہ جوڑے۔

ہمارا مقصد اس تمہید سے یہ عرض کرنا ہے کہ جو لوگ واقعۂ معراج کا انکار کرتے ہیں یا تاویل کر کے اس کو خواب کی حالت پر محمول کرتے ہیں۔ ایسے بے چاروں کو حقیقت میں خدا تعالیٰ کی قدرت پر ایمان اور اعتقاد ہی نہیں لہٰذا معراج واقعاتی صورت میں عقل و نقل سے ثابت

ہے اور تاویلاتِ فاسدہ کی اس بارہ کوئی گنجائش نہیں۔

معراجِ سرورِ کائنات پر مختصر تبصرہ

معراج کو ہی عید منائیں تو ہمارے لئے زیبا ہے۔

یوں تو صاحبِ معراج حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزاتِ عالیہ بے حد و بے شمار ہیں ان میں سے اسراء (معراج) کو جو اہمیت و عظمت اور جو امتیاز و خصوصیت حاصل ہے وہ اتنی اعلیٰ اور اونچی ہے جس کی مثال اولین و آخرین میں پائی نہیں گئی۔ گو یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولوالعزم پیغمبروں کی اپنی اپنی شان اور مرتبہ کے مطابق شرفِ معراج بخشا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب نبوت سے سرفراز کیے گئے تو آپ کے متعلق یوں ارشاد ہے:

" وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاہِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ " کہ ہم ابراہیمؑ کو آسمان و زمین کی بادشاہی دکھلاتے ہیں۔

حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر جلوہ حق سے بہرہ ور کیا گیا، وہی ان کے حق میں معراج ہے۔ یوحنا رسول کا مکاشفہ انجیل میں تفصیل کے ساتھ مذکور و مرقوم ہے جس میں ان کو خواب کے اندر بہت سے اسرار اور عجائب دکھائے گئے، یہی ان کے حق میں معراج ہے

مگر معراج حضرت سید کائنات، سیدِ اولادِ آدم، ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اور عظمت تمام پیغمبروں کے معراجوں سے اعلیٰ اور سب سے افضل ہے آپ اسراء اور معراج کے ذریعہ نہ صرف زمین و آسمان کے اسرار سے بلکہ عالمِ ملکوت کے عجائب و غرائب اور ربانی

ولادت بھی مشرف کیے جاتے ہیں یہ روحانیت کی وہ کیفیت ہے جو تمام اولادِ آدم میں سے آپ کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج بروح وجسد تھی اس سے زیادہ لطف و کمال یہ ہے کہ یہ عجیب و غریب واقعہ صرف رات کے ایک مختصر حصہ میں ظہور پذیر ہوا، جہاں بڑے بڑے اہلِ علم وفضل بڑے بڑے اربابِ کمال حیران و ششدر رہ جاتے ہیں اور آج کل کی سائنسی ترقی اس کے سامنے ہیچ اور بے قدر و قیمت ہے۔ "ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء" وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے جسے چاہتا ہے اس کو اس سے بہتر دیتا ہے۔

ہاں، یہاں دو چیزیں ہیں : ایک اسراء، دوسری معراج

اسراء بابِ افعال کا مصدر ہے جس کے معنے رات کو سفر کرنے کے ہیں یہ اصل میں سریٰ یسری سریًا سے نکلا ہے جس کے معنی رات کے وقت چلنے کے آتے ہیں۔ اصطلاحِ محدثین میں اسراء آپ کے اس سفر کو کہتے ہیں جو آپ نے شبِ معراج میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ کی طرف فرمایا ہے۔

مِعراج

عروج سے نکلا ہے جس کے معنی اوپر کی طرف چڑھنے کے آتے ہیں اور معراج اسمِ آلہ ہے وہ زینہ اور وہ سیڑھی جس سے اوپر کی طرف پرواز کی جائے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالمِ بالا کی پرواز کرنے کے لئے مسجدِ اقصیٰ سے ایک سیڑھی لگائی گئی جس کی کیفیت و کمیت اللہ تعالیٰ

ہی جانتا ہے اس لئے مسجدِ اقصیٰ کے اس سفر کو جو عالم بالا کی طرف واقع ہوا ہے معراج کہتے ہیں۔

اسراء کا ثبوت سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت سے ثابت اور مبرھن ہے اور معراج کا ثبوت سورۂ والنجم کی آیات بیّنات احادیث متواترہ اور اجماعِ امّت سے ثابت ہے کسی صحابی نے معراج کے وقوع کا انکار نہیں کیا البتہ چند ایک حضرات سے اس کے متعلق اپنے عدمِ علم و اطلاع کی نفی منقول ہے ظاہر ہے کہ عدمِ علم، عدمِ واقع پر دلالت نہیں کرتا۔

علماءِ امّت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اسراء و معراج کا یہ عظیم واقعہ بروح و جسد تھا اس میں کوئی اچنبا پن نہیں کہ قدرت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسدِ عنصری کو روحِ مقدس جیسی لطافت و عنایت بخشی اور جسد اقدس کو روح کی سی تاثیر مرحمت فرمائی لہٰذا جسدِ عنصری کو عالمِ بالا کی طرف پرواز کرنے میں کرہ ناریہ اور زمہریر کے جو موانع آتے ہیں وہ آپ کو ہرگز نہیں آئے۔ اور پھر سائنسی ترقی نے ہر قسم کے اعتراضات کو بالکل ختم کر دیا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اسراء اور معراج کا یہ عظیم الشان واقعہ رات کے مختصر وقت میں منصہ شہود میں آیا ہے کہ جس کی صورت یہ ہے کہ کون و مکان، زمین و زمان اور حرکاتِ عالم کی چابی اللہ تعالےٰ کے دستِ قدرت میں ہے وہی اصل میں حرکت و سکون کا مالک ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس

نے اپنی طاقت دکھا کر مادی دُنیا کو حرکات و سکنات سے مجھ وقت کے لیے معطل بنایا ہوتا کہ اس کی کاریگری اور فعّالُ لِّما یُرید ہونا واضح اور ہُویدا ہو جائے۔

اور پھر معجزہ عام طور خرقِ عادت کے طور پہ ہوتا ہے تو معراجِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بہت بڑا معجزہ ہے جو خرق اور خلافِ عادت کے طریقہ پر عمل میں آیا ہے لیس اگر کوئی شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ معراج کا انکار کرے تو اس نے آپؐ کے تمام معجزاتِ مُسلّمہ کا انکار کیا ہے کیونکہ تمام معجزات میں ایک قدرِ مشترک یکساں پایا جاتا ہے وہ یہ کہ سب معجزات خرقِ عادت کے طور پر ہوتے ہیں۔

معراج کی تاریخ میں اختلاف ہے :-

بعض حضرات ربیع الاوّل، کچھ علماء ربیع الثانی، بعض حضرات رمضان المبارک، بہت سے اہلِ علم شوّال اور اکثر علماءِ اسلام ماہ رجب المرجب کی ستائیسویں ۲۷ رات بتاتے ہیں۔ یہی آخری رائے معوّل اور معتبر ہے اور ہمیشہ سے دُنیا اسلام ماہ رجب المرجب ہی میں معراج نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار مناتے ہیں۔ پھر سوال یہ ہے کہ آپؐ کی یہ معراج ہجرت سے پہلے تھی یا ہجرت کے بعد، تو قریب قریب اس بات پر اتفاق ہے کہ واقعہ معراج ہجرت سے سترہ ماہ قبل منصۂ شہود میں آیا۔

غرض اسی واقعۂ اسراء و معراج کی طرف سیدنا حضرت محبوب سبحانی شیخ سید عبد القادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبریت احمر میں اپنے کلمات طیبات میں اس طرح اشارہ کیا او فرماتے ہیں:

"وَاَسْرَیْتَ بِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی اِلَی السَّمٰوٰتِ الْعُلٰی اِلٰی سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی اِلٰی قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی وَلِاٰیَتِہِ الْکُبْرٰی وَاَنَلْتَہُ الْغَایَۃَ الْقُصْوٰی"

الٰہی! تیری قدرت و طاقت کے کیا کہنے کہ آپ ہی نے تو اپنے بندۂ خاص اور اپنے محبوب با اختصاص حضرت سیّد ولد آدم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رات کے مختصر حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک سیر کرائی۔ اسی پر بس اور کفایت نہ فرمائی بلکہ مسجد اقصٰی سے اونچے اور بلند آسمانوں کی طرف وہاں سے سدرۃ المنتہٰی کی طرف، وہاں سے قاب قوسین او ادنیٰ کی زیارت و دیدار سے سرفراز فرمایا۔ اے خدا! آپ نے اپنے جلیل القدر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے لقا و دیدار کی بڑی علامت و نشانی سے امتیاز بخشا اور انتہائی مقصد سے نوازا اور اپنے شرف خطاب سے عزت و توقیر بڑا دی ....الخ

حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی واقعۂ اسراء و معراج کو بطریق لف و نشر غیر مرتب اپنے اشعار آبدار میں اس طرح بیان کیا، فرماتے ہیں:

سَرَيْتَ مِنْ حَرَمٍ لَيْلًا إِلَى حَرَمٍ
كَمَا سَرَى الْبَدْرُ فِي دَاجٍ مِنَ الظُّلَمِ

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے ایک رات حرم کعبہ سے بیت المقدس تک اس طرح سیر فرمائی، جس طرح اندھیری رات میں چاند حرکت میں ہوتا ہے۔"

وَبِتَّ تَرْقَى إِلَى أَنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً
مِنْ قَابِ قَوْسَيْنِ لَمْ تُدْرَكْ وَلَمْ تُرَمِ

"اور رات گزاری آپؐ نے ترقی کرتے ہوئے۔ یہاں تک کہ آپؐ قاب قوسین کی اس منزل تک پہنچے جو کسی کے علم و شعور میں نہیں آسکتا اور نہ کوئی اسے طلب کر سکتا ہے۔"

وَقَدَّمَتْكَ جَمِيعُ الْأَنْبِيَاءِ بِهَا
وَالرُّسْلِ تَقْدِيمَ مَخْدُومٍ عَلَى خَدَمِ

"اسی مرتبہ عالیہ کی وجہ سے تمام انبیاء و مرسلین نے آپؐ کو مسجد اقصٰی میں اپنا امام بنایا جیسے خادم اپنے مخدوم محترم کو آگے کرتا ہے۔"

وَأَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ
فِي مَوْكِبٍ كُنْتَ فِيهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ

"اور ساتوں آسمانوں کے طبقات کو آپؐ شگاف کرتے اور چیرتے گئے، ایسے جلوس کی شکل میں جس میں صاحب علم آپ ہی تھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔"

حتّٰی اِذَا لَمْ تَدَعْ شَاْوًا لِمُسْتَبِقٍ
مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقًی لِمُسْتَنِمٖ

"آپؐ نے یہاں تک ترقی فرمائی کہ اب کسی سبقت کرنے والے اور عالم بالا کی طرف پرواز کرنے کے لئے قرب و نزدیکی کی کوئی منزل باقی نہ چھوڑی۔"

خَفَضْتَ کُلَّ مَقَامٍ بِالْاِضَافَۃِ اِذْ
نُوْدِیْتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمٖ

"یہاں تک کہ آپؐ نے پہلے اونچے مقام کو دوسرے مقام کے لحاظ سے پست فرمایا یہاں تک کہ آپؐ بلندی کی طرف اس طرح بلائے گئے کہ آپؐ ہی یکتا اور ممتاز تھے۔"

کَیْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ اَیِّ مُسْتَتِرٍ
عَنِ الْعُیُوْنِ وَسِرٍّ اَیِّ مُکْتَتَمٖ

"آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اتنے قریب و نزدیکی اور ایسے رازہائے نہاں سے بہرہ ور ہوئے، جو نگاہوں سے اوجھل ہیں۔"

فَحُزْتَ کُلَّ فَخَارٍ غَیْرَ مُشْتَرَکٍ
وَجُزْتَ کُلَّ مَقَامٍ غَیْرَ مُزْدَحَمٖ

"پس آپؐ نے تمام باعثِ صد افتخار چیزوں کو حاصل کیا جن میں آپؐ کا کوئی سہیم و شریک نہیں اور آپؐ نے ہر اس مقام کو طے فرمایا جس کی مزاحمت کا امکان نہ تھا۔"

وَجَلَّ مِقْدَارُ مَا أُوْلِيْتَ مِنْ رُتَبٍ
وَعَزَّ اِدْرَاكُ مَا أُوْلِيْتَ مِنْ نِعَمٍ

"جو مراتب آپؐ کو عطا کئے گئے وہ بہت ہی بلند و بالا ہیں اور جو نعمتیں آپؐ کو عطا ہوئیں ان کا پانا کسی کے امکان میں نہیں۔

بُشْرٰى لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا
مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمٍ

"اے مسلمان بھائیو! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج ہمارے لئے بشارت اور پیغامِ مسرت کا ایسا رکن ہے، جو کبھی خراب اور منہدم نہ ہوگا۔"

لَمَّا دَعَى اللّٰهُ دَاعِيْنَا لِطَاعَتِهٖ
بِاَكْرَمِ الرُّسُلِ كُنَّا اَكْرَمَ الْاُمَمِ

"جب اللہ تعالےٰ نے ہمارے پیغمبر صاحبؐ کو اپنی طاعت و عبادت کے لئے بہترین القاب سے پکارا تو ہم بھی آپؐ کے طفیل سے اکرمُ الامم یعنے تمام امتوں سے بہتر اور اشرف ہوئے لہذا ہمیں اس نعمتِ عظمیٰ پہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔"

اسی واقعہ (واقعہ معراجِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف حضرت نظامی رحمتہ اللہ علیہ اپنے ابیاتِ آبدار میں صراحت فرماتے ہیں:—

دیدِ محمد خدا را نہ بچشمِ دِگر | بلکہ بدیں چشم کہ دارد بسر
خورد شرابے کہ حق آمیختہ | جرعۂ آں در دلِ ما ریختہ
لطفِ ازل با نفسِ ہمنشیں | رحمتِ حق نازکشِ او نازنیں

یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ کو ظاہری ما زاغ چشمانِ مبارکؐ سے دیکھا اور حق تعالیٰ کا تیار کیا ہوا شرابِ معرفت نوش فرما گئے۔ اس میں سے ہمارے لئے بھی ایک گھونٹ لے آئے۔ ازلی اور ابدی مہربانی آپ کے ساتھ ساتھ تھی اور اللہ کی رحمت آپؐ کی ناز برداری کرتی تھی اور آپؐ میں شانِ نازنینی اور محبوبیّت تھی۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

خلاصۂ کلام، آپؐ نے لیلۃ المعراج میں یہ سفر مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصےٰ کی طرف، وہاں سے آسمانِ اوّل، وہاں سے آسمانِ دوّم اور وہاں سے آسمانِ سوم، چہارم، پنجم و ششم، وہاں سے آسمانِ ہفتم کی سیر کی اور پیغمبروں سے ملاقاتیں کیں، اور انہیں بھی اپنی امامت سے شرف اندوز بنایا۔ بیت المعمور کو دیکھا، جنّت اور دوزخ کا مشاہدہ و ملاحظہ فرمایا۔ سدرۃ المنتہیٰ (جو عالمِ سفلی اور عالمِ علوی کے درمیان ایک جنکشن کی حیثیت رکھتا ہے) کی حقیقت دریافت کی اور آگے بڑھتے گئے، جتنا آگے بڑھتے جاتے ہیں، اسی قدر "اُدْنُ مِنِّیْ" (میرے قریب اور نزدیک ہو جایئے) کا خطاب سُنا لیتے ہیں یہاں تک کہ مقامِ قاب قوسین تک پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ قرب و اصطفا کا وہ مقام ہے، جو

سیدا ولادآدمؑ میں سے آپؐ کے ساتھ مخصوص تھا اور ہمارے لئے روزانہ پانچ نمازیں، خواتیم سورۃ البقرہ اور پیغامِ مغفرت ماسوائے شرک کے ہدیہ اور تحفے کے طور پر لائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمْ

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعۂ معراج میں یہ حکمتیں ہیں جیسا کہ سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے:

"وَکَانَ فِیْ مَسْرَاہُ وَمَا ذُکِرَ مِنْہُ بَلَاءٌ وَاَمْرٌ مِّنْ اَمْرِ اللّٰہِ فِیْ قُدْرَتِہٖ وَسُلْطَانِہٖ وَ سِیْرَۃٌ لِاُولِی الْاَلْبَابِ وَھُدًی وَرَحْمَۃٌ وَ ثَبَاتٌ لِمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَصَدَّقَ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ عَلٰی یَقِیْنٍ وَاُسْرِیَ بِہٖ کَیْفَ شَاءَ وَکَمَا شَاءَ لِیُرِیَہٗ مِنْ اٰیَاتِ رَبِّہٖ مَا اَرَادَ حَتّٰی عَایَنَ مَا عَایَنَ مِنْ اَمْرِہٖ وَسُلْطَانِہِ الْعَظِیْمِ وَقُدْرَتِہٖ یَصْنَعُ بِمَا مَا یُرِیْدُ۔"

ترجمہ: آپؐ کے اس سفرِ شبانہ اور جو کچھ اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے اس میں مشرک اور کافر، مومن کی تمیز ہے۔ خدا کی قدرت و سلطنت میں سے پوری الٰہی نشان ہے۔ اس میں نافرمان کے لئے عبرت ہے، اور جو اللہ پر ایمان لایا اور تصدیق کی، اور خداتعالیٰ کے کاموں پر یقین رکھا اس کے لئے واقعۂ معراج علم، ہدایت

رحمت اور نیابت قدمی ہے۔ یس اللہ تعالیٰ اپنے بندۂ خاص صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رات کے وقت لے گیا جس طرح چاہا تاکہ وہ اس کو اس کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جو چاہے دکھائے یہاں تک کہ آپؐ نے خدا کی شان اور اس کی عظیم الشان قوت کے مناظر دیکھے۔ جو کچھ دیکھا حقیقت میں اس نے خدا کی قدرت دیکھی جس سے جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔

معراج کے جسمانی ہونے پر چند قرآنی دلیلیں

کہا جاتا ہے کہ معراج کے جسمانی ہونے پر قرآنی دلیلیں پیش کرو، تب ہم مانتے ہیں ـــــ ہم اس کے جواب میں بادب یہ عرض کرتے ہیں کہ اُمّت نے واقعۂ معراج بصورتِ جسمانی تسلیم کیا ہے اور صحابۂ کرام رضہ نے خصوصیت کے ساتھ اس کی تصدیق فرمائی ہے ـــــ اب مزید استدلال اور نکتہ آفرینی کی کوئی ضرورت نہیں۔

"فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔"

جو کوئی ایمان لانا چاہے تو وہ لائے اور جو کفر اختیار کرتا ہے تو کرے" ـــــ پھر بھی معراج کے جسمانی ہونے پر درج ذیل چار دلیلیں قرآن سے دی جاتی ہیں:

۱۔ قرآنِ کریم نے فرمایا: "سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔"

پاک ہے وہ جس نے اپنے بندۂ خاص کو شبِ معراج میں سیر کرایا

یہاں عبد کا لفظ استعمال فرمایا۔ عبد جسم اور روح دونوں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ سے بلا تکلف جسمانی معراج ثابت ہوئی۔ واقعاتِ معراج میں براق کا لفظ آیا ہے۔ یہ برق سے مشتق ہے جس کے معنی سواری کے آتے ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بزبان وحی اس کی تفسیر فرمائی ہے کہ وہ (براق) ایک جانور ہے۔ چونکہ یہ جانور برق رفتار تھا اس لئے وہ براق کے نام سے موسوم ہوا۔ چونکہ جانور پر سوار ہونا بھی جسم کے خواص میں سے ہے اس لئے جسمانی طور پر معراج کا ہونا بے تکلف ثابت ہو جاتا ہے۔

۲۔ اگر معراج کا واقعہ خواب اور رویا کے طور پر ہوتا تو تب کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے، کیونکہ خواب میں تو آدمی بہت سی عجیب و غریب چیزیں دیکھتا ہے مگر اس کا کوئی انکار یا تکذیب نہیں کرتا۔ پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب معراج کا واقعہ بیان فرمایا تو وہ خواب نہیں فرمایا اس کا مقصد تھا کہ آپ نے یہ واقعہ بیداری میں دیکھا تھا وہ بھی بروح و جسد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۳۔ سورۂ بنی اسرائیل میں معراج کے واقعہ کے متعلق یوں ارشاد ہے:

"وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ۔" کہ اس واقعہ معراج النبی صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلّم کو ہم نے لوگوں کے لئے امتحان وآزمائش کا معیار بنایا کہ مومن سُنتے ہی ایمان لائیں گے اور کفّار سُنتے ہی اور بھی زیادہ انکار کریں گے۔ پس اگر یہ عام خواب ہوتا تو آزمائش وامتحان کا کیا معنے ہے؟

اس مقام پر ایک اور اعتراض کیا جاتا ہے اور اس کا مختصر جواب :-

"کہا جاتا ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جسمانی معراج کے قائل ہی نہ تھے بلکہ وہ معراج کو روحِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص مانتے تھے۔ چنانچہ محمد بن اسحاق رح فرماتے ہیں :

"حدّثنی یعقوب بن المغیرۃ أنّ معاویۃؓ بن ابی سفیان کان اذا سُئل عن مسریٰ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قال: کانت رؤیا من اللہ صادقۃ۔"

یعنی : کہ مجھے یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ نے بیان کیا، کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ پوچھا جاتا تھا تو وہ فرماتے تھے کہ یہ آپؐ خداوند تعالیٰ کی طرف سے سچا خواب تھا۔ اسی طرح دوسری روایت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ہے:

"حدثنا ابن ابی حمید قال حدثنا سلمۃ عن محمدٍ قال حدثنی بعضُ آل ابی بکر ان عائشۃ کانت تقول ما فقد جسدُ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولکن أسریٰ بروحہ" (سیرۃ النبیؐ)

یعنی! ابن حمید رحؒ نے ہم سے بیان کیا اُن سے سلمہؒ نے سلمہ سے محمد بن اسحاق رحؒ نے، انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہا کرتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مبارک نہیں کھویا گیا تھا بلکہ آپ کی روحِ اقدسؐ اس شب کو لے جائی گئی۔

جواب: جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے وہ از روئے سند منقطع ہے، یعنی یعقوبؒ نے حضرت معاویہؓ سے خود نہیں سُنا ہے کیونکہ انہوں نے ان کا زمانہ نہیں پایا۔ لہٰذا یہ روایت ساقط اور ناقابل اعتبار ہے پھر جبکہ جمہور کے مخالف ہے تو اس کے ناقابل اعتبار ہونے میں اور بھی کوئی شک نہیں ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ معراج کے بہت بعد حضرت معاویہؓ اسلام کے دائرہ میں آگئے۔ اسی طرح اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت بھی پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ کیونکہ یہاں بھی ایک راوی کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا۔ اور پھر جسم کے کھوئے جانے سے کیا مطلب ہے؟ ۔۔۔

شبِ براءت ۱۵

"عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت فقدتُ رسُولَ اللہِ صلّی اللہُ علیہ وآلہٖ وسلّم لیلۃً فخرجتُ فاذا ھُوَ بالبقیع فقال اکنتِ تخافینَ اَنْ یحیفَ اللہُ علیکِ ورسُولُہٗ؟ قلتُ یا رسُولَ اللہِ ظننتُ انّکَ اتیتَ بعضَ نسائکَ فقالَ اِنَّ اللہَ تبارکَ وتعالٰی ینزلُ لیلۃَ النّصفِ مِنْ شعبانَ الی السماءِ الدُّنیا فیغفرُ لاکثرَ مِنْ عددِ شعرِ غنمِ کلبٍ وفی الباب عن ابی بکر الصدّیق۔ الخ" (ترمذی)

ترجمہ :- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہے کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مفقود پایا (یعنی، جب میری آنکھ کھلی تو میں نے آپ کو حجرۂ مبارک میں نہ پایا) اس لئے میں آپ کی تلاش میں نکلی ، میں نے آپ کو بقیع میں پایا۔ (بقیع مدینہ منورہ کے قبرستان کا نام ہے۔) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا : کیا تمہیں اس

بات کا اندیشہ ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول ؐ تم پر ظلم کرے گا ؟"
میں نے عرض کیا : " یا رسول اللہ ؐ ! مجھے خیال ہوا کہ آپ ؐ اپنی کسی
اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔" ـــ آپ ؐ نے فرمایا،
"سُنو ! شعبان کی پندرھویں رات کو اللہ تعالیٰ نچلے آسمان پر نزولِ
اجلال فرماتے ہیں اور قبیلۂ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے
زیادہ لوگوں کو بخشتے ہیں۔" اس باب میں حدیث حضرت ابوبکر صدیق
رضی اللہ تعالیٰ عنہُ سے بھی روایت ہے۔"

اس حدیثِ مبارک سے پندرھویں شعبان کی رات کی بڑی
فضیلت ثابت ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں آسمانِ اوّل پر اس
طرح نزولِ اجلال فرماتے ہیں کہ جس طرح اس کے لئے (یعنی باری
تعالیٰ جل شانہ کے) شایاں ہے اور پھر بہت سے مغفرت
کے خواہشمندوں اور اذکار و اوراد اور دُعائیں مانگنے والوں کو
مغفرت فرماتے ہیں۔

اس رات کی اتنی ہی فضیلت و فوقیت ہی نہیں ہے بلکہ اور
بھی ہے۔ امام بغوی رحؒ نے اس حدیثِ مبارک کی سندِ معتبر ذرائع
سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچائی ہے کہ :

"اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ تُقْطَعُ
الْاٰجَالُ مِنْ شَعْبَانَ اِلٰی شَعْبَانَ حَتّٰی اَنَّ الرَّجُلَ
لَیَنْکِحُ وَیُوْلَدُ لَہٗ وَ قَدْ خَرَجَ اسْمُہٗ فِی الْمَوْتٰی۔"

ترجمہ : حضرت رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے

ہیں کہ لوگوں کی موت، وزیست کا فیصلہ پندرہویں شعبان کی
رات کو خدائی دربار میں ہوتا ہے، حتیٰ کہ ظاہر میں ایک
شخص نکاح بھی کرتا ہے اور اس کے بچے بھی جنتے ہیں، لیکن
دربارِ الٰہی میں اس کا نام مُردوں کی فہرست میں نکلتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ اللہ
تعالیٰ آنے والے سال کے تمام فیصلہ طلب امور کا جائزہ اسی
رات میں لیتے ہیں۔ گو اُن کو ازل ہی میں ہر چیز کا علم ہوتا
ہے مگر آج کی رات اس علم سے متعلق امور کے احکام سے
اپنے مقررہ فرشتوں کو آگاہ فرماتے ہیں تاکہ وہ اس کے
مطابق عمل کریں گے۔

بعض حضرات لیلۃ البرات کی فضیلت سورۃ الدخان کی اس
آیۂ کریمہ سے ثابت کرتے ہیں:

"اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ
فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ"

مگر محققین کے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ
آیت اُن کے نزدیک شب قدر سے متعلق ہے۔ اس تحقیق کی
بنا پر اس آیت اور "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ"
سے ایک ہی رات یعنی شبِ قدر مُراد ہے اور اس سے آیاتِ
قرآنیہ میں بھی کوئی تعارض نہیں آتا۔ رہا یہ کہ قرآنِ شریف تھوڑا
تھوڑا کرکے تیئس ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوا تو پھر شبِ قدر

میں اس کے نزول کے کیا معنے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ محققین کے نزدیک قرآن شریف کے دو نزول ہوئے ہیں۔

پہلا نزول لوحِ محفوظ سے آسمانِ اوّل پر ہوا ہے، یہ نزول بنابر روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفعتہً یعنی بیک وقت ہوا ہے (جیسا کہ نسائی میں ہے۔ سورۂ دخان کی کی آیت "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ...... الخ اور سورۂ قدر میں" اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ .... الخ سے یہی نزول مراد ہے۔

قرآنِ شریف کا دوسرا نزول آسمانِ اوّل سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر تیئیس سال کے عرصہ میں ہوا ہے یہ نزول تھوڑا تھوڑا کر کے مطابق مصالح ہوا ہے۔

بہرحال سورۂ دخان کی آیت "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ" کا اہلِ تحقیق کے نزدیک لیلۃ البرات کی فضیلت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

لیکن کچھ علماء قرآن کریم کے تین نزول مانتے ہیں تیسرا نزول جناب باری سے لوحِ محفوظ پر ہے۔ پس اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ ...... الخ سے یہی نزول مراد لے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں وارد شریف سے بھی شب برات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن ہمیں ان تکلفات کی ضرورت نہیں۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کافی ہے اور آپؐ کا عمل ہمارے نزدیک واجبُ الاتّباع ہے،
کیونکہ آپ کی شان ہے۔

"وَمَا یَنطِقُ عَنِ الھَوٰی"

ہاں! اب آپ اصلی حدیثِ مبارک کی طرف بھی رجوع کیجئے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جب اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپؐ کی تلاش بقیع پہنچیں، تو آپؐ کو سجدہ میں یہ کلمات پڑھتے دیکھا:

" سَجَدَ لَکَ سَوَادِیْ وَجَنَانِیْ وَاٰمَنَ بِکَ
فُؤَادِیْ اَبُوْءُ لَکَ بِالنِّعَمِ وَاَعْتَرِفُ لَکَ
بِالذَّنْبِ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّہٗ لَایَغْفِرُ
الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔"

مولیٰ! میرا ظاہر و باطن اور جسم و روح تمہارے سامنے سجدہ ریز ہوا، میرا دل تمہارے اوپر ایمان لے آیا، میں نے تمہاری نعمتوں کا اقرار کیا اور میں اپنی لغزشوں کو تسلیم کرتا ہوں، بے شک میں نے اپنے اوپر سخت ظلم کیا ہے تو مجھے مغفرت فرما کیونکہ میری لغزشوں کو تیرے سوا کوئی بھی مغفرت نہیں کر سکتا۔

بعض روایتوں میں، اس پر اور اضافہ ہوا ہے رحمتہً للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بقیع میں یہ دعا پڑھتے تھے:

" اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَادَارَ قَوْمٍ مُّوْمِنِیْنَ یَغْفِرُ

اللّٰہ لَنَا وَلَکُمْ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْن
وَیَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاخِرِیْنَ
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ۔"

ترجمہ:۔ "اے اس گھر کے باایمان بسنے والو! تم پر سلام ہو، خدا تعالیٰ تمہیں اور ہمیں مغفرت فرمائے اور انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس گھر میں پہلے پہنچنے والوں اور بعد میں آنے والوں سب ہی کو رحم فرمائے اے خدا! میں تم سے عفو و عافیت اور صحت سلامتی مانگتا ہوں۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کہ "شعبان کی پندرہویں رات میں جبرئیل امین علیہ السلام میرے پاس آیا اور فرمایا اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھائیے۔ میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا، کہ: "اس رات (پندرہویں رات ماہِ شعبان) کی کیا خصوصیت ہے"؟ جبرئیل امین ؑ نے عرض کیا: "اللہ تعالیٰ نے اس رات میں رحمت کے تین سو دروازے کھول دیئے ہیں، تمام مومنین کو حق تعالیٰ اس رات میں مغفرت فرماتے ہیں ماسوائے مشرک، جادوگر، شرابی، سود خوار اور زناکار کی بخشش نہیں ہوتی، جب تک یہ توبہ نہ کریں۔ ان ہی لوگوں میں باپ اور ماں کے نافرمان، غیب کی باتیں کرنے والے، ہاتھ دیکھنے والے، ظالم سپاہی اور سارنگی بجانے والے بھی داخل ہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ ؐ نے ارشاد

فرمایا: "قوموا لیلکم صوموا یومکم" کہ پندرہویں شعبان کی رات کو عبادت الٰہی میں بیدار رہو اور پندرہویں شعبان کے دن کو روزہ رکھو۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب حق تعالیٰ اس رات، آسمانِ اوّل پر نزول اجلال فرماتے ہیں، تو بزبانِ قدرت فرماتے ہیں:

"اَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ اَلَا مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقَ لَهٗ اَلَا مِنْ سَائِلٍ فَاُجِیْبَ لَهٗ" ترجمہ:

کیا کوئی ہم سے بخشش مانگنے والا ہے؟ تو میں اُسے مغفرت کرونگا۔ کیا کیا کوئی رزق مانگنے والا ہے؟ تو میں اُسے رزق عطا کرونگا۔ کیا کوئی سائل ہے؟ تو میں اُس کی حاجت پوری کر لوں گا۔

"الا کذا الا کذا" خدا تعالیٰ کی ان عنایتوں اور مہربانیاں کی ندا پندرہویں رات کی صبح تک رہتی ہے۔ ان روایات سے آپ نے اس روایت کی عظمت کا کچھ اندازہ لگایا ہوگا۔ سلفِ صالحین اس رات کی بہت قدر کرتے تھے۔ اور اس رات میں عبادت، اذکار واشغال، ماضی کے گناہوں کے لئے مغفرت اور آئندہ کیلئے عفو وعافیت کی دعائیں مانگتے تھے۔ لہٰذا آپ بھی ہر قسم کے اذکار و اوراد، قرآن خوانی اور نفل نماز، درود بر ذاتِ مقدس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس متبرک رات میں پڑھئے اور مواعظ و مجالسِ ذکر میں شرکت کیجئے اور بدشگونی سے پرہیز کیجئے۔ نیاز مند کو مکہ معظمہ میں ایک رسالہ ملا ہے، اس میں لکھا ہے:

"شب برات میں مغرب کی نماز کے بعد تین دفعہ تین مطلبوں کے لئے سورۂ یٰسین پڑھنا چاہیئے اور ہر بار سورۂ یٰسین ختم کرنے کے بعد مندرجہ ذیل دعا پڑھیئے۔ انشاء اللہ مطلب پورا ہوگا۔
پہلی دفعہ سورۂ یٰسین درازیٔ عمر کے لئے پڑھے اور دوسری بار مصیبتوں اور پریشانیوں سے بچنے کے لئے اور تیسری دفعہ لوگوں سے بے نیاز ہونے کی نیت سے پڑھیئے"۔

دعا یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ یَا ذَا الْمَنِّ وَلَا
یُمَنُّ عَلَیْہِ یَا ذَا الْجَلَالِ
وَالْاِکْرَامِ یَا ذَا الطَّوْلِ وَالْاِنْعَامِ
لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ ظَھْرُ
اللَّاجِیْنَ وَجَارُ الْمُسْتَجِیْرِیْنَ
وَاَمَانُ الْخَائِفِیْنَ اَللّٰھُمَّ
اِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنِیْ عِنْدَکَ
فِیْ اُمِّ الْکِتَابِ شَقِیًّا
اَوْ مَحْرُوْمًا اَوْ مَطْرُوْدًا
اَوْ مُقْتَرًّا عَلَیَّ فِی
الرِّزْقِ فَامْحُ اَللّٰھُمَّ
بِفَضْلِکَ شَقَاوَتِیْ وَحِرْمَانِیْ

اے اللہ! تو ہی احسان کرنے والا
ہے اور تجھ پر احسان نہیں کیا جاتا۔
اے خدا تو ہی بزرگ اور عزت ہے تو ہی
احسان اور نعمت عطا کرنے والا ہے آپ کے
سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ہی سہارا ہے
پناہ مانگنے والوں کا اور تو ہی پناہ مانگنے
والوں کا پڑوسی۔ اور امان ہے ڈرنے والوں
کا۔ اے خدا اگر تو نے مجھے اپنے علم کے مطابق
لوح محفوظ میں بدبخت یا محروم یا
اپنے دربار سے دور کیا ہوا یا کم رزق
لکھا ہے۔ تو اے رحمت اللہ! اپنی مہربانی
سے میری بدبختی میری محرومی میری

وَطَرْدِیْ وَاقْتَارَ رِزْقِیْ
وَاثْبِتْنِیْ عِنْدَکَ فِیْ اُمِّ
الْکِتَابِ سَعِیْدًا مَرْزُوْقًا
مُوَفَّقًا لِلْخَیْرَاتِ فَاِنَّکَ قُلْتَ
وَقَوْلُکَ الْحَقُّ فِیْ کِتَابِکَ
الْمُنَزَّلِ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّکَ
الْمُرْسَلِ یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ
وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ
الْکِتَابِ اِلٰھِیْ بِالتَّجَلِّی
الْاَعْظَمِ فِیْ لَیْلَۃِ النِّصْفِ
مِنْ شَھْرِ شَعْبَانَ الْمُکَرَّمِ
الَّتِیْ یُفْرَقُ فِیْھَا کُلُّ
اَمْرٍ حَکِیْمٍ وَیُبْرَمُ اَنْ
تَکْشِفَ عَنَّا مِنَ الْبَلَآءِ
مَا نَعْلَمُ وَمَا لَا نَعْلَمُ
وَمَا اَنْتَ بِہٖ اَعْلَمُ اِنَّکَ
اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ وَ
صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ
وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ۔"

اپنے دربار سے دوری اور میری
کم رزقی مٹا دے اور مجھے ثابت رکھ
اپنے پاس لوح محفوظ میں سعادت مند
رزق والا اور نیک کاموں کیلئے صاحب
توفیق بنا دے۔ بیشک تو نے فرمایا اور تیرا
فرمانا حق ہے اپنی کتاب منزل میں
اپنے پیغمبرؐ کی زبانِ مبارک سے کہ
خداوند کریم مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے
اور ثابت رکھتا ہے جو چاہتا ہے
اسی کے پاس لوحِ محفوظ ہے۔ اے
میرے خدا! اپنے بڑے تجلی کے طفیل جو
آپ پندرہویں شعبان کی اس محترم رات
میں عطا فرماتے ہیں اور جس رات
تمام اہم کام طے پاتے ہیں اور ان کا
فیصلہ ہوتا ہے آپ ہم سے وہ تمام
تکالیف دور فرمائیے جو ہمارے علم میں
ہوں اور وہ بھی جو ہم نہ جانتے ہوں
اور وہ بھی جنہیں آپ خوب جانتے ہیں
بے شک آپ ہی عزت والے اور شان
والے ہیں۔ اور خدا کی رحمت ہو ہمارے
سردار حضرت محمدؐ پر جو اصلِ کائنات
اور آپ کی آل و اصحاب پر بھی۔

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اس دُعا کو قدرے اضافہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم نے آپکی سہولت کے پیشِ نظر اس حصّہ کا ذکر نہیں کیا ـــ بعض حضرات صوفیہ اس رات میں نفل کی نیت کرکے سَو رکعتیں پڑھتے ہیں اور دو دو رکعتوں پر سلام پھیرتے ہیں۔ اس نماز کو اُن کے عرف میں "صلوٰۃ خیریہ" کہتے ہیں۔

نوٹ! کچھ لوگ اس نورانی اور برکت والی رات میں مکانوں میں چراغاں کرتے ہیں اور راستوں میں لکڑیوں کے ڈھیر اکٹھا کرکے جلاتے ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ـــ ہاں! رات کو عبادت کرنا، قبرستان پر جانا، اپنے اَموات کے لئے دُعاءِ مغفرت کرنا اور پندرھویں شعبان کی دن کو روزہ رکھنا مستحب اور موجب امرِ عظیم ہے ـــ مزید تفصیل کے لئے "غنیۃ الطالبین" کو ملاحظہ فرمائیے۔

شبِ براءت کے متعلق حضرت شیخ سیّد عبدالقادر الجیلانی رضؓ کے ارشادات اور ہماری قلبی قساوت

(ترجمہ) :- "پس اس رات (شبِ براءت) بہت سے کفن دھوئے پڑے اور تیار ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کہ صاحبِ کفن اپنی غفلت کی وجہ سے بازار میں خرید و فروخت میں مشغول ہوتا ہے اور اس رات بہت سی قبریں کھودی گئی ہیں مگر ان میں جلد اُترنے والا خوشی اور مالِ دُنیا میں۔

مست و مغرور پڑا ہوا ہے۔ بہت سے مُنہ اس رات ہنسنے والے ہوتے ہیں مگر انہیں کیا پتہ کہ وہ تھوڑی دیر کے بعد ہی ہلاک ہونے والے ہیں۔ بہت سے مکان رہنے کے لئے تیار ہو گئے مگر افسوس ہے کہ صاحب مکان کو معلوم ہی نہیں کہ اس کی موت کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ اور بہت سے بندے ثواب کی امید رکھتے ہیں (مگر) اس کے برخلاف ان کے لئے عذاب الٰہی ظاہر ہوتا ہے ۔۔۔ اور بہت سے بندے شب برات میں خوشی و خوش خبری کی تمنّا کرتے ہیں لیکن انہیں نقصان و خسارہ ظاہر ہوتا ہے۔ بہت سارے بندے اس رات جنّت کی امید رکھتے ہیں لیکن وہ جہنّم کے حقدار بن جاتے ہیں۔ اور اس رات بہت سے خدا کے بندے اس سے وصل و نزدیکی کے خواہش مند ہوتے ہیں اس کے برخلاف وہ اس سے دوری و جدائی کا کڑوا پیالہ نوش کرتے ہیں۔ اور بہت سے بندے ایسے ہیں جو اس رات خدا تعالیٰ کی بخشش کی امید رکھتے ہیں مگر ان کے لئے بلا و مصیبت ظاہر ہوتی ہے۔ اور بہت سے بندے ملک و جاگیر کے امیدوار ہوتے ہیں مگر اسی رات ان کے لئے ہلاکت کا پروانہ نمودار ہو جاتا ہے۔"

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ شعبان کی پندرہویں رات (شب برات) میں اپنے گھر سے اس طرح نکلتے تھے کہ آپ کا چہرہ اس شخص کے مشابہ ہوتا تھا جو قبر میں دفن کئے جانے کے بعد نکالا جائے، اُن سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا:

" خدا کی قسم مجھ سے زیادہ مصیبت میں وہ شخص بھی
نہیں کہ جس کی کشتی دریا کے موجوں میں ٹوٹ گئی ہو۔
اُن سے اس کا سبب پوچھا گیا، فرمایا کہ ' مجھے اپنے گناہوں
کا انجام یقینی طور معلوم ہے کہ کیا ہوگا۔ اس کے برخلاف
اپنی نیکیوں کا کچھ علم نہیں کہ وہ دربارِ الٰہی میں مقبول
ہیں یا مردود؟

حضرت پیر رضی اللہ عنہ آگے فرماتے ہیں:

" اسی لئے اس رات (شب برات) ایک نماز سلف صالحین سے
منقول ہے جس کو "صلوٰۃ الخیر" کہتے ہیں، کہ وہ نماز پڑھتے تھے۔ یہ
نماز سَو رکعتوں کی ہے ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے اور ہر
رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ " قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ
..... الخ دس دفعہ پڑھا جاتا ہے "

— حضرت بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ

" تیس سے زائد صحابۂ کرام رضہ نے مجھ سے اس کی روایت کی
ہے کہ ستر حاجتیں اس نماز پڑھنے والے کی پوری ہوں گی —
ادنیٰ یہ کہ اس کی مغفرت ہوگی — لہٰذا پندرہویں شعبان کی
رات میں نماز اور توبہ استغفار میں رہنا چاہیئے اور پندرہویں شعبان
کے دن میں روزہ رکھنا سنت ہے — (ماخوذ از غنیۃ الطالبین)
(جون ۸۴ء)

شبِ قدر کو

"عن عبادۃ بن الصامت قال خرج النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم لیخبرنا بلیلۃ القدر فتلاحی رجلان من المسلمین فقال خرجت لاخبرکم بلیلۃ القدر فتلاحی فلان و فلان فرفعت وعسٰی ان یکون خیراً لکم فالتمسوھا فی التاسعۃ والسابعۃ والخامسۃ۔" (مشکوٰۃ عن البخاری)

یعنی: حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لئے باہر تشریف لائے تاکہ ہمیں شبِ قدر کی اطلاع فرمادیں۔ مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے آیا تھا کہ تمہیں شبِ قدر کی خبر دوں مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا کہ جس کی وجہ سے اس کی تعیین اٹھالی گئی، کیا بعید ہے کہ یہ اٹھا لینا اللہ کے علم میں بہتر ہو لہٰذا اب اس رات کی نویں، ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔"

ف :- اس حدیثِ مبارک میں تین مضامین قابلِ غور ہیں ۔

جو سب سے اہم ہے، وہ جھگڑا ہے اور جو اس قدر سخت بری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے شبِ قدر کی تعیین اٹھا لی گئی اور صرف یہی

نہیں بلکہ جھگڑا ہمیشہ برکات سے محرومی کا سبب ہوا کرتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ "کیا تمہیں نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ سے افضل چیز بتاؤں؟" صحابہؓ نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے۔" حضورؐ نے فرمایا: کہ "آپس کا نیک سلوک سب سے افضل ہے۔" اور آپس کی لڑائی دین کو مونڈنے والی ہے، یعنی جیسے استرے سے سر کے بال ایکدم صاف ہو جاتے ہیں، آپس کی لڑائی سے دین بھی اسی طرح صاف ہو جاتا ہے۔ دنیا دار دین سے بے خبر لوگوں کی کیا ذکر جب کہ بہت سے لمبی لمبی تسبیحیں پڑھنے والے دین کے دعویدار بھی ہر وقت آپس کی لڑائی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اوّل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ مقدس کو غور سے دیکھیں اور پھر اپنی اس دین کی فکر کریں جس کے گھمنڈ میں صلح کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

روزہ کے آداب میں ارشاد ہے: کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی آبرو ریزی کو بدترین سود اور خبیث ترین سود ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن ہم لوگ لڑائی کے زور میں نہ مسلمان کی آبرو کی پرواہ کرتے ہیں نہ اللہ اور اس کے سچے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کا خیال رکھتے ہیں خود اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے "وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا" الآیہ اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ آج وہ لوگ جو ہر وقت دوسروں کا وقار گھٹانے کی فکر میں رہتے ہیں تنہائی میں

بیٹھ کر غور کریں کہ خود وہ اپنے وقار کو کتنا صدمہ پہنچا رہے ہیں، اور اپنی اِن ناپاک اور کمینہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کتنے ذلیل ہو رہے ہیں، اور پھر دنیا کی ذلت۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ چھوٹ چھٹاؤ رکھے اور اگر اسی حالت میں مر گیا تو سیدھا جہنم میں جائے گا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کے دن اللہ کے حضور میں بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، اور اللہ جل شانہٗ کی رحمت سے نیک اعمال کی بدولت مشرکوں کے علاوہ اوروں کی مغفرت ہوتی رہتی ہے۔ مگر جن دو میں جھگڑا ہوتا ہے ان کے مغفرت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو چھوڑے رکھو جب تک صلح نہ ہو۔ ایک اور حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے۔ اس میں توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول ہوتی ہے، اور استغفار کرنے والوں کی استغفار قبول کی جاتی ہے مگر آپس میں لڑنے والوں کو ان کے حال میں چھوڑ دیا جاتا ہے — ایک جگہ ارشاد ہے:

"شب قدر میں اللہ کی رحمت عامہ خلقت کی طرف متوجہ ہوتی ہے (اور ذرا ذرا سے بہانہ سے) مخلوق کی طرف مغفرت فرمائی جاتی ہے مگر دو شخصوں کی مغفرت نہیں ہوتی۔ ایک کافر، دوسرا وہ جو کسی سے کینہ رکھے۔"

ایک جگہ ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز قبولیت کے لئے

ان کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی، جن میں آپس کے لڑنے والے بھی شمار ہوتے ہیں۔ یہ جگہ اُن روایات کے احاطہ کی نہیں مگر چند روایات اس لئے لکھ دی ہیں کہ ہم لوگوں میں عام کا ذکر نہیں خواص میں اور ان لوگوں میں جو شرفاء کہلاتے ہیں دیندار سمجھے جاتے ہیں ان کی مجالس اور ان کے مجامع، ان کی تقریبات اس کمینہ حرکت سے لبریز ہیں" فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ"۔

لیکن ان سب کے بعد یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ سب دنیوی دشمنی اور عداوت پر ہے۔ اگر کسی شخص کے فسق کی وجہ سے یا کسی دینی امر کی حمایت کی وجہ سے ترکِ تعلق کرے تو جائز ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا، تو اُن کے بیٹے نے اس پر ایسا لفظ کہہ دیا جو صورتاً حدیث پر اعتراض تھا۔ حضرت ابن عمرؓ مرتے دم تک اِن سے نہیں بولے۔ اور بھی اس قسم کے واقعات صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہٗ دانا و بینا ہیں۔ قلوب کے حال کو اچھی طرح جاننے والے ہیں، اس سے خوب واقف ہیں کہ کونسا ترکِ تعلق دین کی خاطر ہے اور کون سا اپنی وجاہت، کبرِ شان اور بڑائی کی وجہ سے ہے۔ ویسے تو ہر شخص اپنے کینہ اور بغض کو دین کی طرف منسوب کر ہی سکتا ہے ـــــ دوسرا امر جو حدیث بالا میں معلوم ہوتا ہے وہ حکمتِ الٰہی کے سامنے رضا اور قبول تسلیم ہے کہ باوجود اس کے کہ شبِ قدر کی تعیین کا اُٹھ جانا صورتاً بہت ہی بڑی خیر کا اُٹھ

جاتا تھا، لیکن چونکہ اللہ کی طرف سے ہے اس لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شائد ہمارے لئے یہی بہتر ہو۔ نہایت عبرت اور غور کا مقام ہے، اللہ جل شانہٗ کی رحیم و کریم کی ذات بندہ پر ہر وقت مہربان ہے۔ اگر بندہ اپنی بداعمالی سے کسی مصیبت میں مبتلا ہوجاتا ہے تب بھی اللہ جل جلالہٗ کی طرف سے تھوڑی سی توجہ اور اقرار و عجز کے بعد اللہ کا کرم شامل حال ہوجاتا ہے۔ اور وہ مصیبت میں کسی بڑی خیر کا سبب بنا دی جاتی ہے اور اللہ کے لئے کوئی چیز مشکل نہیں۔ چنانچہ علماء نے اس کے اخفاء میں بھی چند مصالح ارشاد فرمائے ہیں۔ اوّل یہ کہ اگر تعین باقی رہتی تو بہت سی کوتاہ طبائع ایسی ہوتیں کہ اور راتوں کا اہتمام بالکل ترک کر دیتیں۔ اور اس صورتِ موجودہ میں اس احتمال پر کہ آج ہی شائد شبِ قدر ہو۔ متعدد راتوں میں عبادت کی طلب والوں کو نصیب ہوجاتی ہے ــــ دوسری یہ کہ بہت سے لوگ ہیں کہ معاصی کئے بغیر اُن سے رہا ہی نہیں جاتا۔ تعین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے اس رات میں معصیت کی جرأت کی جاتی تو سخت اندیشہ ناک تھا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے کہ ایک صحابی رضؓ سو رہے تھے، آپ ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو جگا دو تاکہ وضو کرلیں۔ حضرت علی رضؓ نے جگا تو دیا مگر حضورِ اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ تو خیر کی طرف بہت

تیزی سے چلنے والے ہیں آپ نے خود کیوں نہ جگا دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اگر صحابہ (جو سویا ہوا تھا) مبادا انکار کر بیٹھتا تو میرے کہنے پر انکار کفر ہو جاتا، تیرے کہنے سے انکار پر کفر نہیں ہوگا۔ تو اسی طرح حق سبحانہ کی رحمت نے گوارا نہ فرمایا کہ اس عظمت والی رات کے معلوم ہونے کے بعد کوئی گناہ پر جرأت کرے ـــــ تیسری یہ کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات اتفاقاً چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی وغیرہ کی وجہ سے پھر کسی رات کا جاگنا نصیب نہ ہوتا۔ اور اب رمضان المبارک کی ایک دو راتیں تو کم از کم ہر شخص کو میسّر ہو ہی جاتی ہے ـــــ چوتھی یہ کہ جتنی راتیں طلب میں صرف ہوتی ہیں ان سب کا مستقل ثواب علیحدہ ملے گا ـــــ پانچویں یہ کہ رمضان المبارک کی عبادت میں حق تعالیٰ جل شانہ، ملائکہ پر تفاخر فرماتے ہیں جیسا کہ پہلی روایت میں معلوم ہو چکا ہے اس صورت میں تفاخر کا زیادہ موقع ہے کہ بندے باوجود معلوم نہ ہونے کے محض احتمال اور خیال پر رات رات بھر جاگتے ہیں، اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں کہ جب احتمال پر اس قدر کوشش کر رہے ہیں۔ اگر بتلا دیا جائے کہ یہی رات شبِ قدر ہے تو پھر ان کی کوششوں کا کیا حال ہوتا، ان کے علاوہ اور بھی مصالح ہو سکتی ہیں۔ ایسے ہی امور کی وجہ سے، عادۃ اللہ یہ جاری ہے

کہ اس نوع کی اہم چیزوں کو مخفی فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ اسم اعظم کو مخفی فرما دیا ـــ اسی طرح جمعۃ المبارک کے دن میں ایک وقت خاص مقبولیتِ دعا کا ہے اس کو بھی مخفی فرما دیا۔ ایسے ہی اس میں اور بھی بہت سی چیزیں شامل ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ جھگڑے کی وجہ سے اس خاص مہینے رمضان المبارک میں تعین بھلا دی گئی ہو اور اس کے بعد دیگر مصالح مذکورہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے تعیین ہٹا دی ہو۔

تیسری بات جو اس حدیثِ پاک میں وارد ہے وہ شبِ قدر کی تلاش کے لئے تین راتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ یعنی نویں ساتویں پانچویں۔ دوسری روایت کے ملانے سے اتنا تو محقق ہے کہ یہ تینوں راتیں ماہ رمضان المبارک کے آخیر عشرہ کی ہیں۔ لیکن اس کے بعد پھر چند احتمال ہے کہ آخیر عشرہ میں اگر اوّل سے شمار کیا جاوے تو حدیثِ مبارک کا محمل ۲۹، ۲۷، ۲۵ رات ہوتی ہے۔ اور اگر آخیر سے شمار کیا جاوے جیسا کہ بعض الفاظ سے مترشح ہے تو پھر انتیسویں ۲۹ کی چاند کی صورت میں ۲۱، ۲۳، ۲۵، اور تیسویں ۳۰ کے چاند کی صورت میں ۲۲، ۲۴، ۲۶ رہے۔ اس کے علاوہ بھی تعیین میں روایات بہت مختلف ہیں۔ اور اسی وجہ سے علماء کے درمیان میں اس کے بارے میں بہت کچھ اختلاف ہیں، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ پچاس کے قریب علماء کے اقوال ہیں۔ روایات کے بکثرت اختلاف کی وجہ سے محققین کے نزدیک ہر رات (شبِ قدر)

کسی تاریخ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مختلف سالوں میں مختلف راتوں میں ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے روایات مختلف ہیں۔ کہ ہر سال حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال کے متعلق مختلف راتوں میں (شب قدر کی) تلاش کا حکم فرمایا۔ اور بعض راتوں میں متعین طور سے ارشاد فرمایا۔

چنانچہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے۔ کہ:

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک میں ایک مرتبہ شب قدر کا ذکر آیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کون سی تاریخ ہے" عرض کیا گیا کہ آج ۲۲ ویں تاریخ ہے اور پھر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "آج ہی کی رات میں (شب قدر) تلاش کرو"۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: کہ،
"میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، کہ شب قدر نبی کے زمانہ کے ساتھ خاص رہتی ہے یا بعد میں بھی ہوتی ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "قیامت تک رہے گی" ــــ میں نے عرض کیا کہ رمضان المبارک کے کس حصے میں ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عشرۂ اول (رمضان المبارک کے پہلے دس دن) اور عشرۂ آخر (رمضان المبارک کی تیسری والی) میں تلاش کرو ــــ پھر حضور اقدس ﷺ اور باتوں

ہیں مشغول ہو گئے میں نے (ابو ذرؓ غفاری رضؓ) موقع پاکر
عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تو بتلا ہی
دیجئے کہ عشرہ کے کون سے حصّے میں (شب قدر) ہوتی ہے
اس پر حضور پُرنورؐ اتنے ناراض ہوئے کہ نہ اس سے قبل
مجھ پر اتنے خفا ہوئے تھے اور نہ بعد میں ہوتے، اور فرمایا
"کہ، اگر اللہ جل شانہٗ کا یہ مقصود ہوتا تو بتلا نہ دیتے۔"
فرمایا: "آخر کی سات راتوں میں یہ شب تلاش کرو، بس
اس کے بعد اور کچھ نہ پوچھو۔"

"ایک صحابیؓ کو حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے تئیسویں ۲۳ شب متعین طور پر ارشاد فرمائی۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں: کہ،
"میں سو رہا تھا کہ مجھے خواب میں کسی نے کہا "اٹھ آج
شب قدر ہے۔" میں جلدی سے اُٹھ کر نبی رحمت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پہنچا، آپ نماز کی نیت بندھ رہی
تھی اور یہ رات تئیسویں ۲۳ شب تھی۔"

بعض روایات میں متعین طور سے چوبیسویں ۲۴ شب کا ہونا
بھی معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا ارشاد ہے: کہ،
"جو شخص تمام سال رات کو جاگے وہ شب قدر کو پاسکتا
ہے یعنی شب قدر تمام سال میں دائر رہتی ہے۔"

کسی نے ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو نقل کیا، وہ فرمانے لگے کہ حضرت ابن مسعود رضؓ کی غرض یہ ہے کہ لوگ ایک رات پر قناعت کرکے نہ بیٹھ جائیں۔ پھر قسم کھاکر یہ بتلایا کہ شب قدر ستائیسویں رمضان المبارک کو ہوتی ہے۔

اسی طرح بہت سے صحابہ کرام رضؓ اور تابعین رحؒ کی رائے ہے کہ شب قدر ۲۷ ویں شب میں ہوتی ہے۔ حضرت ابی ابن کعب رضؓ کی تحقیق یہی ہے، ورنہ حضرت ابن مسعود رضؓ کی تحقیق وہی ہے کہ جو شخص تمام سال جاگے وہ شب قدر کو معلوم کرسکتا ہے۔

اور درِّ منثور کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی نقل کرتے ہیں۔ ائمہ میں سے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ شب قدر تمام سال میں دائر رہتی ہے۔ دوسرا قول امام صاحب رحؒ کا یہ ہے کہ تمام رمضان المبارک میں دائر رہتی ہے۔

صاحبینؒ کا قول ہے کہ تمام رمضان المبارک میں کسی ایک رات میں ہے متعین ہے مگر معلوم نہیں۔

شافعیہ کا راجح قول یہ ہے کہ شب قدر کا اکیسویں رمضان المبارک کی رات میں ہونا اقرب ہے۔

حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ شب قدر رمضان المبارک کے آخر عشرہ کی طاق راتوں میں دائر رہتی ہے۔ کسی سال کسی رات میں اور کسی سال

اور کسی دوسری رات میں۔

جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات میں شبِ قدر کا ہونا زیادہ اُمید ہے ___ شیخ العارفین محی الدین ابن عربی رح کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اُن لوگوں کا قول زیادہ صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ شبِ قدر تمام سال میں دائر رہتی ہے، اس لئے کہ میں نے دو مرتبہ اس کو ماہ شعبان المعظم میں دیکھا ہے ایک مرتبہ پندرہویں (۱۵) اور ایک مرتبہ انیسویں (۱۹) رات کو۔ اور دو مرتبہ ماہ رمضان المبارک کے دوسرے عشرہ میں تیرہویں (۱۳) اور اٹھارہویں (۱۸) رات کو۔ اور رمضان المبارک ہی کے آخیر عشرہ کی ہر طاق شب میں شبِ قدر دیکھی ہے ___ اس لئے مجھے اس کا یقین ہے کہ شبِ قدر سال کی راتوں میں پھرتی رہتی ہے، لیکن رمضان المبارک میں بکثرت پائی جاتی ہے ___ ہمارے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ شبِ قدر سال میں دو مرتبہ ہوتی ہے۔ ...

خلاصۂ بحث یہ ہے۔

اے خواجہ چہ پرسی ز شبِ قدر نشانی\
ہر شب شبِ قدر است اگر قدر بدانی

—٥—

ایامِ متبرکہ

ولادت باسعادت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال فتح اللہ لمولدہ
ابواب السماء وجنانہ فکانت امنۃ تحدث عن
نفسھا وتقول لقد اخذنی ما یاخذ النساء ولم یعلم
بی احدٌ من القوم فسمعت وجبۃً شدیدۃً و
امرًا عظیمًا فھالنی ذلک فاذا انا بشربۃٍ بیضاءَ
لبنًا وکنتُ عطشی فتناولتھا فشربتُھا فذھب
عنی کلُّ رغبٍ وکلُّ وجعٍ فکشف اللہ عن بصری
فرأیتُ رجالًا وقفوا فی الھواء بایدیھم
اباریقُ فضۃٍ ورأیتُ قطعۃً من الطیر مناقیرُھا
من الزمرد واجنحتُھا من الیاقوت قد غطت
حُجرتی ورأیتُ ثلاثۃَ اعلامٍ علمًا علی ظھر الکعبۃ وعلمًا بالمشرق وعلمًا بالمغرب

(خصائص کبریٰ سیوطی دلائل ابونعیم زرقانی وغیرہ)

ترجمہ! حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ خدا
تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کے وقت

آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دیئے گئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت مبارکہ کے حالات یوں بیان فرماتی تھیں کہ مجھے بچہ پیدا ہونے کا درد ظاہر ہوا یکایک میں نے ایک سخت ہولناک آواز سنی جس کے سبب میں ڈرنے لگی، اسی حال میں ایک پیالہ جس میں سفید دودھ سا شربت نظر آتا تھا مجھے دیا گیا میں نے اسے لیکر پیا تو سارا ڈر اور خوف جاتا رہا اور جو کچھ مجھے درد محسوس ہوتا تھا وہ بھی نہ رہا۔ پھر خدا تعالیٰ نے میری آنکھوں کے سامنے سے پردے اٹھا دیئے، مجھے آسمان و زمین کے درمیان بہت سے آدمیوں کی صورت نظر آئی جن کے ہاتھوں میں چاندی کے لوٹے تھے اس کے بعد ایسے پرندوں کی جماعت نظر آئی جن کی چونچ سبز زمرد کی اور پر یاقوت کے تھے۔ ان جانوروں نے میرے حجرے کو اپنے پروں سے ڈھانک دیا پھر مجھے تین نشان نظر آئے۔ ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں، تیسرا کعبہ کی چھت پر۔

تشریح : یہ ہولناک آواز جس کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے آسمان کے دروازوں کے کھلنے کی تھی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کے وقت ملائکہ کے حاضر ہونے کے لئے کھولے گئے تھے آدمیوں کی جو صورتیں دکھائی دیں تو یہ وہ فرشتے تھے جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ولادت کے بعد آبِ کوثر اور سلسبیل سے غسل دینے کے لئے جنت سے آکر

در دولت پر انتظار میں تھے۔ پرندوں کی جماعت جو دکھائی دی وہ فرشتے تھے جو آپ ؐ کی ولادت سے قبل اسلئے حاضر ہوئے تھے کہ آپ ؐ کو جنات اور شیطانوں کی نظر بد سے محفوظ رکھنے کے لئے پیش خدمت تھے۔ یہ جو تین نشان یعنی تین جھنڈے دکھائی دیئے اس میں اشارہ تھا کہ آپ ؐ کا سچّا دین اور دستور و آئین کعبہ سے نکل کر مشرق سے مغرب تک پہنچ جائیگا، پھر جو حضرت آمنہؓ کو دکھائی دیا وہ سب کچھ ہوبہو پورا ہوا اور آج بھی اس دُرِّ یتیم فداہ ابی و اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کلمۂ حق کی صدا چار دانگِ عالم میں گونج رہی ہے۔ عرب، عجم، شام، عراق، ہند، سندھ، چین، ماچین، ایشیا، یورپ اور افریقہ کے ریگستانوں میں کروڑوں فرزندانِ توحید آج بھی "اشھد ان محمداً رسول اللہ" کی گواہی دیتے ہیں۔ اوّلین و آخرین میں کون ہے جو اس خاتم النبیین پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہمسا اور ہم رتبہ ہو سکتا ہے۔ خسرو رحمہ اللہ نے ٹھیک اور بجا فرمایا ہے۔ شعر:

آفاق ہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوبان دیدہ ام امّا تو چیزے دیگری

وہ مسلمان کتنا خوش قسمت ہے جس کو ایسے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی اور اطاعت نصیب ہو جائے کیونکہ آپ ؐ کی غلامی حقیقی بادشاہی ہے۔ ؎

محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
دامن توحید میں آباد ہونے کی

خصائصِ کبریٰ میں ہے:

"اَنَّ اٰمِنَۃَ قَالَتْ لَمَّا فصل منّی خرج معہٗ نورٌ

اَضَاءَ لَہٗ ما بین المشرق والمغرب ورأیتُ قصورَ

الشام والبصریٰ فِیْہِ۔"

ترجمہ:۔ حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کے وقت ایک عظیم الشان نُور پیدا ہوا جس سے مشرق سے مغرب تک اور شام سے بُصریٰ تک تمام جہاں روشن کر دیا اور مجھے اسی روشنی میں (ملکِ شام کے) محل اور مکانات نظر آئے۔

اسی مضمون کی طرف حضرت علامہ بوصیریؒ صاحبِ قصیدۂ بردہ رحمتہ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ؎

والجنُّ تہتفُ والانوارُ ساطعۃٌ

والحقُ یظھر مِن معنیً ومِن کلِمِ

اور جن آپؐ کی ولادتِ باسعادت کے وقت پکار پکار کر آوازیں دینے لگے حضرت سیدالمرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہو گئے ہیں۔ اس لئے اے لوگو! ہوشیار ہو جاؤ، غفلت چھوڑ دو اور آپؐ کی ولادت کے وقت انوارِ الٰہی دُنیا کے کفر و ضلالت بُری رسموں، تاریکیوں اور گھٹاؤں کو دور کر رہے تھے اور نبوّت کے انوار و برکات چمکنے لگے۔ اسی طرح آثارِ نبوّت اور شانِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ظاہر و باطن اور محسوس وغیرہ محسوس چیزوں سے اچھی طرح آشکارا ہوتے تھے یعنی ہر ایک سعید ازلی آپؐ کی

ولادت کے وقت جوشِ ہدایت و محبّت سے نغمہ سرائی کرتے ہوئے کہتا تھا۔ شعر ؎

مبارک باد دنیا وہ شاہِ مرسلین آیا
کہ جس سے بڑھ کے پیغمبر نہیں آیا نہیں آیا

ایضاً، ؎

حیاتُ النبیؐ کرکے بھیجا خدا نے
کہ مُردہ دلوں کو جگائے محمدؐ

شواہدُ النبوّۃ میں لکھا ہے:

"فلمّا خرج مِنْ بطنی نظرتُ الیہ فاذا ھو ساجدٌ قد رفعَ اِصبعَہٗ وھو یقول بلسانٍ فصیحٍ لا اِلٰہ الّا اللّٰہ واَنّی رسولُ اللّٰہ۔" (جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آمنہ کے بطنِ مبارک سے پیدا ہوئے تو دیکھا کہ آپؐ نے سجدہ کیا اور سجدہ سے سرِ مقدّس اُٹھایا، اپنی انگشتِ مبارک آسمان کی طرف بلند فرما کر نہایت فصیح زبان میں "لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ واَنّی رسول اللّٰہ" پڑھنے لگے۔

مسلمانو! ربیع الاوّل آپؐ کی ولادت باسعادت کا محترم مہینہ ہے اس میں جگہ جگہ سیرتی محفلیں اور مواعظِ حسنہ کے شاندار اجتماعات منعقد کرکے اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح فرماتے رہیئے۔ ❖

(مئی ۱۹۸۲ء)

عشرۂ ذوالحجہ کی فضیلت

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما من ایام العمل الصالح فیھا احب الی اللہ من ھذہ الایام العشرۃ فقال قائل ولا الجہاد فی سبیل اللہ قال ولا الجہاد فی سبیل اللہ الا رجل خرج بنفسہ ومالہ فلم یرجع بذالک من شیئ۔" (ترمذی شریف)

یعنی:-

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عشرۂ ذوالحجہ سے بڑھ کر کوئی ایسا دن نہیں ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کو عمل صالح زیادہ پسند اور محبوب ہو، یعنی عشرۂ ذوالحجہ میں نیک کام اور اعمال صالحہ کرنا سال بھر کے باقی دنوں سے اللہ جل شانہٗ کو بہت محبوب اور پسندیدہ ہے ـــــ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ باقی دنوں میں جہاد فی سبیل اللہ کرنا بھی ان دنوں کے نیکی کے برابر نہیں؟ آپ نے فرمایا: باقی دنوں میں جہاد فی سبیل اللہ بھی عشرۂ ذوالحجہ کے نیک اعمال کے برابر نہیں ہو سکتا، مگر وہ شخص جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلا اور میدان جنگ میں کام آیا۔

محدثین کو اس حدیثِ مبارک پر اشکال ہوا ہے کہ یہ روایت ان روایتوں کے برخلاف اور متضاد ہے جن میں ماہِ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کو سال بھر کے باقی دنوں پر فضیلت اور فوقیت دی گئی ہے۔ علماء نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ زیرِ بحث روایت میں ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں کو سال بھر کے دوسرے دنوں پر فضیلت دی گئی ہے اور جن روایتوں میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی فضیلت آئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ عشرۂ رمضان المبارک کی آخری دس راتیں سال بھر کی باقی راتوں سے بہتر اور افضل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں کی فضیلت شبِ قدر کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے اور ذوالحجہ کے دس دنوں کی فضیلت عرفہ کے دن کی وجہ سے آئی ہے۔

(دیکھو عرف الشذی علیٰ جامع الترمذی)

۲۔ صحیح حدیثوں میں آیا ہے، کہ: ذوالحجہ کے ابتدائی نَو دنوں میں سے ہر دن کے روزہ کو سال بھر کے روزوں کا ثواب ہے اور عرفہ کے دن کا روزہ دو سال کے روزوں کے برابر ہے۔

۳۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنّت میں ایک بالاخانہ ہے جس کے اندر سے اس کا بیرونی حصّہ اور باہر سے اس کا اندرونی حصّہ نظر آئے گا۔۔۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ گھر کس کے لئے ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "ذوالحجہ کے نویں تاریخ

یعنی عرفہ کے دن روزہ رکھنے والوں کے لئے۔"

۴۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عشرۂ ذوالحجہ میں دُنیا کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ سے نیکوکاروں اور سعادت مند لوگوں کی ایک جماعت "بیت العتیق" خانہ کعبہ کے ارد گرد احرام باندھے ہوئے ربّانی دربار میں "لبیک اللھم لبیک" کی سوز و گداز سے بھری ہوئی آواز بلند کرتی ہے اور یہ مسلمانوں کی عشق و محبت کا پورا ثبوت ربّ کعبہ کے دربار میں دے رہے ہیں۔

اگر ہم اپنی مجبوریوں یا غفلت یا سستی کی وجہ سے اس مقدس دربار میں پہنچ کر حجاجِ کرام کی قطاروں میں نہیں کھڑے ہو سکے تو کم از کم اپنے تقویٰ و طہارت، صوم و صلوٰۃ، تکبیرات تشریق، قربانی اور دوسرے اعمالِ صالحہ کے ذریعہ حجاجِ کرام کے ہمنوائی کیجیئے۔ اس لئے عرفہ کے صبح سے لیکر تیرہویں ذوالحجہ کی عصر نماز تک ہر فرض نماز کے بعد اس طرح پورے جوش و خروش سے تکبیرات پڑھیئے:۔

اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد" اور اپنے بہترین عمل اور حسنِ کردار سے یہود و نصاریٰ اور باقی اقوامِ عالم کو آگاہ کیجیئے کہ جس اُمّتِ مسلمہ کے لئے پورے خلوص کے ساتھ حضرت خلیل اللہؑ نے جو دعائیں مانگی تھیں۔ وہ ہم ہیں اور ہمیں، اور یہ دعویٰ اسی صورت میں سچا ہوگا جبکہ ہمارا عمل ان کے اُسوۂ حسنہ کے مطابق ہو اور صرف زبانی دعویٰ کافی نہیں ہے۔

(۱۹۸۰ء)

دسویں محرم کے روزہ کی فضیلت

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ اَنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم المدینۃ فوجد الیہود صیاماً یوم عاشوراء فقال لہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما ھذا الیوم الذی تصومونہ، فقالوا ھذا یوم عظیم انجی اللہ فیہ موسیٰ و قومہ وغرّق فرعون وقومہ فصامہ موسیٰ شکراً فنحن نصومہ۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فنحن احقّ واولیٰ منکم بموسیٰ فصامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وامر بصیامہ"
(بخاری و مسلم)

ترجمہ:- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ نے یہود کو عاشوراء (دسویں محرم الحرام) کے دن روزہ دار پایا۔ آپ نے یہود سے دریافت فرمایا کہ اس وقت تمہارے روزہ رکھنے کی کیا وجہ ہے، انہوں نے عرض کیا کہ

بڑا دن ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس دن جناب موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور اُن کے دشمن فرعون اور اس کی قوم کو دریائے نیل میں غرقاب کر دیا، موسیٰ ؑ نے اس دن شکرانہ کے طور پر روزہ رکھا تو ہم بھی (ان کی اتباع میں) اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ اُن کا یہ جواب سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " ہم موسیٰ ؑ کی اتباع اور پیروی کرنے میں کہیں زیادہ حقدار ہیں۔ اس کے بعد آنحضور ؐ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور صحابۂ کرام رضؓ کو بھی اس میں (یوم عاشوراء) روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اس حدیث مبارک پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کے مذہبی کاموں کی مخالفت کرنیکا حکم عام فرمایا تھا۔ تو اس حدیث میں دسویں محرم الحرام کے روزہ کے سلسلے میں ان سے موافقت کرنے کا حکم کس بناء پر دیا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود کی مخالفت کرنے کا حکم وہاں پر آیا جہاں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ صحیح طریقہ پر نہیں ہیں اور جہاں شارع کو ان کی حقانیت اور سچائی کا یقین ہو جائے وہاں مخالفت کرنے کا کیا معنیٰ ہے ؟ ۔ چونکہ زیر بحث حدیث مبارک میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہود کا جواب صحیح اور درست معلوم ہوا تو آپ ؐ نے موافقت کرنے کا حکم دیا۔

حدیث مبارک کا دوسرا اشکال یہ ہے کہ یہود کی تاریخ عرب کی

تاریخ سے الگ اور جداگانہ تھی تو پھر دونوں قوموں کی تاریخ کیونکر ایک بن سکتی ہے؟ اس کے متعدد جوابات دیئے گئے، آسان جواب یہ ہے کہ یہود عرب کی تاریخی اختلاف کی بنیاد اختلاف زبان کی بنا پر ہے ورنہ واقعہ کے اعتبار سے دونوں قوموں کی تاریخ ایک دوسرے سے مقدم و موخر نہیں ہوتی تھی۔

اس حدیثِ مبارک پر تیسرا اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کی بات کی کس طرح تصدیق فرمائی جبکہ اہلِ کتاب کے متعلق آپؐ کا واضح ارشاد تھا: "لا نُصَدِّقُ وَ لا نُكَذِّبُ" کہ ہم اہلِ کتاب کی باتوں کی نہ تصدیق کریں گے اور نہ تردید۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود کی اس بات کی تائید علماءِ اہلِ کتاب میں سے اُن حضرات نے آپؐ کے پاس آکر جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ اس اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ وحی سے آپؐ کو یہود کے اس جواب کی صداقت معلوم ہوئی تھی۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشوراء کے دن کے روزوں پہ لوگوں کو ابھارا۔ حضرت ابو قتادہ رضہ کی حدیث میں آیا ہے کہ عاشوراء کے دن کے روزے سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ (ترمذی شریف)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ عاشوراء ایک دن تھا جس میں قریش جاہلیت کے زمانہ میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ جب رحمۃ للعالمین، حضرت محمد رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف

فرما ہوئے تو اس روز خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوگئے تو رمضان المبارک کے روزے ہمیشہ کے لئے فرض بن گئے اور عاشوراء کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد جس نے چاہا اس نے اس دن (یعنی عاشوراء) روزہ رکھا اور جس نے چاہا اس نے چھوڑ دیا۔ یعنی اس دن کے روزے فرض نہیں بلکہ مستحب ہیں۔

لمعات میں ہے کہ محرم الحرام کے روزہ کے مراتب تین ہیں:

"افضل یہ ہے کہ نویں، دسویں اور گیارہویں محرم کو روزہ رکھے"۔ حدیث احمد میں اسی طرح آیا ہے۔

"دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ نویں اور دسویں کو روزہ رکھے"۔

"تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ صرف دسویں کو روزہ رکھے۔"

نسائی میں صحیح حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار[۴] چیزوں کی بہت پابندی فرماتے تھے۔ وہ یہ ہیں:

(۱) صوم عاشوراء۔

(۲) ماہ ذوالحجہ کے ابتدائی نو دنوں کے روزے۔

(۳) فجر سے پہلے کی دو رکعتیں یعنی صبح کی سنتیں۔

(۴) ایام بیض، یعنی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں کے روزے۔

اس حدیث مبارک سے بھی ثابت ہوا کہ دسویں محرم الحرام کے روزے بہت زیادہ موجب ثواب و مغفرت ہیں۔

بعض احادیث مبارکہ میں عاشورائے متعلق یہ بھی آیا ہے کہ:

" مَنْ وَسَّعَ بِیْہِ علی عِیَالِہٖ وَسَّعَ اللّٰہُ عَلَیْہِ سَائِرَ سَنَتِہٖ۔" کہ جو شخص اس دن اپنے عیال کے جائز نفقہ اور اخراجات میں معمول سے زیادہ توسیع کرے تو اللہ تعالیٰ تمام سال اس کے رزق میں برکت عطا فرمائے گا۔ یہ حدیث اکثر علماء کے نزدیک صحیح ہے۔

سفیانؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا تجربہ کرکے اسے صحیح پایا ہے کچھ لوگ اس حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں: کہ اس روز یعنی دسویں محرم الحرام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما شہید ہوئے تھے اور تم نان وکباب کھاتے ہو ـــــ اس کے دو جواب ہیں:

(۱) کہ جس دن تم عید غدیر مناتے ہو، اسی دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت مظلومیت اور بے بسی کے عالم میں شہید کیئے گئے ہیں، تو کیا یہ انسانیت ہے کہ ان کی شہادت کے دن عید منائی جائے؛ اگر وہ کہیں گے کہ عید منانے کی وجہ دوسری ہے تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ عاشوراء کے دن کو قدیمی تاریخی عظمت حاصل ہے یعنی ـ توبہ حضرت آدم علیہ السلام اسی دن قبول ہوئی، حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی دن جودی پہاڑ پر پہنچی، اسی دن نارِ نمرود ٹھنڈی پڑگئی، اسی دن موسیٰ علیہ السلام کو اپنے دشمنوں فرعون اور اسکی جماعت پر عظیم الشان فتح نصیب ہوئی۔ اسی دن قیامت

ہوگی اور اسی دن سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سانحۂ شہادت پیش آئی۔ لیکن واقعہ شہادت سے اس دن کی تاریخی عظمت میں کمی نہیں ہوئی بلکہ اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ تم پہلے اپنے گھر کی خبر لو اور دیکھو شب عاشورا میں تم لوگ کس قدر بہت زیادہ اجتماعی رنگ میں وقت خرچ کرتے ہو، پھر دوسروں پر اعتراض کا کیا معنیٰ ہے؟۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ اس دن عیال پر توسیع کرنے سے نان وکباب مقصود نہیں، عیاشی اور بے راہ روی سے خرچ کرنا مطلوب نہیں بلکہ شرعی حدود کا پاس رکھ کر عیال کے اخراجات ومصارف میں کچھ زیادتی کرنے کا نام توسعہ ہے اس کے محمود ہونے میں کوئی شک نہیں۔

حضرت مولانا عبدالحی ؒ فرماتے ہیں کہ حدیث اکتحال کی کوئی اصل نہیں یعنی کچھ لوگ ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جو شخص اس دن آنکھوں میں سرمہ لگائے تو اس کی آنکھیں سال بھر تک دکھنے میں نہ آئیں گی۔ مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ——

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔ (دسمبر ۷۴ء)

بقرعید اور قربانی کے مسائل ۱۰

"عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم قال مَا عمل آدمیٌّ من عمل یوم النحر اَحَبُّ الی اللہ مِنْ اِھراقِ الدّم اِنَّہٗ لیاتی یوم القیامۃ بقرونہا واَشعارِھا واظلافہا وانّ الدّم لیقع مِنَ اللہِ بمکانٍ قبل اَنْ یقع من الارض فطیبوا بہا نفسًا۔" (جامع ترمذی)

ترجمہ:-

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: قربانی کے دن (یعنی بقرعید) اللہ کے نزدیک انسان کا کوئی عمل (قربانی جانور کے) خون بہانے سے زیادہ محبوب اور مرغوب نہیں، یہ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور اپنے کھروں کے ساتھ آئے گا۔ نیز وہ خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول ہو جاتا ہے — لہٰذا خوب خوشی اور دل کھول کر قربانی کیا کرو۔ اس بارے میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہم سے بھی روایت ہے:

"عن عليٍّ رضي اللّٰہ تعالیٰ عنہ انّہ کان یُضحّی بکبشین احدُھما عن النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم والآخر عن نفسہٖ فقیل لہٗ فقال اَمَرنی بہٖ یعنی النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم فلا اَدَعُہٗ ابدًا۔"

یعنی: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے۔ ایک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے اور دوسرا اپنی طرف سے ــــ جب آپؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا: کہ مجھے اس کا حکم رسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیا ہے۔ اس لئے میں ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہوں گا۔

واضح رہے کہ یہ حدیث منجملہ ان دلائل کے ایک دلیل ہے جن سے زندوں کی طرف سے اموات کے لئے ایصالِ ثواب ثابت ہوتا ہے اگرچہ یہ حدیث غریب ہے مگر اس کے مُعاضِد موجود ہیں، جس سے اس کی تقویت ہوتی ہے۔

اسی طرح اور احادیث میں آیا ہے کہ قربانی کے جانور کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ہر ہر بال کے بدلے میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے ــــ سُبحان اللّٰہ! آپ ان احادیثِ مبارکہ پر غور تو کریں کہ اللّٰہ تعالیٰ کی رحمت کتنی وسیع اور بے پایاں ہے کہ ایک قربانی کرنے سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نیکیاں مل جاتی ہیں۔ بھیڑ کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں انہیں کوئی صبح سے لیکر شام تک شمار کر نہیں سکتا۔ پس سوچو تو ایک بھیڑ بکری کی قربانی سے کتنی نیکیاں نامۂ اعمال میں درج

ہو جاتی ہیں۔ قربانی کے دن گزرنے کے بعد یہ ثواب ہرگز ملنا نہیں آئے گا۔ اور اگر آپ صاحبِ توفیق ہیں تو پورے یقین و ایمان کے ساتھ اپنی اور اپنے مرحوم رشتہ داروں جیسے ماں باپ وغیرہ کی طرف سے بھی قربانی کر لیجیے اور شکوک و شبہات میں نہ پڑیے اور نہ دوسرے مسلمانوں کو وسوسہ ڈالیے کہ اگر میّت کی طرف سے کی جائے تو اُس کو اس کا ثواب نہیں ملے گا، بلکہ بفضلہٖ تعالیٰ جس مسلمان میّت کی طرف سے آپ قربانی کر لیں گے اُس کو اس کا ثواب ضرور ملے گا۔ مگر قربانی کا مقصد رِیا، شہرت، عظمت و برتری اور اظہارِ زندگی نہ ہو اور نہ یہ کہ قربانی کی تقسیم امیروں اور بڑے رشتہ داروں اور کرسی نشینوں تک محدود رہے۔ بلکہ قربانی کا مقصود صرف امتثالِ حکمِ ربّانی اور اللہ تعالیٰ کی عبودیّت و بندگی ہونی چاہیئے۔ اس کے سامنے اپنی عاجزی اور بے چارگی کا تصور ہونا چاہیئے ___ فرض کرو کہ اگر ہم کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنے جگر پاروں کی قربانی فرض کی جاتی تو ہمیں اپنی اولاد کی قربانی کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ تھا ___ پس ہم پر یہ کتنا بڑا احسانِ الٰہی ہے کہ اس مہربان خدا نے ہم کو صرف ایک جانور قربان کرنے کا حکم دیا:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

قربانی کے اہم مسائل

جب قربانی کے جانور کو قبلہ رخ لٹا دے تو پہلے یہ دُعا پڑھی جائے:

"اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ
وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ
وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ"
پھر "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ" کہہ کر ذبح کرے اور ذبح کرنے کے
بعد یہ دعا پڑھیے۔ "اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ
حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِکَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ" ۔

مسئلہ:- ۱- جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے اس پر بقرعید کے دنوں میں قربانی کرنا بھی واجب ہوگا۔ اگر اتنا مال نہ ہو کہ صدقۂ فطر واجب ہو تو اس پر قربانی واجب نہیں، پھر بھی اگر قربانی کرے تو بڑا ثواب پائے گا۔

۲- مسافر پر قربانی کرنا واجب نہیں ہے۔

۳- بقرعید کی دسویں تاریخ سے لیکر بارہویں تاریخ کی شام تک قربانی کرنے کا وقت ہے۔ قربانی کرنے کا بہترین دن بقرعید کا دن ہے پھر گیارہویں اور بارہویں تاریخ۔

۴- بقرعید کی نماز ادا کرنے سے پہلے شہر اور قصبہ میں قربانی کرنا درست نہیں بلکہ نماز عید کے بعد کرنی چاہیے۔ البتہ دیہات یا گاؤں میں فجر کی نماز کے بعد قربانی کرنا درست ہے۔

۵- اگر کوئی شہر کا رہنے والا اپنی قربانی کا جانور کسی گاؤں

میں بھیجدے تو اس کی قربانی نماز عید سے پہلے بھی درست ہے اگرچہ وہ خود شہر ہی میں مقیم ہو۔ اگر قربانی کا جانور شہر میں بھیجدے تو نماز سے پہلے قربانی کرنا درست ہوگا ذبح کرنے کے بعد اس کو منگوالے اور گوشت کھائے۔

۶۔ بارہویں تاریخ کو سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے قربانی کرنا درست ہے اس کے بعد قربانی کرنا درست نہیں۔

۷۔ دسویں تاریخ سے بارہویں تک دن اور رات دونوں میں قربانی کی جا سکتی ہے، لیکن رات کو ذبح کرنا بہتر نہیں، کیونکہ جانور کی رگ کٹ جانے کا اندیشہ ہے جس سے قربانی درست نہیں۔

۸۔ اگر کوئی شخص دسویں اور گیارہویں ذوالحجہ کو سفر میں ہو اور بارہویں تاریخ کو سورج ڈوبنے سے پہلے گھر پہنچ جائے، یا پندرہ دن کہیں ٹھہرنے کی نیت کی تو بھی قربانی کرنا واجب ہوگیا۔ اسی طرح اگر پہلے اتنا مال نہ تھا کہ اس پر قربانی واجب ہوتی پھر بارہویں تاریخ کو سورج ڈوبنے سے پہلے کہیں سے مال مل گیا تو قربانی کرنا واجب ہے۔

۹۔ اپنی قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے۔ اگر خود ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو کسی اور سے ذبح کروالے۔ ذبح کے وقت جانور کے سامنے کھڑا ہونا بہتر ہے۔ پردہ داری کے پیش نظر کھڑا ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔

۱۰۔ قربانی کے وقت زبان سے نیت کرنا اور دعاء پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ اگر دل میں خیال کیا کہ میں قربانی کرتا ہوں اور صرف بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ذبح کر دیا تو بھی قربانی درست ہوگی۔ اگر یاد ہو تو دعاء پڑھنا بہتر ہے جو صفحہ ۲۷۳ پر لکھی گئی ہے۔

۱۱۔ قربانی فقط اپنی طرف سے کرنا واجب ہے۔ اولاد کی طرف سے واجب نہیں۔ اگر نابالغ بچہ مالدار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں ہے، نہ اپنے مال میں سے نہ اُس کے مال میں سے۔ اگر کسی نے اس کی طرف سے قربانی کر دی تو وہ نفل ہوگی لیکن اپنے ہی مال سے کرے اس کے مال سے ہرگز نہ کرے۔

۱۲۔ بکرا، بکری، بھیڑ، دُنبہ، گائے، بیل، اونٹ، اونٹنی، بھینس اور بھینسا کو قربانی کرنا درست ہے۔

۱۳۔ گائے، بھینس اور اونٹ میں اگر سات شریک ہوں تو درست ہے بشرطیکہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب کی نیت قربانی یا عقیقہ کرنے کی ہو۔ صرف گوشت کھانے کی نیت نہ ہو۔ اگر کسی شریک کا حصہ ⅐ سے کم ہو تو ان ساتوں میں سے کسی ایک کی بھی قربانی درست نہ ہوگی۔

۱۴۔ اگر کسی آدمی کا قربانی کا جانور کہیں گم ہوا اور اس نے دوسرا جانور خرید لیا پھر وہ گم شدہ جانور بھی مل گیا تو اس کے

دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوگی۔ اگر امیر آدمی ہو تو اُس پر ایک ہی جانور کی قربانی واجب ہوگی ۔

۱۵۔ سال بھر سے کم عمر کی بکری کی قربانی درست نہیں ہے، دو برس سے کم عمر والی گائے، بھینس کی قربانی درست نہیں اسی طرح قربانی کا اونٹ پانچ برس سے کم عمر کا درست نہیں۔ اور ہاں اگر چھ مہینے کا دُنبہ یا بھیڑ اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو اور سال بھر والے دُنبوں اور اس میں کچھ فرق معلوم نہ ہوتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو قربانی درست نہیں ہے بلکہ ایک سال کا ہونا ضروری ہے ۔

۱۶۔ جو جانور اندھا یا کانا ہو، ایک آنکھ کی تہائی یا اس سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو، یا ایک کان کی تہائی یا اس سے زیادہ حصہ کٹ گیا ہو، یا دُم کی تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی ہو تو اس جانور کی قربانی درست نہیں ۔

۱۷۔ جو جانور اتنا لنگڑا ہو کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہو، چوتھا پاؤں رکھا ہی نہیں جاتا ہو یا رکھا تو جاتا ہو مگر اس سے چل پھر نہ سکتا ہو اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے۔ اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہو اور چلنے میں اسے سہارا لگتا ہو لیکن لنگڑا کے چلتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔

۱۸۔ اتنا دُبلا پتلا جانور جس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ رہا ہو اس

کی قربانی درُست نہیں ہے۔ اگر معمولی دُبلا ہو تو اس سے کچھ حرج نہیں، اس کی قربانی درست ہے لیکن موٹے تازہ جانور کی قربانی کرنا بہتر ہے۔

۱۹۔ جس جانور کے سب دانت گر گئے ہوں اس کی قربانی درُست نہیں۔ اگر کچھ دانت گر گئے ہوں لیکن جتنے گر گئے ہیں ان سے زیادہ باقی ہوں تو اس کی قربانی درُست ہے۔

۲۰۔ پیدائش سے ہی جس جانور کے کان نہ ہوں اس کی بھی قربانی درُست نہیں۔ اگر کان ہوں مگر چھوٹے چھوٹے ہوں، اس کی قربانی درُست ہے۔

۲۱۔ جس جانور کے پیدائش سے ہی سینگ نہ ہوں یا سینگ تو تھے مگر ٹوٹ گئے اس کی قربانی درُست۔ ہاں اگر جڑ سے ٹوٹ گئے ہیں تو پھر قربانی درُست نہیں ہے۔

۲۲۔ خصّی یعنی بدھیا بکرے، مینڈھے اور خارش والے جانور کی قربانی درُست ہے۔ البتہ اگر خارش کی وجہ سے بالکل لاغر ہو گیا ہو تو درُست نہیں ہے۔

۲۳۔ اگر قربانی کے لئے خرید لیا پھر اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس سے قربانی درُست نہ ہو گی تو اس کے بدلے دوسرا جانور خرید کر کے قربان کرنا ضروری ہے۔

۲۴۔ قربانی کا گوشت خود بھی کھائیے، رشتہ داروں کو بھی دیدے اور فقیروں اور مسافروں و مسکینوں میں بھی خیرات کر دے۔ بہتر

بہتر ہے کہ کم از کم تیسرا حصہ خیرات کرے۔ اگر کسی نے تہائی سے کم گوشت خیرات کیا تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

۲۵۔ اس کی کھال بھی قیمت مسجد کی مرمت میں لگانا درست نہیں، خیرات ہی کرنا چاہیئے۔ (بہشتی زیور)

۲۶۔ کسی پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی، تو ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کر دے اور اگر جانور خرید ا تھا تو بعینہٖ وہی جانور خیرات کر دے۔ جس شخص نے کسی کام کے لئے قربانی کرنے کی منت مانی ہو اور وہ کام پورا ہو گیا تو اس پر قربانی واجب ہو گی، چاہئے مالدار ہو یا نہ اور ایسی قربانی کا سارا گوشت فقیروں میں خیرات کر دے نہ خود کھائے اور نہ امیروں کو دے (اگر) جتنا خود کھایا ہو اور امیروں کو دیا ہو اتنا پھر خیرات کرنا پڑے گا۔ اگر اپنی خوشی سے کسی مردے کو ثواب پہنچانے کے لئے قربانی کرے تو اس کے گوشت میں سے خود کھانا، کھلانا، بانٹنا سب درست ہے جس طرح عید بقر کی قربانی کا حکم ہے۔

۲۷۔ اگر کوئی مردہ اپنی زندگی میں وصیّت کر گیا ہو کہ میرے ترکہ میں سے میری طرف سے قربانی کی جائے تو اگر اس کے مال سے قربانی کی گئی تو اس قربانی کی تمام گوشت کو خیرات کرنا واجب ہے۔ اگر کسی شخص نے دوسرے غیر موجود شخص کی

طرف سے اس کے امر کے بغیر قربانی کر دی تو یہ قربانی درست نہیں۔ اسی طرح اگر کسی جانور میں کسی غائب شخص کا حصہ اس کے امر کے بغیر دوسرے آدمی نے تجویز کر لیا تو اور حصہ داروں کی قربانی بھی درست نہیں ہو گی۔

۲۸۔ اگر کسی شخص نے کوئی جانور کسی اور شخص کو حصہ پر دیا ہے تو یہ جانور اس پرورش کرنے والے کی ملکیت نہیں بن سکتا بلکہ اصل مالک کا ہے اس لئے اگر اس پالنے والے سے خرید کر قربانی کر دی [illegible] تو قربانی نہیں ہوئی اگر ایسا جانور خریدنا ہو تو اصل مالک سے جس نے حصہ پر دیا ہے خرید لیں۔

۲۹۔ اگر ایک جانور میں کئی آدمی شریک ہیں اور وہ سب گوشت آپس میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ یکجا ہی فقراء و احباب میں تقسیم کرنا یا پکا کر کھانا کھلانا چاہیں تو وہ بھی جائز ہے اگر تقسیم کریں گے تو اس میں برابری ضروری ہے۔

۳۰۔ قربانی کی کھال کی قیمت کسی کو اجرت میں دینا جائز نہیں بلکہ اس کا خیرات کرنا ضروری ہے۔

۳۱۔ قربانی کا گوشت کافر کو بھی دینا جائز ہے بشرطیکہ اجرت میں نہ دیا جائے۔

۳۲۔ اگر کوئی جانور گابھن ہو تو اس کی قربانی جائز ہے پھر اگر بچہ زندہ ہی نکلے گیا تو اس کو بھی ذبح کرنا چاہیئے۔

حجرِ اسود ـــــ اور فرزندانِ توحید

حجرِ اسود : سیاہ پتھر کو کہتے ہیں اور اسلامی دُنیا میں حجرِ اسود اس پتھر کا نام ہے جو کعبۃ اللہ کی دیوار میں ایک یادگار کے طور پر نصب کیا گیا ہے اسلام میں اس کی عبادت، بندگی اور پوجا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حجرِ اسود یادگاری پتھر کیوں ہے؟ اسلامی روایات کے مطابق حجرِ اسود وہ پتھر ہے جسے مشہور فرشتے حضرت جبرئیلؑ جنّت سے اٹھا کر کوہِ بوقبیس پر چھوڑ گئے۔ حضرت اسماعیلؑ نے جنّت کی ایک چیز سمجھ کر اس پتھر کو وہاں سے اُٹھایا اور اپنے اباجان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے جنّت کا ایک پتھر ہونے کی وجہ سے اس کو قابلِ قدر سمجھا اور فرزندِ ارجمند کی اس محنت کو بھی نظر انداز نہ فرمایا۔ اس لئے تعمیرِ کعبہ کے موقعہ پر اسی یادگار پتھر کو کعبہ کا ایک نمایاں بنیادی پتھر قرار دیا کیونکہ کعبہ میں خدا کی یاد ہوتی ہے اور خدا کی یاد کا بدلہ جنّت ہے۔ لہٰذا دونوں میں ایک طرح کی مناسبت بھی پائی جاتی ہے۔ پتھر کے معبود و مسجود ہونے کا کسی صورت میں کوئی وہم و گمان بھی نہیں۔ ہاں یہ پتھر اسلامی روایات کے مطابق جنّت سے لایا گیا ہے اس لئے یہ ایک نادر چیز بھی ہے اور پیاری چیز بھی۔ لہٰذا اس کو مکانِ عبادت اور جلوہ گاہِ وحدت میں ہی رکھا گیا جہاں اس کو ایک پتھر ہی سمجھا جا رہا ہے، زیادہ سے زیادہ ایک یادگار پتھر جو اِن چار خصوصیات کا حامل ہے:

یہ جنّت کی سرزمین کا پتھر ہے اس کو حضرت جبرئیلؑ وہاں سے لاکر کوہِ بوقبیس پر چھوڑ گئے۔ اس (حجرِ اسود) کو وہاں سے حضرت اسماعیلؑ اٹھا لائے اور حضرت ابراہیمؑ خانۂ کعبہ کی دیوار پر اور میں نصب فرما گئے۔ ان ہی خصوصیات کی بنا پر اس پتھر کو ایک بہتریں اور ابدی یادگار ہونے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

حجرِ اسود نہ مسجود ہے نہ معبود: عالمِ اسلام میں یہ پتھر "حجرِ اسود" (سیاہ پتھر) کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے نام سے بھی اس کے معبود یا مسجود ہونے کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ "کالا پتھر" نام رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ لوگ اس کے کسی نورانی نام سے اس وہم میں مبتلا نہ ہوں کہ یہ بھی کوئی قابلِ عبادت اور لائقِ بندگی چیز ہے۔

مشرکینِ عرب نے باطل معبودوں کے نام بھی تجویز کر رکھے تھے۔ مثلاً لات، منات، عزّیٰ، ہبل وغیرہ۔ حالانکہ یہ پہاڑوں کے پتھر تھے جن کی مورتیاں بنائی گئی تھیں۔ حجرِ اسود، جنّت کا پتھر تھا مگر اس کا نام پتھر رہا اور پتھر ہی کی حیثیت سے دیوارِ کعبہ میں لگایا اور طواف کا مبدا بنا کر اس کو ایک علامتی پتھر بھی قرار دیا گیا ــــ غرضیکہ ہر حیثیت سے اس کی معبودیت کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اس کو "حجرِ اسود" (سنگِ سیاہ، کالا پتھر، Black Stone) کے نام سے ہی پکارتے ہیں۔ خوب سمجھئے!

حجرِ اسود کو کفّارِ عرب بھی معبود نہ سمجھتے تھے: اس میں شک نہیں کہ خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ بت موجود تھے جن کو کفّارِ عرب اپنا

معبود و مسجود سمجھتے تھے۔ توحید کی عالمگیر انقلابی تحریک سے یہ بُت اور اُن کی موہوم عملداری ختم ہوگئی۔ حجرِ اسود نہ کوئی بُت تھا اور نہ کوئی اُس کا پجاری تھا۔ لہٰذا لات و عزّیٰ کی طرح اس کو ختم کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، کیونکہ اسلام پتھروں کا صفایا کرنے کے لئے تو نہیں آیا تھا بلکہ اسلام کے پیشِ نظر یہ تھا کہ جن چیزوں کو لوگ معبود و مسجود سمجھ بیٹھے ہیں ان کی بندگی سے خدا کے بندوں کو روکا جائے اور ان کے دل و دماغ سے یہ بات محو کی جائے کہ اینٹ، پتھر، درخت، آفتاب، ماہتاب اور ستارے وغیرہ بھی خدا یا معبود بننے کی قابلیت نہیں رکھتے ہیں، کیونکہ لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ کے نعرۂ وحدت سے غیر اللّٰہ کی عبادت کا خاتمہ ہوگیا۔ ؎

از خنجرِ لا لات و ہُبل را زدہ گردن
نیروئے خدائی است بہ بازوئے محمدؐ (آتشؔ تنہی)

حجرِ اسود محض ایک پتھر تھا، بُت نہیں تھا۔ کسی کا معبود و مسجود نہیں تھا البتہ جنّت کی سرزمین سے آیا تھا۔ جہاں خدا ہی واحد کی عملداری اور جلوہ نمائی ہے۔ بت پرستی کا کوئی شائبہ تک نہیں۔ اس لئے جنّت کا یہ کالا پتھر بھی بُت پرستی کی جڑ کاٹتا تھا۔ اسی بناء پر اس کو ایک پتھر کی حیثیت سے اور پتھر ہی کے نام سے دیوارِ کعبہ کا ایک حصّہ بنایا گیا۔ کیونکہ پتھر دیواروں میں لگانے کے کام آیا کرتا ہے۔۔۔۔

حجرِ اسود میں کوئی نقش و نگار، کوئی تصویر نہیں، نہ سنگِ مرمر

نہ سنگِ سرخ اور نہ سنگِ سفید بلکہ عام قسم کا ایک کالا پتھّر۔

جم جُم : غیر مسلم دوستوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ یہ پتھّر (حجرِ اسود) ایک اوتار تھا جس کا نام "جم جُم" تھا۔ اسی اوتار کو کعبہ کی دیوار میں حجرِ اسود کے نام سے لگا یا گیا۔

یہاں یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ جب اسلام نے عرب کی سرزمین میں توحید کی تعلیم کا پرچار کیا تو اس کے مقابلے میں کفّارِ عرب آئے اور معبودِ برحق کے بدلے اپنے معبودانِ باطل کے نام پیش کرتے رہے۔ مگر اسلام ایک سچّا خدائی پیغام تھا، دینِ قویم اور صراطِ مستقیم تھا، ایک مکمل ضابطۂ حیات تھا۔ اس لئے کفّارِ عرب اسلام کی انقلابی تحریک کو ناکام نہ بنا سکے۔ وہ لوگ اپنے خود تراشیدہ بتوں کو اصنام۔ اٰلھہ اور معبودین کے نام سے پکارتے تھے۔ اوتار یا دیوتا وغیرہ کا ان کے ہاں کو تصوّر بھی نہیں تھا کیونکہ یہ ہندی اصطلاحات ہیں اور عرب کی سرزمین آریہ اور ہندی قوم سے خالی تھی۔ لہٰذا جم جُم اوتار کا فرضی وجود ایک موہوم نظریّہ معلوم ہوتا ہے پھر اوتار آریوں کے ہاں پیغمبر کو کہتے ہیں اور اوتار وہ مُصلح کہلاتا ہے جس کے جنم میں بھگوان داخل ہو کر آیا ہو۔ ظاہر بات ہے کہ اوتار انسان ہوگا، پتھّر نہیں ہوگا، کیونکہ پتھر سے کسی اصلاح کی توقع بھی تو نہیں کی جا سکتی ہے یہ تو ایک ناممکن اور محال سی بات معلوم ہوتی ہے۔ پتھر کا اوتار ہونا معمولی سمجھ والے انسان کی عقل میں بھی نہیں آسکتا۔ علمِ تاریخ سے بھی اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا ہے۔

یہ کوئی فلسفیانہ خیال نہیں کہ عقلی گھوڑے دوڑا کر بات بنائی جا سکے یہ ایک تاریخی سوال ہے جس کا جواب علم تاریخ میں کہیں موجود نہیں لہٰذا یہ محض ایک وہم ہے جو کسی طرح قابل اظہار بھی نہیں ہے۔

حجر اسود کی عبادت : عبادت اسلامی آئین میں بندگی کو کہتے ہیں جس کا معروف طریقہ رکوع و سجود ہے بشرطیکہ یہ رکوع و سجود عبادت کی نیت سے طریقہ معروفہ کے ساتھ کیا جائے۔ لہٰذا اگر درزشوں کے بہتوں میں انسان جھکنے لگے یا ماتھے کو زمین پر رگڑنے لگے تو یہ عبادت نہیں ہوتا

حجر اسود کی عبادت کوئی مسلمان نہیں کیا کرتا، مسلمانوں کے ہاں حجر اسود نہ خدا ہے نہ اس میں کوئی خدائی قوت ہے اور نہ ایسی جلوہ نمائی جو کسی کو اس کی عبادت کی طرف راغب کر سکے یہاں تک کہ اس کو سمت قبلہ میں محراب کے مقام پر بھی جگہ نہیں دی گئی ہے تاکہ کسی مسلمان کو اوقات نماز میں اس کا سامنا ہونے کی وجہ سے اس کے مسجود ہونے کا وہم تک نہ ہو۔

حجر اسود کا بوسہ : بوسہ دینا یا چومنا منہ لگانے کو کہتے ہیں اس سے عموماً پیار اور کبھی کبھی احترام بھی مقصود ہوتا ہے۔ اس کو بندگی یا عبادت پر نہ کسی نے محمول کیا ہے اور نہ کوئی اس قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ ماں باپ اپنے لخت جگر کو بوسہ دیتے ہیں۔ محبت کے متوالے اپنے محبوب کو چومتے ہیں۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے بوسے لیتے ہیں۔ اس سے بجز اظہار محبت کے کوئی اور

مقصد ہوتا ہی نہیں۔ اسی کا نام شعراء کی اصطلاح میں "پیار" رکھا گیا

ان کو آتا ہے پیار پر غصّہ ہم کو غصّے پر پیار آتا ہے

بعض لوگ اپنے بزرگوں کی یادگاروں کو بھی چوما کرتے ہیں۔ لیکن اس محبت یا احترام کے چومنے میں بندگی کی ہرگز ہرگز کوئی نیت نہیں ہوتی۔ پھر بھی اس زمانہ میں اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

حجرِ اسود جنّت کی سرزمین کا پتھر ہے۔ حضرت جبرئیلؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی وساطت سے حضرت ابراہیمؑ کے ہاں پہنچا۔ آپ نے اپنے دستِ حق پرست سے دیوار کعبہ میں ایک یادگار پتھر کی حیثیت سے اس کو اصولِ تعمیر کے مطابق لگایا۔ ان تمام خصوصیات کی بنا پر ایک جلیل القدر فرشتہ اور دو اولوالعزم پیغمبروں کے مبارک ہاتھوں میں آیا ہوا جنّت کا پتھر ہونے کی وجہ سے ایک پیاری یادگار سمجھ کر حضور پُر نور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو چوما، آپ ؐ کے چومنے کا مقصد ہرگز ہرگز یہ نہیں تھا کہ یہ خدا کی ایک نشانی ہے۔ لہٰذا اس نشانی کی عبادت سے خداوند لاشریک کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ اسلام نے تو کفّارِ عرب پر یہی سنگین الزام لگایا تھا، چنانچہ انہوں نے اس الزام کا جو غیر معقول اور قابلِ قبول جواب دیا تھا وہ " مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى" (ہم تو ان بتوں کو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو قریب کے درجہ میں خدا تک پہنچا دیں) سے واضح ہے۔ کفّارِ عرب نے "مَا نَعْبُدُهُمْ" کہہ کر بتوں کی عبادت کا اقرار کیا اور اس عبادت کو قربِ خدا کا سبب قرار

دیا مگر اسلام کے آئین میں چونکہ غیر اللہ کی عبادت ہر حالت میں ممنوع ہے، شرک اور کفر ہے۔ لہٰذا کفّارِ عرب کا یہ جواب بے وقعت رہا یہاں بوسہ محض پیار کی ایک نشانی ہے، جو عشق و محبت کے اظہار میں متعدّد مواقع پر دنیا میں معمول و مُروّج ہے۔

اُقَبِّلُ حَائِطَ الْمَحْبُوْبِ اِنِّیْ
اُحِبُّ ذَا الْجِدَارِ وَلَا الْجِدَارَا

"میں محبوب کی دیوار کو اس لئے چومتا ہوں کہ میرے دل میں دیوار والے محبوب کا عشق ہے، دیوار کا عشق نہیں۔"

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد: اسلام کی ایک بڑی اہم شخصیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجرِ اسود کے سامنے محبّت کا بوسہ دینے سے پہلے جو تقریر فرمائی ہے، اس سے حجرِ اسود کے متعلّق تمام غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ تقریر کے الفاظ یہ ہیں:

"اے پتھر میں جانتا ہوں کہ تو مجھے نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر حضورِ پُر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (جو جنّت کا لیک یادگار پتھر ہونے کی بنا پر) پیار نہ کیا ہوتا، تو میں تیرے ٹکڑے اُڑا دیتا۔"

اس کے بعد بوسہ کو اظہارِ عشق کا ذریعہ سمجھ کر آپ نے بھی حجرِ اسود کو چُوما۔ الغرض چومنا ہرگز عبادت نہیں اور نہ اس سے کسی صورت میں بندگی کا وہم پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ بندگی صرف معبودِ حقیقی کا حق ہے۔ لہٰذا "پیار" کو اعتراض کا بہانہ بنانا درحقیقت کوئی وزن نہیں رکھتا۔

(فروری ۱۹۷۹ء)

متفرقات

فضائل مساجد

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سَبْعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظِلِّہٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ اِلیٰ آخرالحدیث...

(بخاری وغیرہ)

ربانی ارشاد ہے:

"اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ"

یعنی: اللہ تعالیٰ کی مسجدیں تعمیر کرنے کا حق صرف وہی شخص رکھتا ہے جو خدا تعالیٰ اور قیامت کے دن پر مطابق تعلیماتِ اسلام ایمان و اعتقاد رکھتا ہو۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ اَلِفَ الْمَسْجِدَ اَلِفَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ" یہ کہ جو مسلمان اللہ کی مسجد سے محبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت رکھتا ہے"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

"اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ" یہ کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو جائے تو مسجد میں بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھا کرے۔" (متفق علیہا)

مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ احناف کے نزدیک نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نفل طلوع اور غروب آفتاب تک جائز نہیں۔ اس لئے اگر کوئی شخص فجر نماز پڑھ کر طلوع آفتاب سے پہلے یا عصر نماز پڑھکر کسی مسجد میں داخل ہو جائے تو اس کے ذمہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں نہیں ہیں جس پر بہت سے صحیح احادیث گواہ ہیں۔ مگر یہاں پر ان کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اُن اوقات میں مسجد میں داخل ہو جائے جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ تو ان اوقات میں بھی تحیۃ المسجد ساقط ہو جاتی ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ۔" یعنی مسجد کے ہمسایہ کی نماز مسجد ہی میں کامل اور پوری ہوتی ہے۔ اور مسجد شریف کے ہوتے ہوئے گھر میں نماز پڑھنا موجب نقصانِ ثواب ہے اور شریعت کی تعلیم کے برخلاف ہے

ایک اور حدیث مبارک میں حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اَلْمَلٰئِکَۃُ تُصَلِّیْ عَلٰی اَحَدِکُمْ مَا دَامَ فِیْ مُصَلَّاہُ الَّذِیْ یُصَلِّیْ فِیْہِ تَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ مَالَمْ یُحْدِثْ اَوْ یَخْرُجْ مِنَ الْمَسْجِدِ" (متفق علیہ)

ترجمہ: فرشتے تم پر درود رحمت بھیجتے ہیں، جب تک کہ تم نماز کی جگہ بیٹھے رہو گے اور وہ کہتے ہیں یا اللہ اس پر رحمت بھیج اس پر رحم و کرم فرما اور اس کی مغفرت فرمائے۔" یہ دعا اس وقت تک فرشتے دیتے ہیں جب تک وہ بے وضو نہ ہو جائے۔ اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ مسجد میں با وضو بیٹھنا گناہ سے

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"یَاْتِیْ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِیْ یَاْتُوْنَ الْمَسَاجِدَ فَیَقْعُدُوْنَ فِیْھَا حِلَقًا ذِکْرُھُمُ الدُّنْیَا وَحُبُّ الدُّنْیَا لَا تُجَالِسُوْھُمْ فَلَیْسَ لِلّٰہِ بِھِمْ حَاجَۃٌ" (ابن حبان)

ترجمہ: آخری زمانہ میں میری امت کے کچھ لوگ مسجدوں میں آ کر حلقہ بنا کر بیٹھا کریں گے، اور ان کی باتیں دنیا اور دنیا کی محبت کے متعلق ہوں گی۔ آپ نے فرمایا کہ تم ایسے لوگوں کے پاس مت بیٹھا کرو۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی نمازوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ جن میں مساجد کا احترام باقی نہ رہے۔

مسلمانو! اس حدیث مبارک سے عبرت و نصیحت حاصل کریں نیز اشارۃً ثابت ہوا کہ مساجد میں اذکار و اوراد کے اس طرح حلقہ باندھے جائیں کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو جائے۔ تو وہ مکروہ نہیں بلکہ بہتر اور مستحب [illegible]

پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بعض

آسمانی کتابوں میں لکھا ہے کہ : (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔)
روئے زمین پر میرے گھر یعنی مسجدیں ہیں اور جو لوگ ان مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں۔ حقیقت میں وہی ان مسجدوں کے آباد کرنے والے ہیں۔ پس ان مسلمانوں کو شاباش اور مرحبا ہو جو اپنے گھر میں پاکی و صفائی یعنی وضو کر کے ان مسجدوں میں آ کر میری زیارت کرے یعنی مسجد میں آ کر خشوع اور حضورِ قلب سے نماز ادا کرے تو اللہ تعالےٰ کے ذمہ ہے کہ وہ اس نماز گذار اور زائر کو بھرپور ثواب سے نوازے ــــ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجدوں کے غسل خانوں میں وضو کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ آدمی گھر سے ہی وضو کر کے مسجد میں جائے ــــ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے :

"کہ جب تم مومن کو مسجد میں باقاعدہ آتے ہوئے دیکھو گے تو اس کے باایمان ہونے پر گواہ رہو۔" (ترمذی)

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے مسجد میں کوئی چراغ روشن کیا تو فرشتے اور حاملینِ عرش اس کیلئے اسوقت تک برابر دعائے مغفرت کرتے ہیں جب تک وہ چراغ مسجد میں روشن رہے۔ کیا کہئے ان مردانِ خدا کو جو اللہ تعالےٰ کی مسجدوں کو مطابق شریعت آباد کرتے ہیں۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو مسجدوں میں ذکرِ خدا کرنیوالوں کو بدعتی اور مشرک بتاتے ہیں اور خود بے توفیق ہیں ذاکرین سے بھی نفرت و حقارت رکھتے ہیں۔ ان کی ایمانی کمزوری اور شریعت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔
(جنوری، فروری ۱۹۴۹ء)

فضائلِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"عن ابنِ عمر رضؓ عن رسولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم قال لابی بکر انت صاحبی فی الغار وصاحبی علی الحوض" رواہُ الترمذی"

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی اکریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو فرمایا: اے ابوبکر! تم جس طرح انتہائی مصیبت اور سخت تکلیف کے وقت غارِ ثور میں میرے مخصوص ساتھی اور رفیق رہے اسی طرح تم آخرت میں بھی حوضِ کوثر پر (جو انتہائی مسرت اور شادمانی کا مقام ہوگا) میرے مخصوص ساتھی اور باوقار جلیس و انیس رہو گے۔

اس حدیثِ مبارک سے جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی نمایاں فضیلت و فوقیت ثابت ہوتی ہے وہاں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ صدیق اکبر رضؓ سے آخری وقت تک خوش اور راضی رہے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ کے تمام دینی و دنیوی کام آخری عمر تک اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم و ہدایت کے مطابق تھے، ورنہ معاذ اللہ اگر آپؐ کی وفات کے بعد صدیق اکبر رضؓ

سے کوئی عمل اللہ و رسول کی مرضی کے خلاف صادر ہوا ہوتا تو وہ ہرگز قیامت کے دن اس اعزاز کے مستحق نہیں ہو سکتے تھے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے مخصوص فرمایا ہے کیونکہ غار ثور یا حوض کوثر میں آپ کا مخصوص ممتاز رازدار، واقف اسرار بننا معمولی فضیلت نہیں "وَیَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُوْرَهٗ" ماشاء اللہ آپ کیوں نہ اس اعزاز کے مستحق ہوں، جس محبت و رفاقت کا ثبوت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا ہے اور جو آپ کی علمی و دینی سنہری خدمات ہیں انکا بھی یہی تقاضا ہے کہ آپ اس عزت و احترام کے حقدار ہیں۔ مگر عقل سلیم اور دیانتداری کی ضرورت ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی جس وقت مشرف باسلام ہوئے تو اسلام لانے کے بعد تین دن ایک پرجوش خطبہ دیا جس کی وجہ سے مکہ کے قریش آپ پر ٹوٹ پڑے تمام چہرہ مبارک خون میں بھر گیا۔ ناک کان سب لہو لہان ہو گئے، مخالفوں نے جوتوں اور لاتوں سے آپ کو روندا جس کی وجہ سے آپ بیہوش ہو گئے لوگوں کو خیال ہوا کہ آپ اس حادثہ میں شہید ہو گئے۔ کافی وقت بعد جو ہوش آیا تو سب سے پہلا جو کلمہ آپ کی زبان مبارک پر وہ یہ تھا کہ حضور اکرم کا کیا حال ہے۔ آپ کی والدہ حضرت ام الخیر کچھ کھانا لیکر آپ کے پاس آئی، آپ نے فرمایا: کہ اس وقت کھانا نہیں کھاؤنگا جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ لوں۔ حضرت ام الخیر، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ام جمیل سے ملیں اور حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیریت دریافت کی۔ اُم جمیل رضؓ نے اطمینان دلایا کہ حضور اکرمؐ بحمد اللہ خیریت سے ہیں۔ پھر اس عاشقِ صادق رضؓ نے کھانا تناول نہ کیا بلکہ پہلے حضورِ اقدسؐ سے ملنے کے لئے بے تاب و بے قرار تھے۔۔۔ غرض رات کا کافی حصہ گذر گیا تو اس کے بعد اُم الخیر رضؓ نے ابوبکر صدیق رضؓ کا ہاتھ پکڑ کر ان کو دارِ ارقم میں پہنچایا جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ جوں ہی صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپؐ کے روئے نازنین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نظر پڑی تو آپؐ سے روتے روتے لپٹ گئے، حضورؐ بھی لپٹ کر روئے اور سب حاضر صحابہ رضؓ رونے لگے۔۔۔ اسی وقت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی گذارش پر آپؐ نے اُم الخیر کے لئے دعا کی اور وہ اسی مجلس میں مشرف باسلام ہوئیں۔ اسی خصوصیت و امتیاز کی بنا پر آپؐ نے صدیقِ اکبر رضؓ کو فرمایا: "اَنتَ صاحبی فی الغار و صاحبی علی الحوض"۔ ایک طرف صدیقِ اکبر رضؓ کا یہ مقام اور یہ شرف و عزت اور دوسری طرف آپ کا تقویٰ، پرہیزگاری بھی اور خوفِ خدا بھی قابلِ ذکر ہے۔

آئیے اس سلسلہ کی چند سطریں ملاحظہ فرما کر اپنی اصلاح فرمائیے اور اپنے دلوں سے کدورت دور کیجئے۔

تقویٰ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے کہ کاش میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ کبھی فرماتے کاش میں گھاس ہوتا کہ کوئی جانور اس کو کھا لیتے، کبھی فرماتے کاش میں کسی مومن کے بدن کا

بال ہوتا۔ ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے ایک جانور کو بیٹھا ہوا دیکھا، ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا تو کس قدر لطف میں ہے کھاتا ہے، پیتا ہے، درختوں کے سایے میں پھرتا ہے اور آخرت میں تجھ پر کوئی حساب کتاب نہیں۔ کاش ابوبکر تجھ جیسا ہوتا۔ (تاریخ الخلفاء)

کفایت شعاری: زمانۂ خلافت میں ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس تو دام نہیں کہ خرید دوں، اہلیہ محترمہ نے عرض کیا کہ ہم روز کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچا لیا کریں، کچھ ہی دنوں میں اتنی مقدار ہو جائے گی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دی۔ اہلیہ محترمہ نے کئی روز ایسا کر کے کچھ پیسے جمع کئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر فرمایا: کہ اس تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ اتنی مقدار ہمیں بیت المال سے زیادہ ملتی ہے۔ پھر جو کچھ اہلیہ محترمہ نے جمع کیا تھا وہ بیت المال میں واپس کیا اور آئندہ اتنی مقدار بیت المال سے کم کر دی۔

نتیجہ: جب امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنی اصلاح فرمائی اور کفایت شعار بن گئے اور قوم کی دولت و ثروت کی وہ قدر کی جو ایک دانا آدمی اپنی پاک کمائی کی کرتا ہے تو ایسے قائد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصلاح کرنے میں کیا دیر لگ جاتی۔

افسوس ہے کہ وقت کے زعماء اور قائدین نے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق کار کو بالکل فراموش کر دیا ہے تو پھر

کامیابی کیسے ہو گی۔

آپ رضی اللہ عنہ کا کمال احتیاط اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز :-

امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا جو غلہ کے طور پر اپنی آمدنی میں سے آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کچھ پیش کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کھانا لایا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس میں سے ایک لقمہ تناول فرمایا، پھر غلام نے عرض میں کہا کہ یہ کھانا مجھے اس اُجرت پر ملا جو زمانۂ جاہلیت میں، میں نے ایک شخص پر منتر پڑھا تھا" چونکہ اس قسم کی کمائی شرعاً حرام ہے، اس لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سنتے ہی قے کی وہ بھی اس طرح کہ پانی کا ایک بڑا پیالہ منگوایا اور پانی پی پی کر مشتبہ شے کی ایک لقمہ کی خاطر قے فرماتے رہے۔ اس پر کسی نے کہا " اللہ آپ رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے یہ ساری مشقت ایک لقمہ کی وجہ سے برداشت فرمائی۔" آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: کہ، اگر اس لقمہ کے ساتھ میری جان بھی نکل جاتی تو میں اس کو نکال ہی دیتا، کیونکہ میں نے حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو بدن مال حرام سے پرورش پائے جہنم اس کے لئے زیادہ بہتر ہے، مجھے ڈر ہوا اس لقمہ سے میرا بدن پرورش نہ پائے۔

اے عالمو! اور اے مسلمانوں کے قضائے و قدر کے جھوٹے اور بے حقیقت دعویدارو!! ذرا امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس احتیاط پر غور تو کر لو اور اچھی طرح سوچو، سمجھو کہ جنّت، جہنّم کن لوگوں کے انتظار میں ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آپ کے یہ نرم و نازک جسم بھی خالص حرام اور ریا سے پرورش پا رہے ہیں، پھر جس کا انجام جہنّم ہو وہ تکبّر و غرور میں کیوں مبتلا رہے، وہ فوراً توبہ و استغفار کیوں نہیں کرتا اور غلط طریق کار کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ آخر کب تک تم اپنے گندے اعمال، دین فروشی اور مکّاری سے دین کے خدوخال مٹاؤ گے اور کب تک تم اپنی عیّاری سے قرآن و حدیث کی تعلیمات، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، تابعین عظام، ائمۂ دین اور اولیاء کاملین رحمہم اللہ اجمعین کے اُسوۂ حسنہ اور اُن کے طریق کار سے مسلمانوں کو دور رکھو گے۔

(جمادی الاُولیٰ ۱۳۸۲ھ)

مسلمانوں کے روحوں کا استقبال

"عن ابی ایوب الانصاری رضؓ انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم قال انّ النفسَ المؤمنَ اذا قبضت تلقّاھا اھلُ الرّحمۃ من عباد اللّٰہ کما یلقون البشیر من اھل الدّنیا فیقولون انظروا صاحبکم یستریح فانّہٗ کان فی کربٍ شدیدٍ ثمّ یسئلونہٗ ما فعل فلان و فلانۃ ھل تزوّجت فاذا سئلوہ عن الرّجل الّذی قد مات قبلہٗ فیقول انّہٗ قد مات ذالک قبلی فیقولون انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون ذھب بہٖ الٰی امّہٖ الھاویۃ فبئست الاُمّ و بئست المربیۃ وقال انّ اعمالکم ترد اقاربکم و عشائرکم من اھل الاٰخرۃ فان خیرًا فرحوا واستبشروا و قالوا اللّٰھمّ ھذا فضلک و رحمتک فاتمم رحمتک علیہ وامتہ علیھا و یعرض علیھم عمل المسابین فیقولون اللّٰھمّ الھمہ عملاً صالحًا ترضٰی بہٖ وتقرّبہٗ الیک۔" (ابن ابی الدنیا)

جمہ :- حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا
مؤمن کی روح جب قبض کر لی جاتی ہے۔ تو اللہ رب العزت
ن والے بندے اس روح کا استقبال اسی طرح کرتے ہیں جس
دنیا میں کسی خوشخبری لانے والے کا کرتے ہو۔ رحمت والے
تے ہیں کہ اس روح کو ذرا آرام کر لینے دو کیونکہ دُنیا میں بڑی
ں میں تھی۔ پھر اس روح سے نام بنام لوگوں کا حال دریافت
ہے کہ فلاں مرد کا کیا حال ہے ؟ فلاں عورت کا کیا حال
ـــ جب فرشتے اس شخص کا حال پوچھتے ہیں جو اس روح
ت پہلے دُنیا سے رخصت ہو چکی ہے تو روح حسرت سے
ے افسوس وہ تو مجھ سے پہلے ہی مر چکی ہے۔ یہ سُن کر لوگ
..... الخ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں تب وہ برے ٹھکانہ
(ھاویہ) میں ہو گا۔ پس بہت بُرا ٹھکانہ ہے بُری جگہ اور
ی جگہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے
شتہ داروں کو پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ اعمال اچھے ہوں
خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خدا ! یہ تمہارا فضل
ت ہے، تو اپنی رحمت کو اس شخص پر تمام کر، اور اسی
نا موت اللہ اسی طرح ان مردہ ارواح کو مسلمانوں کیا کر دار
جاتا ہے تو اگر کسی مسلمان کا کوئی عمل ٹھیک نہ ہو تو یہ

مردے کہتے ہیں کہ خدایا! اس مسلمان کے دل میں ایسے صا
الہام ڈال جس سے تو اُسے خدا راضی رہو گے، اور تو اُ
نزدیک لاؤ گے۔ (ابن ابی الدنیا بروایت طبرانی)

حضرت ابو لبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بیان ہے کہ
براء رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا جب انتقال ہوا تو اُن کی ماں کو
شدید صدمہ ہوا، اسی شدتِ غم میں انہوں نے رحمۃ
سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم سے ع
کہ اے اللہ کے نبی ص! میرے قبیلہ میں اکثر موتیں ہوتی ر
کیا مردے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں؟ اگر پہچانتے
میں اپنے بیٹے بشر کو سلام بھیجوں گی۔ حضرت نبی کریم صل
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ق
قدرت میں میری جان ہے، مردے ایکدوسرے کو اسی طر
ہیں جس طرح پرندے درختوں کی شاخوں پر ایک دو
کو پہچانتے ہیں یہ سُن کر بشر کی ماں کا یہ دستور ہو گیا کہ قبیلہ
میں جب بھی کسی شخص کی وفات کا وقت قریب آجاتا تو ا
پاس جا کر پہلے اُس شخص کو سلام کہتیں کہ میرے بیٹے بشر کو م
سے سلام پہنچا دینا۔ (ابن ابی الدنیا)
(علامہ ج

ایک دفعہ گناہ سے اجتناب کا نتیجہ

"عن ابن عمر رضؓ قَالَ سمعتُ رَسُولَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ
عَلیہِ وَآلِہٖ وسلم یُحدِّثُ حدیثًا لولم اَسْمَعْہُ
اِلّا مرّۃً او مرّتین حتّٰی عَدَّ سبعَ مرّاتٍ
ولکنّی سمعتُہٗ اکثرَ من ذالکَ سمعتُ رَسُولَ
اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وَآلہٖ وسلم یقولُ کان الکِفل
مِنْ بنی اسرائیل لا یتورّعُ مِنْ ذنبٍ عَمِلَہٗ
فاتتہُ امرأۃٌ فاعطاھا ستّین دینارًا علیٰ
اَنْ یطأَھا فلمّا قعدَ منھا مقعدَ الرّجلِ مِنْ امرأتہٖ
اُرعدتْ وَبکتْ فقالَ ما یُبکیکِ اَکرھتُکِ قالت
لا ولکنّہٗ عملٌ ما عملتُہٗ قطُّ وما حملنی علیہِ الّا
الحاجۃُ فقالَ تفعلینَ انتِ ھذا وَ ما فعلتہٖ اِذْھبی
فھیَ لکِ وقالَ وَاللّٰہِ لا اعصی اللّٰہَ بعدھا ابدًا
فماتَ من لیلتہٖ فاصبحَ مکتوبٌ علیٰ بابہٖ اَنَّ اللّٰہَ
قد غفرَ الکفلَ ھذا حدیثٌ حسنٌ ابوابُ صفۃِ القیامۃ
جامع ترمذی

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے سرورِ دوعالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک حدیث بیان کرتے سُنا۔ اگر میں نے آپؐ سے ایک بار یا دو بار یا سات بار بیان کرتے سُنا ہوتا تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی مگر میں نے تو اس سے زیادہ بار آپؐ کو بیان کرتے ہوئے دیکھا کہ کِفل نامی بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جو کسی گناہ سے پرہیز نہ کرتا تھا یعنے وہ بڑا بدکار تھا، اور کسی قصور کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہ تھا ـــــ ایک دن کی بات ہے اس کے پاس ایک عورت آئی، کِفل اس سے گناہ کرنے کی خواہش کرنے لگا چنانچہ اُس نے اس عورت کو ساٹھ اشرفیاں اس شرط پر دیں کہ وہ اس سے زنا اور بدکاری کرے۔ عورت کو کچھ حاجت تھی تو وہ بھی ساٹھ اشرفیاں دیکھ کر اُس سے زنا کرنے پر آمادہ ہوئی۔ اس کے بعد جب کِفل اس سے زناکاری کے ارادے سے بالکل نزدیک ہوا اور اُس کے پاس اس طرح بیٹھا جس طرح مرد اپنی بیوی کے پاس ہمبستری کے لئے بیٹھتا ہے تو اچانک وہ عورت خوفِ خدا سے کانپ اٹھی اور رونے لگی۔ کِفل نے اس سے کہا تو کیوں روتی ہے؟ میں نے تم سے زبردستی تو نہیں کی، اگر زبردستی کی ہوتی تو رونے کی وجہ ظاہر تھی۔ وہ عورت بولی کہ یہ ٹھیک ہے کہ تُو نے زبردستی نہیں کی لیکن بات یہ ہے کہ میں نے آج تک کبھی زناکاری نہیں کی ا[ور] مجھے سخت ضرورت نہ ہوتی تو اس کام کے لئے آمادہ نہ ہوتی۔ کِفل نے یہ سُن کر اُس عورت سے کہا

کیا تو اتنی پاک دامن ہے ؟ اور کیا تو نے آج تک ا
نہیں کیا ؟ اچھا اُٹھو ! اب میں بھی اس کارِ بد سے باز
کی قسم اب میں بھی کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرو
جو ساٹھ اشرفیاں میں نے تمہیں دیئے تھے وہ اب تم
ہو گئے ہیں وہ کبھی واپس نہیں لونگا۔" وہ پاک دامن عو
عصمت بھی بچاتی ہے اور روپیہ بھی لیتی ہے اور کِفل
ڈالتی ہے کہ اس نے آئندہ کے لئے گناہوں سے بچنے کا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں : اسی را
کا انتقال ہو جاتا ہے اور صبح کے وقت دیکھتے ہیں کہ اس
کے دروازے پر قدرت کی طرف سے لکھا ہوا تھا کہ اللہ
نے کِفل کو بخش دیا۔" یہ حدیث حسن ہے۔

لہٰذا اے مسلمانو ! موت آدمی سے دور نہیں
اللہ اور موت کو ہر وقت یاد رکھو (بچئے) اور گناہوں سے پرہیز
کیا پتہ کہ آدمی گناہ ہی کی حالت میں ہو اور اسی حالت
کا خاتمہ ہو جائے۔ لہٰذا ہر وقت اور ہر لمحہ موت کو قریب

اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ
وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ

نزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

...رج ابو الشیخ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ ...موقوعاً ینزل عیسیٰ ابن مریم فیقتل ...ل ومکث اربعین عاماً یعمل فیھم بکتاب ...الیٰ وسنّتی ویموت فیستخلفون بامر ...رجلاً من بنی تمیم یقال لہ المقعد ...مات المقعد لم یأت علی النّاس ثلٰث ...حتیٰ یرفع القراٰن من صدور بعضھم ...یث) کذا فی الاشاعۃ ص ۲۴۹"

...مہ بحذف یسیر:-

...ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ ...نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس ...ماتہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام آسمان ...دجّال کو قتل کر لیں گے اور زمین پر چالیس سال تک ...لوگوں میں قرآن اور میری سنت کے مطابق عمل ...کے بعد وفات پائیں گے۔ لوگ ان کا خلیفہ اس ...گے جس کا نام مقعد ہو گا۔ مقعد کے مرنے کے

بعد٭ بہت سے لوگوں کے سینوں سے قرآن مجید اٹھایا جائے گا ۔۔۔ الخ

اس حدیث اور اس قسم کی ایک سو کے قریب احادیث مبارکہ اور بہت سی قرآنی آیات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ ہونا اور قیامت سے کچھ پہلے ان کا آسمان سے اترنا، زمین پر چالیس سال تک قرار کرنا، دجّال کو قتل کرنا اور امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نمازیں پڑھنا، قرآن اور سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق عمل کرنا، تمام اہلِ کتاب کا ان پر ایمان لانا اور آخر میں حضرت سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوارِ اقدس میں دفن ہونا مسلّمات اور اجماعیات میں سے ہے اور احادیثِ مبارکہ میں آنحضورؐ نے اس مضمون کی تاکید فرمائی تاکہ امّتِ مرحومہ جھوٹے مدّعیانِ نبوّت اور مکاروں کے مکر و فریب سے نجات پائے اور ان کا متاعِ ایمان ابلیسوں کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ اور مامون رہے اور جو اس کے خلاف کرے وہ باتفاقِ علماءِ معتبرین کافر ہے جیسا کہ اس حدیثِ مبارک میں ارشاد ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حضرت امام مہدیؑ کے خروج کا انکار کرے اس نے بصراحت ان مقدس ہدایات کا انکار کیا جن کا نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا ہے۔ جس نے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا اور جس نے دجّال کے نکل جانے کا انکار کیا ہے اس نے کفر کیا ہے (ذکرہ اسعد

٭ تین سال گزرنے [illegible]

خدا تعالیٰ کی قدرت پر اعتماد نہیں) اسی طرح جس نے اس بات پر ایمان نہیں لایا کہ تقدیر خواہ اس کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے وہ بھی کافر ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو تقدیر کے من جانب اللہ ہونے پر یقین نہیں کرتا خواہ وہ اس کے حق میں بہتر ہو یا بدتر اور کچھ تو ایسا شخص میرے بغیر کسی اور کو خدا بنائے یہ بطور زجر و توبیخ کے ہے۔
(فصل الخطاب بحوالہ التصریح)

اس حدیث مبارک سے جہاں بہت سی علمی اور اعتقادی باتیں معلوم ہوئیں، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر بحکم خدا زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے آسمان سے مخصوص جگہ پر نزول فرمائیں گے اور قرآن و سنّت کی طرف دعوت دیں گے۔ یہ کسی عالم، محدّث اور فقیہہ و مجتہد کا قول نہیں بلکہ اس قول کا صدور زبان وحیِ ترجمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا ہے۔ ایک حدیث ہی نہیں بلکہ تقریباً اس مضمون کی ایک سو حدیثیں اور بہت سی ربّانی آیتیں تصدیق و تائید کرتی ہیں تو ان کا انکار کرنا کتنا سخت گناہِ عظیم ہے اور فہم و دانش کے مقابلہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وحی کو ٹھکرانا کتنی نادانی اور عاقبت نا اندیشی ہے۔

(فردوسی عاشرہ)

مومن خواتین کیلئے درس حدیث

"عن ابی موسیٰ رضؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال کل عین زانیۃ والمرأۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ وفی الباب عن ابی ھریرۃ وھذا حدیث حسن صحیح (ترمذی)

ترجمہ:

ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر آنکھ زنا کرتی ہے (جب کوئی شخص نامحرم عورت پر بد شہوت سے نظر کرے تو یہ آنکھ کا زنا ہے) اور عورت نے جب خوشبو لگائی اور کسی مجلس سے گزر گئی تو وہ ایسی ویسی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ وہ زنا کار ہے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

دوسری حدیث میں اس طرح فرمایا گیا:

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ ایک مرد دوسرے مرد کی ستر گاہ کی طرف نہ دیکھے۔ عورت بھی دوسری عورت کی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے۔ (اسی طرح) ایک مرد دوسرے مرد کیطرف۔ اور ایک عورت دوسری عورت کی طرف

ایک کپڑے کے اندر نہ پڑھے یعنی دو مردوں یا دو عورتوں کو ہم جنس ہونے کے باوجود ایک ہی کپڑے میں نہ سونا چاہیئے تاکہ اُن کی شہوانی اُمنگیں غلطی نہ کر بیٹھیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ ایک عورت دوسری عورت کے ساتھ مباشرت کرے پھر وہ اپنے خاوند سے اس عورت کے خدوخال اس طرح پیش کریگی کہ اس عورت کی تصویر اُسکے خاوند کے سامنے آجائے۔ مطلب یہ کہ کسی عورت کو اپنے شوہر سے کسی دوسری عورت کے اعضاء وجوارح اور زیبائش وآرائش وغیرہ کا بیان اس طرح نہ کرنا چاہیئے کہ اس کے شہوانی جذبات اُبھر آئیں۔ واضح رہے کہ بے پردہ بدن کا بدن سے ملانے کو مباشرت کہتے ہیں یہی معنی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہیں جو صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ کبھی مباشرت سے ہمبستری بھی مراد لیتے ہیں مگر اس وقت بالعموم اس کے ساتھ لفظ فاحشہ بڑھایا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ بیچارہ غلام جیلانی برق ان باتوں کو کیا جانیں اور آنکھیں بند کر کے بر صحیح حدیثوں کا انکار کیا جو ان کا اصلی مقصود ہے (خدا کی پناہ)۔ بہرحال ان احادیث صحیحہ سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسلام کی تہذیب کتنی شاندار اور ترقی یافتہ ہے کہ وہ انسان کو فرشتہ خصلت بنا دینا چاہتی ہے مگر آج اسلامی تہذیب کہاں ہے اسکو تو مغربی تہذیب نے بالکل ختم ہی کر ڈالا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ایک طرف تو پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کو محترم ومکرم جانکر انکی عصمت و آبرو کا لحاظ فرماتے ہوئے انکو خوشبو لگا کر مجلسوں اور بازاروں میں چلنے پھرنے سے منع فرماتے ہیں تو دوسری طرف عام مسلمانوں

بھی کر لیا ہے صبح و شام گلیوں کوچوں بازاروں، سینما گھروں میں پورے کروفر، بناؤ سنگار، عطر اور خوشبو لگا کر چست و باریک لباس اس طرح زیب تن کرتی ہوئیں گشت اور چہل قدمی کر رہی ہیں کہ ماشاءاللہ شیطان بھی وہ دیکھکر الامان الحفیظ کا نعرہ بلند کر رہا ہے اور شیخ وقت کو بھی بے ساختہ شاعر کا یہ شعر زبان پر آجاتا ہے۔ ؎

کھلے منہ ارے کون جا رہی ہے ۔۔۔ گلستاں کی تازہ ہوا کھا رہی ہے

عورتوں کی اسی بے حیائی کا نتیجہ ہے کہ اب معزز اہلِ اسلام کی لڑکیاں مسلمانوں کو چھوڑ کر سکھوں اور ہندوؤں پہ فریفتہ ہو رہی ہیں۔ اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ مسلمان عورتوں کو قرآن و حدیث پہ ایمان نہیں ہے اور نہ ہی یہ کہ وہ دینِ اسلام سے علیحدہ ہو رہی ہیں بلکہ اسکی اصل وجہ ان کے نادان سرپرست اور بے غیرت ماں باپ ہیں جنہوں نے اپنی لڑکیوں کو بالکل آزاد چھوڑ دیا ہے اور جن کو بالکل معلوم ہی نہیں کہ لڑکی سکول کا نام دیکر دس بجے گھر سے نکلتی ہے اور شام کو واپس آتی ہے تو کیا وہ فی الواقع سکول ہی میں تھی یا اور کہیں؟ اور مسلم لڑکیوں کی اس بے راہ روی کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ دینی تعلیم سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ لڑکیوں کی اس گمراہی اور تباہ حالی کی اصل وجہ سیاسی اور مذہبی لیڈر شپ کی غفلت اور غیر مآل اندیشی اور عاقبت ناشناسی ہے۔ اگر انہوں نے مسلمان لڑکیوں کیلئے علیحدہ سکول اور کالج قائم کئے ہوتے جن میں دینی و دنیوی تعلیم ہوتی تو یہ مصیبت نہیں آتی جسے دیکھکر آج ہر مسلمان خون کے آنسو بہا رہا ہے۔ مگر افسوس ہمارے ملک کے مسلمان قائدین تو وہ کام کرتے ہیں جنمیں دین کا بھلا کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ باقی رہے ہمارے ملک کے مذہبی پیشوا تو وہ بیچارے بے پر و بال ہونے کی وجہ سے اس سیلاب میں خود سب سے پہلے بہہ گئے ہیں اور پھر انکی سنتا بھی کون؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عوام مسلمانوں نے اپنے لیڈروں اور مذہبی پیشوا کا بھرم اچھی طرح کھل گیا ہے اور انہوں نے انکے قول و فعل کا تضاد دیکھ لیا ہے اس لئے وہ ہر حال میں اپنے زعماء کی عملی تقلید میں اپنی نجات سمجھتے ہیں اور اسمیں وہ

حق بجانب ہیں۔ باقی ہمارے زعماء ایسے وقتوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ہدایات کے سامنے نہیں رکھتے بلکہ وہ ایسے وقتوں میں یورپ اور امریکہ کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ بس مصیبت تو یہی ہے ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے اپنے بعد کے لوگوں کے درمیان عورتوں سے بڑھ کر نقصان دہ فتنہ اور کوئی نہیں چھوڑا" یعنی میرے بعد جہاں اور بہت سے فتنے ہوں گے ان فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ عورتوں کا ہے۔ (ترمذی)

بے شک اللہ کے پیغمبر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ہے ـــ کاش! ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں مسلمان لڑکیوں کے والدین اور سرپرست ان کے ذہنی و اخلاقی تربیت کی طرف بھی کچھ دھیان دیں اور سوچیں کہ آئندہ اس فتنہ عظیم سے کیونکر چھٹکارا ہو جائے ـــ خاص کر دیہات اور قصبات کے سچے مسلمانوں کے لئے ابھی وقت ہے کہ وہ اپنی بچوں خاصکر لڑکیوں کی بہترین اصلاح کی طرف قدم اٹھا سکتے ہیں، کیونکہ ابھی اتنی بے غیرتی اور بے پردگی ان کے ہاں نہیں پھیلی ہے جتنی شہروں میں پھیلی ہے۔

(جنوری ۱۹۳۸ء)

جوازِ خلوت نشینی

" یُوشِکُ اَنْ یَکُوْنَ خَیْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ یَتْبَعُ بِھَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ یَفِرُّ بِدِیْنِہٖ مِنَ الْفِتَنِ۔"   (اخرجہ البخاری)

یعنی :-

ایسا وقت نزدیک آنے والا ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو لئے لئے پہاڑیوں کی چوٹیوں اور بارش کے جمع ہونے کی جگہوں یعنی نالوں میں جبکہ وہ خشک ہو جائیں، اپنے دین کو لئے ہوئے فتنوں سے بھاگا بھاگا پھرے گا۔"

اور دوسری حدیث مبارک میں فرمایا :-

" وَرَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِیْ شِعْبٍ جَبَلٍ لَہٗ غُنَیْمَۃٌ یُؤَدِّیْ حَقَّھَا وَیَعْبُدُ اللّٰہَ۔" یعنی : اور وہ شخص جو اپنی بکریوں کے ساتھ پہاڑ کے دامن کی طرف دوڑ کر اور وہاں الگ تھلگ رہ کر اپنے ریوڑ کا حق ادا کرے گا اور وہی اللہ کی عبادت بھی کرے گا۔"

اور جس شخص کو دوسرے سے یا تو کوئی حاجت ضروری ہو، خواہ دنیوی ہو، جیسے تحصیل نفقہ عیال جبکہ توکل پر قادر نہ ہو خواہ دینی ہو۔ مثلاً تحصیلِ علومِ ضروریہ، اس کے لئے خلوت جائز نہیں۔ اسی طرح اگر اس کے ساتھ خلائق کی حاجات دنیوی یا دینی متعلق ہوں

تو بھی خلوت جائز نہیں۔ اور بعض احادیث سے جو نہی خلوت کی مفہوم ہوتی ہے وہ دونوں حالتوں میں محمول ہے، جیسا کہ حضرت عثمان ابن مظعونؓ کو تبتّل سے منع فرمایا گیا کہ اس وقت ان کو بھی تحصیل علومِ دین کی حاجت تھی۔ ادھر مسلمانوں کو بھی طرف دینی جماعت بھی بالخصوص اعلاء کلمۃ اللہ و ترقی اسلام میں ان کی بہت بڑی ضرورت تھی۔

یہ تفصیل اس خلوت میں ہے جس کی بطریق عادتِ دائمی تجویز و اختیار کرے ایک خلوت چند روزہ ہے جس کی ضرورت لبعا اوقات مبتدی سالک کے لئے واقع ہوتی ہے۔

خلوت کے فائدے: گناہوں سے بھی اجتناب ہوتا ہے، بشرطیکہ ایسی عزلت ہو جس میں نگاہ کی بھی حفاظت کرے، کان کی بھی حفاظت کرے، دل کی حفاظت کرے، قصداً کسی غیر کا خیال دل میں نہ لاوے اگر آجاوے تو ذکر اللہ میں مشغول ہو کر اس کو دفع کر دے، ایسی عزلت میں واقعی گناہوں سے بڑی حد تک حفاظت ہوگی۔ اور ظاہر ہے دفع مضرت جلبِ منفعت پر مقدم ہے تو عزلت اختلاط پر مقدم، کیونکہ اختلاط میں گو منافع بہت ہیں مگر ساتھ یہ مضرت بھی ہے کہ اس میں اکثر گناہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے اختلاط کے ساتھ قلتِ کلام بہت دشوار ہے، یہ کام صدیقین اور کاملین کا ہے ورنہ اکثر اختلاط میں فضول باتیں بہت کرنی پڑتی ہیں۔ جن لوگوں کا وقت خلوت کے لئے مخصوص نہیں ہوتا رفتہ رفتہ ان کا قلب انوار سے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔

اختلاط کے فوائد: اور جن حالات میں بعض افراد کے لئے جلوت یعنی اختلاط مفید ہے۔ ان کے لئے اس کے یہ فوائد ہیں:

اوّل تعلیم و تعلّم اس پر موقوف ہے۔ عزلت سے تعلیم و تعلّم کا باب بند ہو جاتا ہے ــــ دوّم، اختلاط میں خدمتِ خلق کا موقع ملتا ہے ــــ سوّم، جماعت کی فضیلت اختلاط سے حاصل ہو سکتی ہے جو شخص عزلت گزین ہو گا وہ جماعت کا ثواب اور خدمتِ خلق کی فضیلت سے محروم رہے گا ــــ چہارم، اس سے تواضع پیدا ہوتی ہے ــــ پنجم، دین کا فیض ہوتا ہے، بدون اختلاط کے بزرگوں سے فیض حاصل کرنا دشوار ہے۔

طریق کار: ہر کام کو اپنے اوقاتِ مقررہ پر کریں، دنیا کا کام اپنے وقت میں اور وظائف اپنے وقت میں، حتیٰ کہ گاہ گاہ لطیفے اور مختصر مزاح بھی اپنے اور دوسرے مسلمانوں کی تفریح و تطییبِ قلب کیلئے اپنے موقع پر کر لینا چاہئے۔ اسطرح سب کام چلتے رہینگے ورنہ بالکل گوشہ نشین رہنے سے بعض اوقات طبیعت میں شوق اور امنگ کا مادہ ضعیف ہو جاتا ہے اور بدون اسکے کام چلنا دشوار ہے۔ خدمتِ خلق اللہ سالک کیلئے بہت ہی نافع ہے مگر ضرورت سے زیادہ اختلاط نہ کریں کہ وہ مضرِ باطنی ہے۔ سالک کیلئے عزلت ضروری ہے۔ تعلقات بڑھانا نہ چاہئے، نہ دوستی، نہ دشمنی کہ ذکر اللہ میں خلل انداز ہو گا۔ جب تک خلوت میں دل خدا تعالیٰ کیساتھ لگا رہتا ہے، خلوت میں رہے اور جب خلوت میں انتشار اور ہجوم خطرات ہونے لگے تو مجمع میں بیٹھے، اس سے خطرات دفع ہونگے اور اسوقت جلوت بھی خلوت کے حکم میں ہے۔ یہ چار قسمیں: قلتِ کلام، قلتِ طعام، قلتِ منام اور قلتِ اختلاط مع الانام مجاہدے اجمالی کی ہیں۔ (... جولائی ۸۲ء)

ضمیمہ

ضمیمہ صفحہ ۱۵: (۶۶) سلام کا جواب دینا (۶۷) مریض کی بیمار پرستی کرنا (۶۸) جنازے کے ساتھ چلنا۔ (۶۹) دعوت قبول کرنا جب مجلس دعوت میں کوئی امر منکر نہ ہو۔ (۷۰) چھینک کا جواب یرحمک اللہ کہہ کر دینا، وَأَفَادَ بَعضُهُم فِي بَعضِ مَا ذَكَرنَا، أَشيَاءَ أُخَرَ اور امام نسفی صحیح (فلیطلب ثمہ۔ الحوشی! کتاب کی ضخامت کے اندیشہ سے ہم نے یہ لکھنے بند کئے۔ مرتب)

ضمیمہ صفحہ ۱۸: چونکہ مؤلف کتاب نے آسان دینیات کے تمام حصوں میں استنجا اور وضو اور نماز کے مسائل لکھے ہیں۔ اور یہ کتاب سرکاری اور قومی سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس لئے کتاب میں صرف طہارت کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ مزید طہارت متعلقہ مسائل کی تعلیم کیلئے آسان دینیات کی طرف مراجعت فرمائی جا سکتی ہے۔ منہ

ضمیمہ صفحہ ۱۹۹: چونکہ یہ حدیث کئی قسطوں میں شائع ہو چکی ہے اور جس قسم کی اہمیت کی حامل ہے اس کی قسطیں ہی شائع کی گئی ہیں چونکہ بدقسمتی سے تاحال حدیث کی باقی قسطیں دستیاب نہیں ہو سکیں۔ اسلئے حدیث مبارک کی تشریح نامکمل ہے۔ انشاء اللہ دوسری جلد میں اس کی تکمیل ہوگی۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ کامل مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ کی تکلیف سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ضمیمہ صفحہ ۱۷۹: اصل حدیث اس طرح ہے " اَلمُسلِمُ مَن سَلِمَ المسلمونَ مِن لِسانِہ وَیَدِہ الیٰ آخر الحدیث (رواہ النسائی وغیرہ)

تصحیح اغلاط

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
نوٹ:- بعض سخت غلط لفظوں کی تصحیح ملاحظہ فرمائے اور مطالعہ کرنے والے حضرات دوسرے غلط لفظوں کی خود تصحیح فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ مترتب			
۵	۵	تعدید	تصحیح
۶	۱۵	جماعتیں	جماعتیں
۱۳	۱۸	غیر اللہ کی محبت اور خوف وریا سے بچو کوئی بات نہ آجائے	اللہ کی محبت اور اسکے خوف سے ریا و شرک و کفر کی کوئی بات سامنے نہ آئے
۱۶	۱۵	وَلَاۃِ الْاَمْرِ	وُلَاۃُ الْاَمْرِ
۸	۱۰	وَقَصِیدُہٗ	وَقَصِدُہٗ بِہٖ
۲۰	۸	محبوب	محبوبوں
〃	۹	دولتِ ایمان	ایمان
۲۱	۱۵	وَاِذَا الْمُتَرَی الْھِلَال	وَاِذَا لَمْ تَرَ الْھِلَالَ
۲۲	۱	تاجری	عاجزی
〃	۱۱	بہودہ	بیہودہ
۲۷	۲۳	غواضی	غواصی
۲۸	۱۶	شریف	زندگانی مبارک
۳۲	۴	رفع یدیہ حتیٰ	رفع یدیہ حتیٰ کا منا....
۳۴	۱۰	اُدْعُوا رَبَّکُمْ	اُدْعُوْا
۳۹	۱۰	کی طرح	کی طرف
۴۶	۷	قال المہنی	قَالَ الْحَسَنُ

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۴۶	۱۳	وان اللہ عبداً صاولاً	وَاَنَّ اللّٰہَ مُدَّحُ عبداً صالحاً
۴۸	۸	قراءَ	قَرَأَ
۵۰	۱۷	وَھٰذا اکرفع	وھٰذا کرفعِ
۵۷	۱۶	صاحب النورالانوار	شارح نورالانوار
۵۸	۲۰	وعند رفع الرّابس	وعند رفع الرّأس
۶۶	۹	کوئیت	رَئَیتُ
۷۴	۷	فاس	فَاس
۹۴	۱۸	وسکونہٗ تسبیح	وَسکوتُہٗ تسبیحٌ
۹۴	۱۳	الاوص	الارض
۱۳۰	۱۳	تصریع	تفریح
۱۶۸	۱۶	تلاوتلات	تاویلات
۱۸۰	۱۲	تم سے	تم مجھ سے
۲۰۶	۱۲	متخالف	متخالف
״	۴	تعبیل	تقلیل
۲۴۹	۱۰	طرابع	طبایع
۲۵۳	۶	متصور	مقصود
۳۶۳	۱۰	قطارئیں پہنچے	قطاریں شامل ہوئیں
۲۷۵	۱۷	حصور	حصر
۲۷۷	۷	حبس	رجس

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۲۹۹	۱۰	کیا مردے ایک دوسرے کو	کیا مردے ایک دوسرے کو
۲۵۵	۱۶	مَحْزُنٌ	مَحْزُوْنٌ
۲۴۸	۶	قَانِی اللّٰہ	فَانِی اللّٰہ
		(نوٹ:) ایک جگہ "خداوزد" آیا ہے اور دوسری جگہ "من قبرہم" آیا ہے	(صحیح) خداوند مِنْ قُبُورِہِم (پڑھیے)

تمّ الجُزءُ الاَوّلُ
ویلیہ الجُزءُ الثانی
انشاء اللّٰہ تعالیٰ

۲۶ صفر المظفر ۱۳۷۶ھ
مطابق
۱۰ ماہ نومبر ۱۹۵۶ء